مقالاتِ حافظ محمود شیرانی

جلد دوم

اُردو زبان اور اُس کے آغاز و ارتقا سے متعلق مضامین

مرتبہ

مظہر محمود شیرانی

مجلسِ ترقیِ ادب
کلب روڈ لاہور

طبع اول : جنوری ۱۹۶۶ع

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلسِ ترقیِ ادب ، لاہور

مطبع : شفیق پریس ، لاہور

مہتمم : ایس - ایم - شفیق

قیمت : ~~بارہ روپے~~

مقالاتِ حافظ محمود شیرانی : جلد دوم
(اردو زبان اور اس کے آغاز و ارتقا سے متعلق مضامین)
مرتبہ مظہر محمود شیرانی - - - - - - - ۱۸/-

فہرست مضامین

نہ صرف خود دیکھ کر خوش ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی دکھاتا ہے اور مسرور ہوتا ہے ۔ ایک مرتبہ جب گوالیر میں پڑاؤ تھا ، بابر ایک آبشار کی سیر کے لیے جو گوالیر سے چھ کوس پر جنوب مشرق میں واقع تھا ، روانہ ہوتا ہے ۔ جنگل میں آبنوس کے درخت نظر آتے ہیں وہ خوش ہو کر اپنے ہم راہی مغلوں کو جنھوں نے یہ درخت اب تک نہیں دیکھا تھا ، بتاتا ہے ۔ لکھتا ہے :

''درخت آبنوس را کہ اہل ہند تبندو گویند بہ مردمے کہ ندیدہ [بودند] نمودہ شد ۔'' (صفحہ ۲۲۶)

بابر ہندوستان کی ان اشیاء کے جو اس کی نظر میں عجیب تھیں ، نام پوچھتا ہے اور پھر اپنی وقائع میں وہ نام درج کرتا ہے ۔ اگرچہ ہندوستانی مخصوص اصوات تک اس کی رسائی نہیں ہے ، وہ تازہ وارد مغل کے لہجے میں انھیں لکھتا ہے ، یعنی 'گھڑیال' کو 'گریال' ، 'سدا پھل' کو 'سدا فل' اور 'بڈھل' کو 'بدل' لکھ رہا ہے ۔ اگرچہ ہندوستان میں وہ صرف چھ سال کی مختصر مدت کے لیے زندہ رہتا ہے اور اس مدت میں اس کی تمام توجہ اس ملک کی فتوحات اور انتظام پر مبذول تھی تا ہم وہ یہاں کی زبان کے ساتھ کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور حاصل کر لیتا ہے ۔ وہ اس ملک کی بعض خصوصیات لسانی کا ذکر کرتا ہے ۔

ایک موقع پر پنجاب کے جنجوعوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :

''نام حاکم ایل والوس ، نواحی آب سوہان ، ملک ہست بود ۔ نام اصلی او اسد بود و ہندوستانیاں این چنیں حرکت را گاہے ساکن می خوانند ، چنانچہ خبَر را خبْر می گویند ، اسَد را اسْد گفتہ اند رفتہ رفتہ ہست شد ۔'' (صفحہ ۱۴۱)

(صفحہ گزشتہ کا باقی حاشیہ)

اس کا فارسی ترجمہ اکبر کے حکم سے عبدالرحیم خان خاناں نے کیا ہے ؛ میں اسی نسخے سے جو بمبئی میں چھپ چکا ہے ، کام لے رہا ہوں ۔

دوسرے موقع پر آم کے ذکر میں بیان کرتا ہے :

"یکے انبہ است ؛ اکثر مردم ہندوستاں بے را بے حرکت تلفظ می کنند ۔"

یہ تلفظ پنجاب میں آج بھی رائج ہے ۔ ایک جگہ لکھتا ہے کہ ہندوستانی شین کو سین بولتے ہیں :

"چوں اہل ہندوستان شین را سین تلفظ می کنند ۔"

اسی طرح کالے ہرن کے ذکر میں بابر کہتا ہے :

"ہندوستانیاں کلہرن می‌گویند ، دراصل کالا ہرن بودہ ، یعنی آہوئے سیاہ ، تخفیف کردہ کلہرن گفتہ اند ۔"

ان بعض امثال سے ظاہر ہے کہ بابر نے یہاں کی زبان سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرور کوشش کی ہے ۔ 'بابر نامہ' میں ذیل کے حیوانات کے ہندی نام درج ہوئے ہیں :

(۱) ہاتھی ۔ کہتا ہے : "یکے فیل است ہندوستانیاں ہاتھی میگویند ۔"

(۲) کلہرن ۔ فارسی اور انگریزی ترجمۂ 'بابر نامہ' میں کلہرا مرقوم ہے ، لیکن اصل ترکی 'بابر نامہ' میں کلہرن ۔ راجپوتانے کے مغربی حصے میں کالے ہرن کو آج بھی 'کالیھڑا' کہا جاتا ہے ۔

(۳) بندر ۔ جیسے ترکی 'بابر نامہ' میں باندر لکھا ہے ۔

(۴) لنگور ۔ صرف فارسی ترجمے میں ملتا ہے لیکن اصل ترکی اور اس کے انگریزی ترجمے میں یہ نام نہیں ملتا ۔

(۵) نیولے کو بابر نے نول کی شکل میں لکھا ہے ۔ 'خالق باری' میں نیول آیا ہے ع

کردم بچھو را سو نیول

مگر حکیم یوسفی کی تصنیف 'ریاض الادویہ' میں نول ہی تحریر ہے ۔

حکیم یوسفی بابر اور ہمایوں کے معاصر ہیں ۔

(۶) مور یعنی طاؤس

(۷) گلہری

(۸) سارس

(۹) ڈھینگ (ڈھیک)

(۱۰) پھول پیکر

(۱۱) چمگادڑ کو بابر نے چمگدر لکھا ہے ؛ 'ریاض الادویہ' میں چمگودڑی تحریر ہے ۔

(۱۲) 'بابر نامہ' کے فارسی ترجمے میں 'مینا' اور 'ممولے کے نام بھی ملتے ہیں مگر ترکی 'بابر نامہ' میں مذکور نہیں ۔

(۱۳) گوڑیال کو گریال کی شکل میں لکھا ہے ۔

(۱۴) فارسی ترجمے میں کاکلہ بھی آتا ہے ۔

(۱۵) کویل

(۱۶) درختوں میں بابر سب سے پہلے آم کا نام لیتا ہے جسے اس کی پنجابی شکل میں لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ ہندوستانی 'بے' کو بغیر کسی حرکت کے بولتے ہیں ۔ چوں کہ یہ تلفظ برا معلوم ہوتا ہے اس لیے بعضوں نے اس کا نام نغزک لکھا ہے ۔

''چوں بد تلفظ می شود بعضے نغرک گفتہ اند ، چنانچہ خواجہ خسرو گفتہ :

نغرک ما نغزکن بوستاں نغز ترین میوۂ ہندوستان''

آم کا نام نغرک سلطان شمس الدین التمش نے رکھا ہے جیسا کہ ہمیں اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو شیخ نظام الدین اولیاء کے نام پر 'فوائد الفواد' میں درج ہے[۱] ۔

۱ ۔ از آں سلطان شمس الدین فرمود کہ او وقتے در بداوون آمد نغز کے چند پیش او آوردند و آنجا نغرک (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۱۷) کیله - بابر کہتا ہے کہ عرب موز کہتے ہیں ۔

(۱۸) املی - بابر نے انبلی لکھا ہے ، حکیم یوسفی املی لکھتے ہیں -

(۱۹) مہوہ - جس کے لیے کہا ہے کہ اس کی لکڑی عمارت کے کام میں آتی ہے اور پھولوں سے شراب بنتی ہے -

(۲۰) کھرنی جسے کرنی لکھا گیا ہے -

(۲۱) جامن

(۲۲) کمرک

(۲۳) گدھل (گڑھل)

(۲۴) بدھل (بڑھل)

(۲۵) بیر

(۲۶) کرونده

(۲۷) بنیاله

(۲۸) گولر - جسے بہ تخفیف واو گلر لکھا ہے -

(۲۹) آنوله - جسے آمله لکھا ہے - 'ریاض الادویه' میں 'آنوله' مرقوم ہے -

(۳۰) چرونجی

(۳۱) ناریل - جسے اصل ترکی میں نالیر تحریر کیا گیا ہے -

(۳۲) تاڑ - لکھا ہے کہ اس کے عرق کو 'تاڑی' کہتے ہیں -

(۳۳) بجوڑہ کو بجوری لکھا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ یہ پھل سرحدی علاقۂ ہندوستان یعنی باجوڑ سے آیا ہے -

---

(صفحہ گذشتہ کا باقی حاشیہ) نیک شیریں باشد - چوں بخورد کہ این را چه گویند ،گفتند ایں را آم گویند، مگر بردان نرکی آم چیرے قبیحے را گویند- سلطان فرمود ایں را نغزک باید گفت - چوں این نام بر لفظ مبارک او رفت همیں نام شد -'' (فوائد الفواد ، صفحه ۲۲۵ ، فخرالمطابع ، دهلی)

باحوڑ کا تلفظ ان ایام میں 'بجور' بغیر الف کے ہوتا تھا ، اس لیے اس علاقے کے نام پر پھل کا نام بھی 'بجوڑہ' ہوگیا ۔ حکیم یوسفی امرج کے ترجمے میں 'بجورہ' کا لفظ لکھتے ہیں ۔ 'مؤیدالفضلا' (نوشتہ ۹۲۹ھ) میں گوشت نرخ کا ترجمہ بجوڑی کا گودہ دیا ہے ۔

(۳۴) سنگترے کو بابر 'سنگتارا' لکھ رہا ہے جیسا کہ اصل ترکی اور اس کے فارسی اور انگریزی ترجموں میں درج ہے ۔ 'سنگترے' کا مروجہ نام 'رنگترہ' محمد شاہ (۱۱۳۱ھ و ۱۱۶۱ھ) کے عہد کی یادگار ہے ۔ اس پادشاہ نے اس کی رنگت پر نظر کر کے کہا ہے کہ اسے رنگترہ کہنا مناسب ہے ۔

(۳۵) گل گل

(۳۶) جنبیری

(۳۷) سدا پھل جسے 'سدا فل' فے کے ساتھ لکھا ہے ۔

(۳۸) 'امرد فل' یعنی 'امرت پھل'

(۳۹) کرنا

(۴۰) امل بید

(۴۱) کنیر

(۴۲) کیوڑا

(۴۳) 'کیتکی' جو صرف فارسی ترجمے میں درج ہے ۔

(۴۴) چمپہ

(۴۵) چنبیلی

ہفتے اور مہینوں کے نام اصلی ترکی نسخے میں اس طرح درج ہیں :
سانیچر ، ایتوار ، سوموار ، مانگلوار ، بودوار ، بریسپانوار ، سکروار ۔
چیت ، بیساکھ ، جسٹ ، اسارہ ، ساون ، بھادوں ، کوار ، کاتک ، پوس ، ماگھ ، پھاگن ۔

ان کے علاوہ ذیل کے اور ہندی اسما بابر نامہ میں ملتے ہیں :

(۱) چودھری ۔ کلانتران و چودریان

(۲) درخت سینبل

(۳) جٹ و گوجر

(۴) نانک

(۵) سوالک پربت

(۶) گری ، یعنی گھڑی

(۷) پہر

(۸) گریال ، یعی گھڑیال

(۹) گریالی ، یعی گھڑیالی

(۱۰) رتی

(۱۱) ماشہ

(۱۲) نایک = (۳۲ رتی)

(۱۳) تولہ

(۱۴) سیر

(۱۵) من

(۱۶) مانی ، جو بارہ من کی ہوتی ہے

(۱۷) میناسہ ، جو سو مانی کا ہے

(۱۸) ٹانک

(۱۹) لک ، یعنی لاکھ

(۲۰) کرور

(۲۱) ارب

(۲۲) کرب ، یعني کھرب

(۲۳) نیل

(۲۴) پدم

(۲۵) سانک ، یعنی سنکھ

(۲۶) دیوٹیاں ، یعنی مشعلچی

(۲۷) اندھی ، یعنی آندھی

(۲۸) ''دای ۔ باصطلاح ہندوستان حہ کلاے زینہ دار را 'دای' گویند ۔''

(۲۹) جاشنی گر ۔ اس کے لیے کہتا ہے ''مردم ہندوستان نکاول را حاشنی گیر مگویند ۔''

(۳۰) سندو

(۳۱) ہتیہ پول کے معنی یوں دیے ہیں : ''ہیل را ہاتھی گویند ، دروازہ را پول ، ازیں جہت ہتہ پول می گویند ۔''
(صفحہ ۲۲۴)

(۳۲) پاتر

(۳۳) ڈاک چوکی

(۳۴) چوکنڈی ، یعنی چوکھنڈی

(۳۵) گول ککری

(۳۶) کہار

(۳۷) دوں : ''بہ زبان ہندوستان جاکار را دوں[1] می گفتہ اند ۔''
(صفحہ ۱۷۹)

یہ تمام الفاظ جو میں نے درج کیے ہیں ، سوائے ایک آدھ کے سب کے سب آج بھی اردو میں موجود ہیں ، اس لیے ہم اس قیاس کے مرتب کرنے میں حق بجانب ہیں ، کہ اردو زبان ان ایام میں بالعموم بولی جا رہی ہے ۔ جس طرح بعد میں انگریز نووارد ہندوستان آ کر

---

۱ ۔ گھاٹی اور پہاڑی راستہ ۔

اردو سیکھنے پر مجبور ہوتے ہیں جسے وہ 'زبان ہندوستان' اور 'زبان مور' یعنی مسلمانی زبان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ نووارد مغلوں کو بھی اسی طرح اس زبان سے واسطہ پڑتا ہے۔

بابر نے ہندوستان آ کر اس زبان سے کسی قدر آشنائی بہم پہنچائی ہے۔ اس کا ثبوت اس کے دیوان سے بھی ملتا ہے۔

کتب خانۂ رام پور میں بابر بادشاہ کا ایک مختصر ترکی دیوان ہے جو اڑتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر تیرہ یا بارہ سطریں ہیں۔ دیوان کی ابتدا میں ایک ترکی مثنوی ہے جو خواجہ عبیداللہ احرار کے 'رسالۂ والدیہ' کا ترجمہ ہے۔ اس کے بعد متفرق ترکی اور فارسی قطعات و ابیات ہیں۔ خاتمے میں مرقوم ہے:

''حررہ بابر دوشنبہ ۱۵ ربیع الآخر ۹۳۵ھ۔''

حاشیے پر ایک ترکی رباعی مرقوم ہے۔ شاہجہان بادشاہ نے اسی حاشیے پر لکھا ہے کہ یہ ترکی رباعی اور اسم مبارک تحقیقاً حضرت فردوس مکانی یعنی بابر بادشاہ کے اپنے قلم کا نوشتہ ہے۔

الغرض یہ دیوان بابر کی ہندوستان کی کمائی ہے اور اسی سر زمین میں مرتب ہوا ہے۔

ڈاکٹر ڈینی سن راس نے ۱۹۱۰ء میں اس دیوان کا عکس اور متن رسالۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں شائع کر دیا ہے۔ دیوان کے صفحہ ۳۳ سطر ۶ پر ہم کو شعر ذیل نظر آتا ہے:

مجکا نہوا کچ ہوس مانک و موتی
فقرا هلیغه بس بو لغو سیدور پانی و روتی

پہلا مصرع تو بالکل صاف ہے جسے آج کل ہم یوں لکھیں گے:

'مجھ کو نہ ہوئی کچھ ہوس مانک و موتی'

یعنی مجھ کو لعل اور موتیوں کی آرزو نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے کے معنی ڈاکٹر ڈینی سن راس نے یوں بیان کیے ہیں:

''فقیروں کے لیے صرف روٹی اور پانی کفایت کرتے ھیں۔''

ڈاکٹر ڈینی سن راس اپنے دیباچے میں اس شعر کے متعلق لکھتے ھیں :

''اس شعر میں ھم اردو اور ترکی زبانوں کا ایک غیر معمولی اتحاد مشاھدہ کرتے ھیں۔ فارسی اور اردو کے مخلوط اشعار ایک زمانے میں نہایت عام تھے جن سے ریختہ کی اصطلاح جس نام سے پرانی اردو شاعری معروف ھے، رواج پزیر ھوئی۔''

اکبری دور

جلال الدین اکبر ۹۶۳ھ میں تخت نشین ھوتا ھے اور بہ حساب سنین قمری نصف صدی سے زیادہ عرصے تک سلطنت کر کے ۱۰۱۴ھ میں وفات پاتا ھے۔ اکبر آٹھ نو سال کی عمر میں ھندوستان آ جاتا ھے اس لیے اس کو ھندوستانی زبان سے واقفیت حاصل کرنے کا بہت موقع ملتا ھے۔ ترکی اس کی گھریلو زبان تھی، فارسی بے تکلف بولتا تھا لیکن اس کو مکتبی تعلیم کا کوئی موقع نہیں ملا۔ خود اس کا فرزند جہانگیر اس کو امی کہتا ھے :

''با آنکہ امی بودند از کثرت مجالست با دانایان و ارباب فضل در گفتگو ھا چنان ظاھر می شد کہ ھیچ کس بے امی بودن ایشان نمی برد۔'' (صفحہ ۱۴، تزک جہانگیری)

ابوالفضل کا بیان ھے کہ دیوان حافظ رواں پڑھ سکتا تھا۔ لیکن عبدالقادر بدایونی میر عبداللطیف قزوینی کے ذکر میں گویا ھے کہ بادشاہ نے ان سے دیوان حافظ کے چند سبق لیے تھے :

''پادشاہ پیش ایشان سبقے چند از دیوان خواجہ حافظ وغیر آں خواندہ اند۔'' (منتخب التواریخ، صفحہ ۳۱۲، نولکشور)

یہی بدایونی دوسرے موقع پر لکھتا ھے کہ اکبر نے 'صرف ھوائی' کی تعلیم شیخ مبارک سے لی ھے :

''و ھمدراں ایام از شیخ مبارک تعلم صرف ھوائی گرفتند۔''
(صفحہ ۲۲۵، منتخب التواریخ)

اکبر کے استادوں میں بدایونی نے اخوند عبدالقادر کا بھی ذکر کیا ہے ۔ اس سلسلے میں جہانگیر نقیب خان مورخ مشہور عہد اکبری کا بھی نام لیتا ہے جس سے اکبر نے ابتدائے جلوس میں کچھ پڑھا ہے ۔ اسی لیے نقیب خاں کو اخوند کے نام سے پکارا جاتا تھا :

''در ابتدائے جلوس پیش او بعضے مقدمات خواندہ بودند ، بدیں تقریب او را اخوند مخاطب ساختہ می فرمودند ۔''

(صفحہ ۱۲ ، توزک جہانگیری)

لکھنے کی بھی بہت کم عادت تھی ۔ 'ظفرنامۂ تیموری' جس کی کتابت مولانا شیر علی نے ۱۴۶۷ء میں کی تھی اور کمال الدین بہزاد نے اس کی تصویریں تیار کی تھیں ، یہ نسخہ مولانا کمال الدین حسین اجو نے اکبر کی خدمت میں پیش کیا ۔ اس نسخے کے پہلے صفحے پر ایک جگہ لفظ 'فروردین' لکھا ہوا ہے ۔ جہانگیر نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ لفظ حضرت عرش آستانی یعنی اکبر بادشاہ کے ہاتھ کا نوشتہ ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ اکبر کو لکھنے پڑھنے کی بہت کم عادت تھی ، لیکن تعلیم یافتہ فرقے کی رات دن کی صحبت نے اس کو اس قدر جلا دے دی تھی کہ اس کی بے علمی کا راز کسی پر نہیں کھلتا تھا ۔

اکبر کی ہندی دانی کے متعلق اگرچہ کوئی معاصر شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے لیکن ایسے وجوہ کثرت سے موجود ہیں جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ ہندی زبان سے بخوبی واقف تھا ۔ اس کے محل میں رانیاں تھیں جن سے بات چیت کرنے میں ترکی اور فارسی زبانیں بے کار تھیں ۔ اس کے علاوہ ہندی موسیقی سے اس کی دل چسپی ، ہندی مغنیوں اور شاعروں کی سرپرستی ، برہمنوں کی جماعت کا اس کے دربار میں رسوخ ، ہندو علوم و فلسفہ میں اس کا ذوق اور سنسکرت کی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کروانا وغیرہ امور ثابت کرتے ہیں کہ وہ اس عہد کی مروجہ زبان یا زبانوں سے بخوبی واقف تھا ۔ یہی نہیں بلکہ اسے نئی نئی اختراع اور نئے نئے نام رکھنے کا بھی بہت شوق تھا ۔

سلطان شمس الدین التتمش نے لفظ 'آم' کے ذم کے پہلو کا لحاظ کر کے اس کا نام 'نغزک' رکھا تھا ؛ محمد بن تغلق نے لفظ 'خرگاہ' کے لفظی معنوں کا خیال کر کے نیا نام 'خرمگاہ' رکھا تھا ؛ اکبر بادشاہ نے اسی طرح فارسی میوہ 'کیلاس' کا جس کے معنی ترکی زبان میں بہ قول جہانگیر چھپکلی کے ھیں ، نام بدل کر 'شاہ آلو' رکھا تھا ۔ جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ھے :

''مراد از شاہ آلو کیلاس است ۔ چوں کیلاس بہ کیلاس کہ از نا مہای چلپاسہ است مشتبہ می شد حضرت والد بزرگوارم آنرا شاہ آلو نام کردند ۔'' (صفحہ ۵۵ ، توزک)

اور ابوالفضل کہتا ھے :

''کیلاس کہ خدیو عالم بہ شاہ آلو نامور ساختند ۔''
(آئین اکبری ، جلد اول ، صفحہ ۵۱)

اکبر نے ھاتھی کی 'اندھیاری' کا نام 'اجیالی' رکھا ۔ ابوالفضل کہتا ھے :

''گیتی خداوند اجیالی نام نہاد ۔'' (صفحہ ۹۹ ، جلد اول ، آئین اکبری)

اسی طرح حلال خور کا نام خاکروب رکھا ۔ ابوالفضل کہتا ھے :

''خاکروب : در ھندکناس را حلال خور نامندے ، گیتی خداوند بدین نام روشناس گردانید۔'' (صفحہ ، ۱۰۷ آئین اکبری)

خاکروب آج بھی بولا جاتا ھے ۔

پانچویں فارسی مہینے کا نام 'مرداد' ھے ، اکبر نے اس میں ایک الف کا اضافہ کر کے اس کا نام 'امرداد' رکھا ۔ اس میں جو خوبی پیدا ھو گئی ھے وہ ھندی لفظ 'امر' کے لحاظ سے ھے جس کے معنی غیرفانی ھیں ۔ 'امرداد' اکبر کے عہد کے تمام ماھواری سکوں اور تحریروں میں ملتا ھے بلکہ جہانگیری و شاہ جہانی سکوں پر بھی نظر آتا ھے ۔

'کرنگ' جو فارسی زبان میں سرخ رنگ کے گھوڑے کو کہتے ھیں ،

اکبر نے 'کرنگ' کے کاف کو سین سے بدل کر 'سرنگ' بنا لیا۔ یہ اصلاح ایسی مقبول ہوئی کہ آج بھی سرنگ ہی بولا جاتا ہے۔

اونٹ کی کاٹھی اکبر کی ایجاد ہے (صفحہ ۱۱۰، آئین) کاٹھی زین کے مقابلے میں لمبی ہوتی تھی۔

ہاتھی کے آنکس کا نام 'گج باگ' رکھا؛ آئین اکبری میں لکھا ہے:

"گیتی خداوند گج باگ نام نہاد۔" (صفحہ ۱۰۰، جلد اول)

ہاتھی کے ایک خاص طرز کے شامیانے کا، جو خود اکبر کی ایجاد ہے، میگھ ڈنبر نام رکھا گیا۔

اکبری عہد سے قبل چیتے کے شکار میں قاعدہ تھا کہ ہرن پر بہ‌یک‌وقت ایک ہی چیتا چھوڑا جاتا تھا جو ایک ہرن مار سکتا تھا؛ اکبر نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ دس دس بیس بیس چیتوں کو لے کر انھیں الگ الگ گھات کے مقامات میں بٹھا دیا۔ جب ہرنوں کا گلہ زد میں آیا اس وقت چاروں طرف سے چیتے ان پر چھوڑ دیے گئے۔ اس طرح ایک ہی وقت میں کثرت سے ہرن مارے جا سکتے تھے۔ اس نئی وضع کے شکار کا نام اکبر نے 'چتر مندل' رکھا تھا۔ کبوتر کے ایک خاص رنگ کا نام جو زرہی اور امیری کے بین بین ہوتا ہے 'زمیری' رکھا گیا۔ ابوالفضل کہتا ہے:

"زمیری رنگیست میان زرهی و امری، گیتی خداوند این نام برنہاد۔" (صفحہ ۱۷۵)

اسی طرح ازرق بھی جو زرد اور نخودی کے مابین ہوتا ہے، اکبر کا رکھا ہوا نام ہے:

"ازرق رنگیست میان زرد و نخودی جہان شہر یار بدین نام خواند۔" (صفحہ ۱۷۶، آئین)

خضری بھی اکبر ہی کا دیا ہوا نام ہے جو سبز اور عودی کے درمیان ہے:

"خضری میان سبز و عودی کشور خدا این نام گوید۔" (صفحہ ۱۷۶)

'سرمک' کے لئے بھی جو سرمئی اور مگسی کے مابین ہے، ابوالفضل کہتا ہے:

''شہر یار این نام بر نہادہ ۔'' (صفحہ ۱۷۶)

چندل مندل ایک نیا کھیل ہے جسے سولہ آدمی بیٹھ کر کھیلتے ہیں اکبر کی ایجاد ہے ۔ (صفحہ ۱۷۸)

علیٰ ھذا کنجری کے لیے ابوالفضل گویا ہے کہ :

''گیہان خدیو آنرا کنجنی برخواند ۔'' (صفحہ ۴۳)

یہ نام آج بھی برقرار ہے ۔

یہ بعض امور نہ صرف اکبر کی ایجاد پسندی کی دلیل ہیں بلکہ اس کی ہندی دانی کی بھی شہادت دیتے ہیں ۔ اس کے علاوہ اکبر نے اپنے سکوں ، بندوقوں اور جانوروں کے بھی جدا جدا نام رکھے تھے ؛ چناں چہ اس کی خاص بندوق کا جس سے اس نے ایک ہزار ایس جانور شکار کیے تھے 'سنگرام' نام تھا ۔ ایک سو ایک تولہ وزنی اشرفی کا نام 'سہنسہ' اس کے نصف کا 'رھس' چہارم کا 'آتمہ' اور پانچویں حصے کا 'بنست' نام تھا ۔ روپے کے نصف کا نام 'درب' ، چوتھائی کا 'چرن' ، پانچویں کا 'پانڈو' ، آٹھویں کا 'آشٹ' ، دسویں کا 'دسا' سولھویں کا 'کلا' اور بیسویں حصے کا نام 'سوکی' تھا ۔

نئے نام رکھنے کے لیے اس کا غلو اس قدر بڑھ گیا تھا کہ رات دن کی پوشاک کے معمولی ہندی فارسی ناموں کی بجائے جو کثرت استعمال سے زبان زد خاص و عام ہو چکے تھے ، جدید نام رائج کرنے کی کوشش کی ، اگرچہ قبول عام کا خلعت ان کو نہ مل سکا ۔ میں بعض کا یہاں ذکر کرتا ہوں ۔

جامہ جو آج کل صرف دولھا کی پوشاک مانا گیا ہے ، اس وقت درباری لباس تھا ۔ اکبر نے اس کا نام 'سرب گاتی' رکھا ۔

پاجامے یا ازار کے لیے نیا نام 'یار پیراھن' تجویز کیا ؛ نیم تنہ یا صدری کے لیے 'تن زیب' پسند کیا ۔ لنگی کا نام 'پٹ گت' ، برقع کا 'چتر گپت' ٹوپی کا 'سیس سوبھا' عورتوں کی موباف کا 'کیس گہن' پٹکے کا 'کٹ زیب' شال یا دو شالے کا 'پرم نرم' اور پشمینے کی ایک

خاص قسم پودک کا نام 'پرم گرم' رکھا ؛ جوتے کا نیا نام 'چرن دھرن' نکلا اور کپور دھور کا جو تبت میں بنا جاتا تھا نیا نام 'کپور نور' مقرر ہوا ۔ اکبر کی اس اپج کے لیے جو زیادہ تر برھمنی اثرات میں تھی ابوالفضل لکھتا ہے :

''گیتی خداوند پوششہا را نامے دیگر نہادہ گوس را بتازہ فروغے نورآگین ساخت ۔'' (صفحہ ۳۷ جلد اول)

اکبر کے دربار میں ہندوستان کے ہر صوبے کے آدمی موجود تھے۔ پنجاب ، سندھ ، گجرات ، بعض حصۂ دکن ، بنگالہ ، بہار اور ہندوستان اس کے قبضے میں تھے ؛ مغل ، ایرانی ، تورانی ، عرب ، افغان اور ہندی اس کی ملازمت میں تھے ؛ ہر مذھب کے پیرو اس کے دربار میں موجود تھے ۔ دفتر کی زبان فارسی تھی لیکن دربار میں خالی فارسی سے کام نہیں چل سکتا تھا ۔ اس موقع پر ہمیں بغیر ایک عالمگیر ہندی زبان کے وجود کے ماننے کے چارہ نہیں ہے جس میں راجپوتانے کے راجا ، کابل کے پٹھان ، گجراتی ، سندھی ، بنگالی ، دکنی اور ہندوستانی و پنجابی گفتگو کر سکیں ۔ ابوالفضل کے بعض اشاروں سے پایا جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسی زبان ضرور موجود ہے جسے وہ زبان روزگار ، زبان ہندی وغیرہ ناموں سے یاد کرتا ہے ۔ اب ہم اس زبان کے متعلق زیادہ قطعی معلومات حاصل کرنے کے لیے آئین اکبری کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ یہ تصنیف اکبری عہد کے دربار اور ضوابط اور ہندوستان کے حالات و اوضاع کے واسطے ایک بیش بہا ذخیرۂ معلومات ہے ، اور ۱۰۰۲ھ میں تالیف ہوئی ہے ۔

'آئین اکبری' کی دوسری جلد میں ابوالفضل بیان کرتا ہے کہ ہندوستان میں ایسی بولیاں جن کو ہندوستانی بر بنائے ادنیٰ تفاوت آپس میں سمجھ سکیں ہیں ، بے شمار ہیں ، لیکن ایسی زبانیں جن میں معاشرت تام ہے ، حسب ذیل ہیں :

(۱) زبان دھلی (۲) بنگالہ (۳) ملتان (۴) مارواڑ
(۵) گجرات (۶) تلنگانہ (۷) مرھٹ (۸) کرناٹک

(۹) سند   (۱۰) افغانان شال جو سندھ و کابل و قندھار کے مابین بولی جاتی ھے ۔ اس سے مراد پشتو ھے ۔   (۱۱) بلوچستان (۱۲) کشمیر ۔

زبان دھلی میں ابوالفضل غالباً اردو یا ھندی کو شامل کر رھا ھے ۔ وہ اس زبان کو مختلف ناموں سے پکارتا ھے ، کبھی زبان ھندی کہتا ھے مثلاً کہتا ھے :

''پاچک دشی به زبان هندی اوپله ۔'' (صفحه ۱۵ ، جلد اول)

کبھی زبان روزگار :

''این را به زبان روزگار درسن خوانند ۔''   (صفحه ۱۱۸ ، جلد اول)

کبھی ھندوی :

''سحۂ ضبط را که به هندوی حسره گویند ۔'' (صفحه ۲۳۱)

ایک جگه زبان وقت لکھا ھے :

''خزانه دار به زبان وقت فوطه دار گویند ۔'' (صفحه ۱۳۱)

ایک موقع پر عرف ھندوستان کہا ھے :

''بیاضچۂ حساب که به عرف هندوستان بہی گویند ۔'' (صفحه ۲۳۱)

ایک مقام پر ھندوستانی لکھا ھے :

''مسنگ هندوستانی مٹر گویند ۔'' (صفحه ۲۴۰)

ایک مقام پر زبان زد روزگار لکھ دیا ھے :

''کلا انب ، زبان زد روزگار بجای همزه واو بیشتر ۔''

یعنی صحیح کلاءنب ھے لیکن عوام کی زبان پر کلاونت ھے ۔ کہیں بدین زبان کہہ دیا ھے ، مثلاً عصا برداروں کے بیان میں لکھتا ھے ۔

''طائفۂ چوبدستی دارند و بدین زبان لکڑایت گویند ۔'' (صفحه ۱۴۷)

ایک موقع پر پنجابی زبان سے مقابلے میں دیار دھلی کے نام سے یاد کیا ھے ، مثلاً 'جدا کردن نقره از طلا' کے آئین میں لکھا ھے :

''آن بسته طلا باشد بزبان پنجاب کیل نامند و در دیار دهلی پنجر برخوانند ۔'' (صفحہ ۹۱ ، جلد اول)

آئین اکبری میں ہندی الفاظ و اصطلاحات کثرت سے آئی ہیں لیکن ان کا استعمال ضرورتاً ہوا ہے ، یعنی اس لیے کہ ان کا مرادف اصل فارسی زبان میں موجود نہیں ہے ۔ ابوالفضل ایسے ہندی الفاظ جن کے لیے فارسی میں لفظ موجود ہیں ، کبھی نہیں لکھتا ۔

سب سے پیشتر میووں کے نام دیے جاتے ہیں ۔ اس فہرست سے میں نے غیر ہندوستانی میوے مثلاً خربزہ ، بادام ، کشمش ، انگور اور سیب وغیرہ کے نام جو فارسی الاصل ہیں ، اگرچہ آج بھی اردو میں مستعمل ہیں ، خارج کر دیے ہیں ۔

شیریں : (۱) انب یعنی آم (۲) انناس (۳) کنولا[۱] (۴) اوکھہ (گنا) (۵) کٹھل (۶) کیلا (۷) بیر (۸) انبرت پھل (شریفہ) (۹) سدا پھل (۱۰) کھجور (۱۱) کھرنی (۱۲) مہوا (۱۳) ڈیپھل (۱۴) آوسیرا (۱۵) تیندو (۱۶) انگوھل[۲] (آنکوھل) (۱۷) ڈیلا[۳] (۱۸) گولا (۱۹) بھولسری (۲۰) ترکل[۴] (۲۱) پنیالہ (۲۲) لہسورا (۲۳) کنبھی (۲۴) کرھری (۲۵)ترری (۲۶) بنکہ (۲۷) گولر (۲۸) پیلو (۲۹) بروتہ (۳۰) پیار

کھٹ مٹھے : (۳۱) انبلی یعنی املی (۳۲) بڈھل (۳۳) کمرک (۳۴) نارنگی (ابوالفضل اس کو ہندی لفظ تسلیم کرتا ہے) (۳۵) جامن (۳۶) پھالسہ یعنی فالسہ (۳۷) کروندا (۳۸) کیت (۳۹) کانکو (۴۰) پاکر یعنی پاکھل یا پاکڑ (۴۱) کرنا (کھٹا) (۴۲) لبھیرا[۵] (۴۳) جنبھیری (۴۴) گرتہ ۔

---

۱ ۔ رنگترہ ۔ ۲ ۔ ایک قسم کا جنگلی کھیا ۔ ۳ ۔ پہاڑی درخت کا نام جس کا پھول زرد اور سرخ اور بڑا ہوتا ہے ۔ ۴ ۔ تاڑ کا میوہ ۔ ۵ ۔ لہسوڑہ کی قسم ۔

کھٹے : (۴۵) لیمو (۴۶) امل بیت[1] (بیل) (۴۷) کلگل (۴۸) کھیپ[2] (۴۹) بجورا (۵۰) آنولہ

خشک میوے : (۵۱) ناریل[3] (۵۲) پنڈ کھجور (۵۳) اخروت (اخروٹ) (۵۴) چرونجی (۵۵) کمہانان (۵۶) سو پیاری یعنی چھالیا (۵۷) گول گتھہ ۔

میوے جو پکا کر کھائے جاتے ھیں : (۵۸) پل ول[3] (۵۹) ترئی (۶۰) کیندوری[4] (۶۱) سینب (سیم) (۶۲) پیٹھہ (۶۳) کریلہ (یکسر را) (۶۴) ککورہ (۶۵) کچالو (۶۶) چچینڈا (۶۷) سورن (۶۸) گاجر (۶۹) سنگہارہ (۷۰) سالک (۷۱) پنڈالو (۷۲) سیالی (۷۳) کسیرو ۔

اس فہرست میں کل ۷۳ الفاظ ھیں ؛ میں نے امتحاناً ان الفاظ کو پلیٹ کی ہندوستانی ڈکشنری اور فرہنگ آصفیہ میں تلاش کیا ، اکثر الفاظ مل گئے لیکن یہ الفاظ جو تعداد میں بارہ ھیں ، نہیں ملے :

ڈیپھل ، اوسیرا ، انگوھل ، بنگہ ، گنبہی ، کرھری ، برونہ ، کانکو ، گھیپ ، گول گتہہ ، سیالی ، گولہ ۔

جب تہتر میں سے ساٹھ الفاظ اردو زبان کے ذخیرے سے مل رہے ھیں تو ظاہر ہے کہ ابوالفضل جس زبان کو زبان ھندی و زبان روزگار کہہ رہا ہے اس سے اس کی مراد یہی اردو زبان ہے ۔

ابوالفضل نے پھولوں کی دو قسمیں کی ھیں ؛ پہلی تقسیم میں خوشبودار پھولوں کا ذکر کیا ہے ، دوسری میں خوش رنگ پھولوں کا ؛ میں اسی ترتیب سے یہاں درج کرتا ھوں ۔

خوشبودار : (۱) سیوتی (۲) چنبیلی (۳) رای بیل (۴) مونگرا (موگرا) (۵) چنپہ (۶) کیتکی (۷) کیوڑہ (۸) چلتہ (چلتا)

---

۱ ۔ ایک بیل ۔ ۲۔ ایک قسم کا ترش پھل جس کا اکثر جورن بناتے ھیں ۔
۳ ۔ درخت ۔ ۴ ۔ ایک قسم کی ترکاری جو ترئی سے چھوٹی ھوتی ہے ۔
پرول اور پوکہرا بھی کہتے ھیں ۔

(۹) گلال (۱۰) تسبیح گلال (۱۱) بہولسری (۱۲) سنگار ھار یعنی ھار سنگھار (۱۳) کوزہ (۱۴) پاڈل (۱۵) جوھی - (۱۶) نواری (۱۷) کرنہ (۱۸) کپور بیل -

خوش رنگ : (۱۹) کنول (۲۰) گڈھل (گڑھل) (۲۱) رتن منجنی (۲۲) کیسو (ڈھاک) (۲۳) کنیر (۲۴) گدم (۲۵) ناگ کیسر (۲۶) سر ہن (۲۷) سریکھنڈی (۲۸) کروندہ (۲۹) دوپہریا (۳۰) بہون چمپا (بھچمپا) (۳۱) سدرسن (سکدرسن) (۳۲) سینبل (۳۳) رتن مالا (۳۴) سون زرد (۳۵) مالتی (۳۶) کرن پھول (۳۷) کریل (۳۸) جیب (۳۹) چنبیلہ (۴۰) لاھی (۴۱) دھننتر (۴۲) کنگلائی (۴۳) سرس (۴۴) سن -

مولانا نظام الدین محمد بن قوام بن رستم المعروف بہ کڑیی البلخی نے جو گجرات کے باشندے ھیں ، ۸۳۸ھ میں اپنی فرہنگ بحرالفضائل لکھی ہے ، اس میں پھولوں کے حسب ذیل نام دیے ھیں :

(۱) انار (۲) بالا (۳) بانسہ (۴) بہری (ابوالفضل کے ھاں پاپڑی) (۵) پدل (ابوالفضل کے ھاں پاڈل) (۶) بیل (۷) بہولسری (ابوالفضل کے ھاں بہولسری) (۸) تلسی (۹) کیوڑہ (۱۰) جای (۱۱) چنپہ (۱۲) جوھی (۱۳) دونہ (۱۴) ڈیلہ (ابوالفصل کے ھاں درختوں میں) (۱۵) رای چنپہ (۱۶) راہ بیل (۱۷) بسنت (۱۸) سرکھنڈ (ابوالفضل کا سریکھنڈی) (۱۹) کیسو (۲۰) سندوریہ (۲۱) سیوتی (۲۲) کرنی (ابوالفضل کا کرنہ) (۲۳) کنیر (۲۴) کتھن والو (۲۵) مروہ (۲۶) سنگار ھار (۲۷) گل نیم روز (ابوالفضل کا دوپہریا) (۲۸) مالجی (مالتی؟) -

مولانا نظام الدین کی فہرست کے نصف سے زیادہ نام ابوالفضل کی فہرست میں موجود ھیں - مختلف فیہ الفاظ پر ھم اس وقت نظر نہیں ڈالتے ، بالفعل اسی قدر کہنا کافی ہے کہ جو الفاظ ان دونوں فہرستوں میں مشترک ھیں وہ درحقیقت ایک ھی ذخیرۂ زبان سے تعلق رکھتے ھیں -

باوجودیکه ان مؤلفین کے درمیان ایک سو چونسٹھ سال کا دراز زمانہ حائل ہے ؛ پہلا گجرات سے تعلق رکھتا ہے ، دوسرا ہندوستان سے ، تاہم صاف واضح ہوتا ہے کہ دونوں اسی ایک زبان سے خوشہ چینی کر رہے ہیں ۔

عمارتی اور دوسرے کاموں کی لکڑی کے نام آئین میں یوں دیے ہیں :

انبلی ۔ کھیر ۔ کھرنی ۔ پرسدہ ۔ سیں ۔ مجیٹھ ۔ کھرھر ۔ مہوا ۔ چندنی ۔ پھلائی ۔ رکت چندن ۔ چمری ۔ سبسون پتنگ ۔ ساندن ۔ دھو ۔ آنولہ ۔ سال ۔ نینب (نیم) میں ۔ سول ۔ ساگون ۔ مجیسار ۔ پیلو ۔ توت ۔ بان براس ۔ سرس ۔ سیسون (شیشم) چھوکر ۔ دوھی ۔ ھلدی ۔ کیم ۔ حامن ۔ بڑ ۔ فراس ۔ کھندو ۔ حنا ۔ بیر آنب ۔ پاپڑی ۔ دیار ۔ کنبھیر ۔ چیڈہ (چیڑ) پیپل ۔ کٹھل ۔ کردین ۔ پلاس ۔ سمبل ۔ نکائین ۔ لھسوڑا ۔ اند ۔ پدما کہ ۔ رھیرا ۔

عمارتی اشیاء و پیشہ ور : جونہ ۔ قلعی ۔ گلمیخ ۔ کوکہ ۔ کھپریل ۔ بانس ۔ پتل[1] ۔ سرکی پولہ ، چھپر ۔ بھس ۔ ڈابہ ۔ موغ ۔ سن ۔ لک ۔ گیرو ۔ بانس ۔ براس ۔ پادل بند ۔ لکھیرا ۔

مختلف غلوں کے نام : مونگ ۔ مسور ۔ موٹھ ۔ جواری ۔ مٹر ۔ اڑد ۔ السی ۔ سرسوں ۔ تل ۔ کرر ۔ ارھر ۔ میتھی ۔ چینہ ۔ کنگی ۔ سانواں ۔ اجوائن ۔ کیوو ۔ لہدرہ ۔ سانونگ ۔ منڈوہ ۔

ترکاریوں کے نام : سوہ ۔ پالک ۔ چوکا ۔ بتھوہ ۔ چولائی ۔ کنکچھو ۔ دنور پتو ۔ اپلہاک ۔ پوسی ۔ ٹینڈس ۔ کچرہ ۔

کھانوں کے نام : خشکہ ۔ کھچڑی ۔ تھولی ۔ چکھی ۔ پہت (از مونگ و ماس و نخود و عدس مقشر و جز آن سرانجام یابد) ، ساک (مختلف سبزیوں کا) ۔ حلوہ ۔ قبولی ۔ زیربریاں ۔ قیمہ پولاؤ ۔ شلہ (نیم سیر برنج یک سیر نخود دہ سیر. گوشت سیرو پیاز دو سیر روغن زرد)

---

۱ ۔ از نے قلم سازند سقفہا از و پوشند صاف کردہ ۔

غرا(گوشت	، میدہ	، روغن	، نخود	، سرکہ	، قند)
۸۱۰	۸۳	۸۰۱	۸۰۱	۸۱	۸ ۱/۴

قیمہ شلہ ۔ حلیم ۔ سنبوسہ ۔ بریان ۔ یخنی ۔ کباب ۔ مثمن ۔ دو پیازہ ۔ قلیہ دم پخت ۔ ملغوبہ (گوشت ، جغراب ، روغن ، پیاز ،)

گوشت	جغراب	روغن	پیاز
۸۱۰	۸۱۰	۸۱	۸ ۱/۴

زنانہ لباس اور زیور :

انگیا ۔ پیشواز ۔ لہنگا ۔ ڈنڈیا ۔

سیس پھول ۔ مانگ (مانگ پر لگاتے ھیں) ۔ کوٹ بلادر (پیشانی کا) سہرا ۔ بندلی (پیشانی) ۔ کھنٹلا (کان) ۔ کرن پھول ۔ دوبحہ (حلقۂ گوش) ۔ پیپل پتے (ار ے نا وآویزند) ۔ بالی (حلقہ دامروا رید) ۔ چنپا کلی (دربناگوش) ۔ مور بھنور ۔ بیسر ۔ پھولی (بینی) ۔ نتھ ۔ گلوبند (گلو) ۔ ھانس (طوق گلو) ۔ کنگی ۔ گجرہ ۔ جوئی (ھاتھ کا) ۔ باھو ۔ چور ۔ چوریں (ے تار) ۔ بازوبند ۔ ٹاڈ (بازو) ۔ انگوٹھی ۔ کٹ میکھلا (زریں کمر) ۔ جیہر ۔ پائل ۔ گھونگرو ۔ بچھوا ۔

ھم اس بیان کا ایک اور بیان سے جو زیور کے متعلق ھے ، محمد امین گجراتی کی 'یوسف زلیخا' سے مقابلہ کرتے ھیں ۔ اتنا یاد رھے کہ 'آئین' ۱۰۰۲ھ میں لکھی جا رھی ھے ؛ 'یوسف زلیخا' ۱۱۰۹ میں عہد اورنگ زیب عالمگیر ختم ھوئی ھے ۔ محمد امین نے حسب ذیل زیور و لباس دیے ھیں ۔

سیس پھول ۔ ٹیکا ۔ بیسر ۔ کن پھول (یعنی ابوالفضل کا کرن پھول) پھول بالیاں ۔ موھن مالا ۔ کٹھ مالا ۔ چنپا کلی ۔ چندن ھار ۔ دگدگی ۔ زرکمر یعنی ابوالفضل کا کٹ میکھلا ۔ بازوبند ۔ چوڑا ۔ جہانگیریاں پونچیاں ۔ انگوٹھی ۔ آرسی ۔ گجریاں ۔ انوٹ ۔ بچھوے ۔

اوڑھنی (ابوالفضل کی ڈنڈیا) ۔ تلیک ۔ سروال ۔

دونوں مصنفین میں اگرچہ ایک صدی کا تقدم و تاخر ہے تاہم محمد امین کے ہاں نصف سے زیادہ الفاظ ابوالفضل کے الفاظ سے مل رہے ہیں ۔ باوجودیکہ ابوالفضل زیور کا مفصل بیان دے رہا ہے اور ہر قسم کا زیور بیان کرتا ہے ؛ محمد امین صرف ایک مجمل بیان پر کفایت کرتا ہے ، یعنی اس زیور کا بیان کرتا ہے جس کو ایک گجراتی رئیس زادی کسی تقریب کے موقع پر پہن کر باہر جاتی ہے ۔

دیہی حساب کی بعض اصطلاحیں یہاں ذکر ہوتی ہیں :

کنکوت ۔ بٹائی ۔ کھیت بٹائی ۔ لانگ بٹائی (فصل کاٹ کر ڈھیریوں میں تقسیم کر لی ، پھر گھر لے جا کر دانے نکالے) بھاپھ دار ۔ پٹواری ۔ منڈوی ۔ خسرہ ۔ فوطہ دار ۔ بہی ۔ پیمایش ۔ جریب ۔ بیگہ ۔ بسوہ ۔ بسوانسہ ۔ نسوانسہ ۔ پتوانسہ ۔

اسامِ زمین : پولج (جو ہر سال بوئی جائے) ۔ پروتی (کاہے ماہے بوئیں) ۔ چچر (دیں چار سال کے بعد) ۔ بنجر ۔

سواریاں : سنگاسن ۔ چوڈول ۔ ڈولی ۔ بہل ۔ گھڑ بہل ۔ پالکی ۔ رتھ ۔

ہندوستانی کپڑے کے نام : انبرتی ۔ ستی بوری ۔ ٹاٹ بند ۔ لاہ ۔ سار ۔ تسر ۔ چونار ۔ ململ ۔ تنکھہ ۔ سریصاف ۔ گنگاجل ۔ بھیروں ۔ سہن ۔ جھونہ ۔ اٹان ۔ اساولی (اساوری) ۔ پنجتولیہ ۔ سالو ۔ ڈوریہ ۔ سیلہ دکھنی ۔ دوپٹہ ۔ جھولہ ۔ چھینٹ ۔ سلاھٹی ۔ پرم نرم ۔ چیرہ پرم نرم ۔ جامہ وار پرم نرم ۔ پرم گرم ۔ کتاس ۔ پھوک ۔ درمہ ۔ پٹو ۔ ریوکار ۔ لوئی ۔ کنبل ۔

ہتھیاروں کے نام : کھانڈہ ۔ گپتی ۔ عصا ۔ جمدھر ۔ کھپوہ ۔ بانک ۔ جنبوہ ۔ کٹارہ ۔ نرسنگ ۔ موٹھہ ۔ ڈڈی ۔ برچھہ ۔ سانگ ۔ سینٹھی ۔ سیلڑہ ۔ گپتیں ۔ جکر بسولہ ۔ ترنکالہ ۔ گپتی کارد ۔ قمچی کارد ۔ کمنٹھ ۔ گوپھن ۔ کجباگ ۔ ڈھال ۔ کھیرہ ۔ اڈانہ ۔ گھوکھی ۔ کھوکھوہ ۔ کونھی ۔ انگرکھہ ۔ بھنجو ۔ راک ۔ کنٹھ سوبہا ۔

شکار کی اصطلاحات

کھیدہ[1] : گرمی کے موسم میں سوار اور پیادے مع ڈھول اور نقارے کے ہاتھیوں کے بن میں جاتے ہیں اور شوروغل مچاتے ہیں ۔ جنگلی ہاتھی چمک چمک کر ادھر ادھر بھاگتے ہیں ۔ آخر تھک کر آرام لینے کے لیے درختوں کا سایہ تلاش کر لیتے ہیں ۔ اس وقت جو لوگ پہلے ہی سے چھپ کر درختوں پر بیٹھے ہیں ، بھاری بھاری رسوں سے ہاتھی کو درخت سے باندھ دیتے ہیں ۔ یہ شکار 'کھیدہ' کہلاتا ہے ۔

چور کھیدہ میں یہ ہوتا ہے کہ پالتو ہاتھی کو جس پر مہاوت چھپ کر لیٹا ہوا ہے جنگلی ہاتھی کے مقام پر لے جاتے ہیں ۔ جنگلی ہاتھی اس اجنبی جانور کو دیکھ کر لڑنے آتا ہے ۔ عین لڑائی کے وقت جب غبار کثرت سے اڑنے لگتا ہے ، مہاوت اٹھ کر کمند اور رسوں کے ذریعہ سے جنگلی ہاتھی کو گرفتار کر لیتا ہے ۔

چیتے کے شکار میں سب سے پہلے اس کی 'آکھر' کی تلاش کی جاتی ہے ۔ 'آکھر' وہ مقام ہے جہاں جانور آ کر آرام لیتا ہے اور سرگیں کرتا ہے ۔ چیتے کی 'آکھر' کے لیے ایک درخت بھی ضروری ہے جس سے روزانہ آ کر وہ اپنی کمر کھجلاتا ہے اور اسی مقام پر سرگیں کرتا ہے ۔ اس جگہ 'اودھی' بنا دی جاتی ہے ۔ 'اودھی' ایک خس پوش گڑھا ہوتا ہے ۔ چیتا جب 'آکھر' پر آتا ہے 'اودھی' میں گر جاتا ہے اور گرفتار کر لیا جاتا ہے ۔ چیتے سے تین طرح شکار ہوتا ہے :

(۱) اہرگھٹی : جس میں قریب سے چیتے کو ہرن دکھا کر چھوڑ دیتے ہیں ۔

(۲) رگھنی : جس میں ہرن فاصلے پر ہوتا ہے اور چیتا گھات کرتا ہوا اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے ۔

---

۱ ۔ ہاتھیوں کے پکڑنے کے لیے مشرقی پاکستان ، آسام اور برما میں اب بھی 'کھیدہ' رائج ہے اگرچہ اس میں کافی تبدیلیاں آ چکی ہیں ۔ آج کل گڑھے کا طریقہ زیادہ استعمال ہوتا ہے ۔ (مرتب)

(۳) مہاری : اس میں ہوا کا رخ بچا کر چیتے کو گھات میں بٹھا دیتے ہیں اور چیتے کی گاڑی سمت مخالف میں لے جاتے ہیں ۔ ہرن چمک کر وہی سمت اختیار کر لیتا ہے جدھر چیتا ہے ۔ آخر مارا جاتا ہے ۔

گھنٹا ہیرہ : رات کا شکار ہے ۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ میں ایک چوڑا ٹوکرا یا ڈھال لے لیتا ہے جس کی اوٹ میں چراغ روشن ہے ۔ دوسرے ہاتھ سے گھنٹی بجاتا ہے ۔ گھنٹی کی آواز پر اور روشنی کو دیکھ کر جانور پاس آ جاتے ہیں ۔ گھات والا آدمی جو پاس ہی ہوتا ہے جانور کو تیر سے مار لیتا ہے ۔

تھانگی : ایک اور شکار ہے ؛ اس میں آدمی دیوانوں کی طرح حرکتیں کرنے لگتا ہے ۔ وحشی جانور اسے دیکھنے آتا ہے ؛ اتنے میں گھات والا شکاری جانور کو مار لیتا ہے ۔

بوکارہ : اس میں شکاری دو طرفہ فاصلے فاصلے پر چھپ جاتے ہیں، پھر ہرن گھیر کر ان پر لائے جاتے ہیں ۔ آج کل یہ شکار سول کا شکار کہلاتا ہے ۔

ڈڈاون : بھی اسی سے ملتا جلتا ہے ؛ اس میں صرف دو شکاری حصہ لیتے ہیں ۔

اجارہ : اس میں شکاری اپنے جسم کو سبز شاخوں سے ڈھک لیتا ہے اور شکار کے راستے پر بے حس و حرکت کھڑا ہو جاتا ہے ۔ وحشی جانور قریب آ جاتا ہے اور مارا جاتا ہے ۔

ٹھگی : میں یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی گھوڑے پر سوار اپنے آپ کو زخمی ظاہر کرتا ہے ۔ پان کی پیک جسم پر اس طرح گرا لیتا ہے کہ خون معلوم ہوتا ہے ۔ زخمی کو دیکھ کر جنگلی جانور اس کے گرد منڈلانے لگتے ہیں ؛ گھات والے شکاری انھیں مار لیتے ہیں ۔

ہاتھی کا سامان

دھرنہ : ہاتھی کی بھاری زنجیر جس میں ساٹھ کڑیاں ہوتی ہیں اور ہر کڑی وزن میں تین تین سیر کی ہوتی ہے ۔ اس سے ہاتھی کا پاؤں باندھا جاتا ہے ۔

آنڈو : یہ دونوں اگلے پاؤوں کی زنجیر ہے -

بیڑی : دونوں پچھلے پاؤوں کی زنجیر -

گدہ بیری : آنڈوں کی طرح ہے -

بلند : یہ ہاتھی کو بھاگنے سے روکتی ہے اور خود شاہی ایجاد ہے -

لوہ لنگر : جب ہاتھی قابو سے باہر ہو جاتا ہے اس وقت مہاوت اس کے ذریعے سے ہاتھی کو روک سکتا ہے -

اندھیاری : وہی جس کا نام پادشاہ نے احیالی رکھا ہے -

دلہٹی : زیبائش کی رسی -

ڈور : دم سے گلے تک باندھی جاتی ہے -

گدیلہ ، گدونی : دم کی زنجیر ہے ؛ پیتل کی بنی ہوئی ہے -

پچوہ : پچھلی رسی -

چوراسی[۱] : ہاتھی کے گھنگھرو -

پٹ کچھہ : کمر کی زنجیر جس میں گھنٹے بندھے ہوتے ہیں -

پاکھر : ہاتھی کی زرہ -

گج جھنپ : پوشش جو پاکھر کے اوپر ڈالی جاتی ہے -

میگھ ڈنبر : ہاتھی کا شامیانہ ، بادشاہی ایجاد ہے -

گج باگ : یعنی آنکس -

گجڈ : دوشاخہ نیزہ ہے جو بھوئی کے پاس رہتا ہے اور ہاتھی کے بے قابو ہونے کی حالت میں استعمال ہوتا ہے -

---

۱ - رتھ کے بیلوں کے گھنگروؤں کے لیے بھی 'چوراسی' کا لفظ استعمال ہوتا ہے - ایک چمڑے کی پیٹی پر گھنگروؤں کی تین یا زائد قطاریں ٹکی ہوتی ہیں - دو چار گھنگروؤں پر 'چوراسی' کا اطلاق نہیں ہوتا - (مرتب)

حکاوٹ : گجلہ کی طرح کی چیز ہے -

بنکری[1]: لوہے یا پیتل کے حلقے جو ہاتھی کے دانتوں میں چڑھائے جاتے ہیں -

جھنڈا : ہاتھی کے پہلو پر لٹکایا جاتا ہے -

ہاتھی کے خدمتی

مہاوت : جو ہاتھی کو چلاتا ہے -

بھوئی : جو دم کے پاس بیٹھتا ہے -

میٹھ : گھاس لاتا ہے اور ہاتھی کے باندھنے اور کھولنے میں امداد دیتا ہے -

جہازی اصطلاحیں

تندیل : ملاحوں کا افسر - اس لفظ کی موجودہ شکل ٹنڈیل ہے -

بھنڈاری : سامان جہاز کا نگران -

کررانی : جہاز کا منشی -

پنجری : نگران -

گنمتی : خلاصی جو جہاز میں سے پانی نکالتا ہے -

آئین اکبری سے جو ذخیرہ یہاں پیش کیا گیا ہے وہ کسی اور اکیلی کتاب سے نہیں مل سکتا - متفرق الفاظ کا ایک حصہ میں نے بہ خوف طوالت مضمون ترک کر دیا ہے - اس فہرست سے ہم کو اس عہد کے میووں ، درختوں ، پھولوں ، غلوں ، ترکاریوں ، کھانوں ، کپڑوں ، ہتھیاروں ، زنانہ زیوروں کے نام اور عمارتی و دیہی اشیاء ، شکار اور جہاز کی بعض اصطلاحات معلوم ہوتی ہیں - ان الفاظ کا ایک بڑا حصہ آج بھی

---

۱ - 'بنکڑی' ہندی میں چوڑی کو کہتے ہیں ؛ اس کا اسم مکبر 'بنکڑ' اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے ؛ پنجابی کا لفظ 'ونگ' بھی یہی چیز ہے ؛ انگریزی (Bangle) بھی اس کے قریب ہے - (مرتب)

اردو زبان میں مستعمل ہے ۔ اس سے ہمیں اردو کی قدامت کا پتا لگتا ہے ۔ اس فہرست کا ایک حصہ آج بالکل متروک ہے اور یہ ہونا بھی چاہیے ۔ ہم نے پرانے اوضاع زندگی کو خیر باد کہہ دیا ہے اور نئے طور و طریق اختیار کر لیے ہیں ۔ قدیم طرز زندگی کے ساتھ پرانی اصطلاحات کا مفقود ہو جانا بھی ضروری ہے ۔ مثلاً شکار ہی کو لیجیے ! ان ایام میں اس کا دار و مدار تیر کمان پر تھا ، اس لیے اس زمانے کے شکار کے داؤ گھات بالکل مختلف تھے ، لیکن بندوق کے رواج نے اس سلسلے میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے ۔ شکار کی پرانی اصطلاحات مثلاً 'گھنٹا ہیرہ' ، 'بوکارہ' ، 'تھانگی' اور 'ٹھگی' سے آج کون واقف ہے ۔

ہاتھی کی سواری بھی ہم ایک عرصے سے ترک کر چکے ہیں ۔ آج کل بائیسکلوں اور موٹروں کا دور دورہ ہے ۔ دنیا ٹیوب ٹائر ، بریک ، مڈگارڈ وغیرہ جدید اصطلاحات سیکھ رہی ہے ۔ اس زمانے میں 'دھرنہ' ، 'لوہ لنگر' ، 'گج جھنپ' ، 'میگھ ڈنبر' وغیرہ جو ہاتھی کے سامان کی پرانی اصطلاحیں ہیں ، کون یاد رکھتا ہے ۔ لیکن جن امور میں ہم اب تک اسلاف کے نقش قدم پر چل رہے ہیں ، ان کی اصطلاحات جوں کی توں ابھی تک زندہ ہیں ۔ مثلاً دیہی معاملات میں پٹواری ، خسرہ ، بہی ، بٹائی ، کنکوت وغیرہ کی مصطلحات آج بھی رائج ہیں ۔

آخر میں میں صرف دو لفظوں کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔ ان میں پہلا 'کررانی' ہے ۔ آئین اکبری میں یہ لفظ بہ معنی منشی جہاز آیا ہے ۔ فی زمانناً 'کرانی' بہ کسر کاف بولا جاتا ہے اور منشی دفتر کے علاوہ طنزیہ طور پر ہندوستانی عیسائیوں کے لیے بھی مستعمل ہے ، بلکہ یہی معنی اب زیادہ مشہور ہیں ۔ عیسائیوں کے سلسلے میں اس لفظ کا رواج گزشتہ صدی سے تعلق رکھتا ہے جب ہندوستانی عیسائی بر بنائے رعایت مذہب سرکاری دفاتر میں ترجیحاً ملازم رکھے جاتے تھے ۔

دوسرا لفظ 'میٹ' یا 'میٹھ' ہے جو مزدوروں سے کام لیتا ہے اور عام طور پر ان کی نگرانی کرتا ہے ؛ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انگریزی سے ہماری زبان میں آیا ہے ۔ آپ انگریزی لفظ Mate سے واقف ہیں ؛

ادھر آئین اکبری میں ہمیں 'میٹھ' (بہ کسر مجہول میم و سکون یاے تحتانی و فتح تاے فوقانی ھندی وھاے خفی) ملتا ھے جس کا کام ھاتھی کو گھاس ڈالنا اور اس کے کھولنے اور باندھنے میں مدد دینا ھے۔ جب یہ لفظ ھماری زبان میں موجود ھے تو میں یہ عرض کروں گا کہ ہم اس کو انگریزی کی طرف منسوب کرنے میں حق بجانب نہیں ھیں۔

نورالدین جہانگیر (۱۰۱۴ھ و ۱۰۳۷ء)

جہانگیر ترکی زبان نہایت آسانی سے بولتا اور لکھتا تھا مگر فارسی سے اس کو زیادہ مزاولت تھی۔ اسی زبان میں اس کو تعلیم ملی تھی اور اسی زبان میں اس نے اپنی سوانح حیات یعنی توزک جہانگیری لکھی ھے۔ اس کی ھندی دانی کے متعلق اگرچہ ھمیں کوئی تاریخی بیان نہیں ملتا لیکن ھمارے پاس ایسے وجوہ موجود ھیں جن سے پتا چلتا رھے کہ وہ اس زبان سے پوری واقفیت رکھتا تھا۔

وہ راجا بھارا مل والی آنبیر کی دختر کے بطن سے پیدا ھوا ھے جس سے ظاھر ھے کہ اس کی ابتدائی پرورش ایک ھندی ماں اور اس کے ھندی ملازمین کے آغوش میں ھوئی ھے۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں ھندی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا ھے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو متعدد مقامات پر اس تالیف میں ھندی زبان کا پرتو نظر آتا ھے۔ میں یہاں صرف چند مثالوں پر قناعت کرتا ھوں:

''و زدہ زدہ آن مخذولان را در محلے کہ دائرہ کردہ بودند درمی آورند۔'' (صفحہ ۱۰۳، توزک جہانگیری)

اس مثال میں 'زدہ زدہ' اردو کے روز مرہ 'مارتے مارتے' کا ترجمہ معلوم ھوتا ھے یعنی مارتے مارتے ان کو ان کے ڈیروں تک بھگا دیا۔

ایک اور مثال ھے جس میں جہانگیر پیرو یا فیل مرغ کا ذکر کرتا ھے:

''وقتیے کہ در مستی است، سرخ سرخ است، گویا کہ تمام را بہ مرجان مرصع ساختہ اند۔'' (صفحہ ۱۰۵)

یعنی جب مستی میں ہوتا ہے لال لال نظر آنے لگتا ہے ۔

ایک مثال میں سوائی ملتا ہے :

''یکے پھول پکار است ، کسمیریاں سوئلو میگویند ، ار طاؤس مادہ نیم سوائی حرد تر می باشد ۔'' (صفحہ ۳۳۸)

دوسرے موقع پر لکھا ہے :

''از سنگدلن شیر مار مراد است ۔'' (صفحہ ۹۰)

اس میں شیر مار بالکل اردو کی ترکیب ہے ؛ شیر رن یا شیر افگن چاہیے تھا ۔

ایک اور مثال سنئے :

''در بندخانہ کٹوری بر چسم من بستہ بودند ۔'' (صفحہ ۸۴)

اس جملے میں کٹوری کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے ۔

دریا کے ذکر میں جہانگیر لکھتا ہے :

''و موجہای کلاں کلاں بنظر درآمد ۔'' (صفحہ ۲۴۰)

یعنی بڑی بڑی موجیں نظر آنے لگیں ۔ اس میں کلاں کلاں کی تکرار اردو روزمرہ ہے ۔ یہی روزمرہ ایک اور مثال میں یوں آیا ہے :

''بے تکلف از شکارهای خوب خوب است ۔''

یعنی اچھے اچھے شکاروں میں سے ہے ۔

جہانگیر پاؤ بہ معنی ربع یا چوتھائی بے تکلف استعمال کر جاتا ہے ۔ روزانہ کوچ میں جس قدر مسافت طے ہوا کرتی ہے ، اس کے سلسلے میں پاؤ کثرت سے لایا گیا ہے : مثلاً :

''دوازدهم بعد از قطع چہار کروہ و یک پاؤ ظاہر موضع بچھیاری منزل گشت ۔'' (صفحہ ۱۷۲)

''چہاردهم کوچ دست داد چہار کروہ و یک نیم پاؤ قطع نمودہ موضع بابلی محل اقامت گردید ۔'' (صفحہ ۱۷۳)

"هیزدهم بعد از قطع دو کروه و سه نیم پاؤ موضع امریا منزل گشت ۔" (صفحہ ۱۷۳)

جدروپ ایک گسائیں تھا جو اجین کے جنگل میں رہتا تھا ۔ جہانگیر کو اس سے ملنے کا عرصے سے اشتیاق تھا ۔ ایک مرتبہ اسے آگرے بلانا چاہا لیکن اس کی تکلیف کے خیال سے یہ ارادہ ترک کر دیا ۔ جلوس کے گیارھویں سال جب خود جہانگیر کا گزر اجین سے ہوا ، تنہا جا کر گسائیں جی سے ملا ، اور پھر متھرا میں دوبارہ ملا لیکن ہمیشہ تنہا ملا ۔ اب ظاہر ہے کہ گسائیں جی سے گفتگو ہندی زبان میں ہوتی تھی ۔ جب اودے پور کے رانا امر سنگھ نے جہانگیر کی اطاعت قبول کر لی ہے اور اپنے ولی عہد راج کنور کرن سنگھ کو دربار میں بھیجا ہے ، بادشاہ اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا اور جب تک کرن دربار میں رہا ، جہانگیر روزانہ اس کو تحفے اور سوغات دیتا رہا ۔

ایک دن شکار میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور جب ایک شیرنی نظر آئی ، جہانگیر نے جسے اپنی نشانہ بازی پر پورا پورا ناز تھا ، کرن سے پوچھا کہ کہو اس جانور کے کون سے مقام پر گولی ماروں؟ کنور نے کہا کہ آنکھ میں ماریئے ۔ جہانگیر نے آنکھ میں گولی ماری اور شیرنی دم توڑ کر ٹھنڈی ہو گئی ۔

"کرن را هم راه برده ارو پرسیدم که هر جائے او را که بگوئی بر حکم بزنم ۔ بعد از قرارداد تفنگ را به جانب چشم او سر راست کرده آتش دادم ۔ الله تعالیٰ بکرم خود مرا ازاں راجه زاده شرمنده نساخت و چناں چه قرارداد بود درمیان چشم او زده او را انداختم ۔" (صفحہ ۱۴۰)

یہ زبان جس میں جہانگیر گسائیں جدروپ ساکن اجین اور اودے پور کے راج کنور کرن سنگھ سے گفتگو کرتا ہے ، ہم کہتے ہیں اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں ہو سکتی ۔

جہانگیر اکثر امور میں اکبری روایات کو زندہ رکھتا ہے ۔

جس طرح اکبر چیزوں کے نئے نئے نام رکھنے کا شائق تھا ، یہ وصف ایک حد تک جہانگیر کی ذات میں بھی موجود تھا ۔ بلکہ اکبر کے رکھے ہوئے نام اس کے زمانے میں بھی رائج ہیں ۔ چناں چہ 'پرم نرم' توزک جہانگیری میں بار بار ملتا ہے ۔

شاہ آلو کی وجہ تسمیہ میں جہانگیر لکھتا ہے :

''مراد از شاہ آلو گیلاس است ؛ چون گیلاس بہ گیلاس کہ از نامہای چلپاسہ است مشتبہ می شد حضرت والد بزرگوارم آنرا شاہ آلو نام کرد ۔'' (صفحہ ۵۵)

جہانگیر نے فارسی محاورے خون کشیدن یعنی فصد کھلوانے کے لیے نیا نام 'سبک شدن' تجویز کیا ہے ؛ لکھتا ہے :

''خون کشیدن را اگر سبک شدن می گفتہ باشند بہتر خواہد بود ۔'' (صفحہ ۱۱۰)

چناں چہ اس کی تصنیف میں بعد میں سبک شدن ہی آتا ہے ۔

ایک تیوہار جو قدیم سے 'آب پاشی' کہلاتا تھا ، 'گلاب پاشی' کہلایا :

''مجلس گلاب پاشی کہ از زمان قدیم بآب پاشی مشہور است از رسوم مقررۂ پیشینیان است منعقد گشت ۔'' (صفحہ ۱۳۰)

'کردی' ایک قسم کا بے آستین دگلا ہوتا ہے جو قبا کے اوپر پہنا جاتا ہے اور ران تک آتا ہے ، اس کا نیا نام نادری مقرر ہوا :

''دگلہ نادری کہ بر بالاے قبا پوشند دراری قد آن از کمر پایان سرین و آستین ندارد ۔ پیش آن بہ تکمہ بستہ می شود مردم ولایت آنرا کردی میگویند من نادری نام نہادم ۔'' (صفحہ ۱۹۰)

اشکن ایک کشمیری میوے کا نام ہے ، جہانگیر نے اس کا نام 'خوشکن' رکھا :

''حکم فرمودم کہ بعد ازین اشکن را خوشکن می گفتہ باشند ۔'' (صفحہ ۳۰۶)

ٹٹمری کا نام 'بد آواز' رکھا گیا :

''ٹٹمری که من او را بد آواز نام کرده ام ۔'' (صفحه ۳۱۱)

جہانگیر جمعرات کے دن کو مبارک سمجھتا تھا اور بدھ کے دن کو منحوس ؛ اس لیے پہلے دن یعنی جمعرات کا نام مبارک شنبه رکھا گیا ہے اور بدھ کا نام کم شنبه ۔ اپنی توزک میں لکھتا ہے :

''چون درین پنج شنبه بعضے از خصوصیات دست بہم داده بود ، اول آنکه روز جلوس من بود دیگر آں که شب برات بود دیگر روز راکھی بود . . . . که نزد هنود از روزهای معتبر است ، بنا برین به سعادت این روز را مبارک شنبه نام نهادم . . . . روز چهارشنبه بہاں رنگ که مبارک شنبه به من نیک افتاده است این روز برعکس به من افتاده است ، بنا بران نام این روز شوم کم شنبه نهادم که دائم این روز از جهان کم باد ۔'' (صفحه ۱۹۱)

جب شاهجہان بغاوت کرتا ہے اس کا نام بےدولت رکھا جاتا ہے :

''حکم فرمودم که بعد ازین او را بیدولت گفته باشند ۔''
(صفحه ۳۵۳)

جہانگیر کو نام رکھنے کا شوق اس حد تک تھا کہ اس نے درختوں تک کے نام رکھے ہیں ۔ ایسی مثال تاریخ میں بہت کم ملے گی ۔ کشمیر میں اس نے ایک باغ روح افزا نامی لگایا تھا ؛ اس میں شاہ آلو کے چار درخت تھے ، ان درختوں کے یہ نام تھے :

شیریں بار' خوش گوار' پربار' کمتر بار' ۔ شہزادہ خرم یعنی شاهجہان کے باغ میں اسی شاہ آلو کا ایک درخت تھا ، اس کا نام 'شاهوار' رکھا گیا ۔ باغچہ عشرت افزا میں ایک اور درخت تھا جس کا نام 'نوبار' تھا ۔

شاهی خاصه هاتھیوں کی ٹولی میں هر هر هاتھی کا جدا جدا نام رکھا جاتا تھا ۔ ان هاتھیوں کے ناموں کی پوری فہرست اگر آج موجود ہوتی بہت طویل هوتی ؛ میں صرف انھی ناموں پر کفایت کرتا ہوں

جن کا توزک میں جہانگیر نے اتفاقیہ ذکر کر دیا ہے :

(۱) رتن گج : راجا رتن پسر راجا بھوج ہاڈا نے تین ہاتھی جہانگیر کی نذر کیے تھے ؛ ان میں سے ایک بادشاہ کو بہت پسند آیا ، اسے شاہی خاصہ ہاتھیوں کے حلقے میں داخل کیا اور اس کا نام رتن گج رکھا ۔ توزک میں لکھا ہے :

"یکے ازانہا بغایت پسند افتاد ، در سرکار پانزدہ ہزار روپیہ قیمت نمودند و داخل فیلان خاصہ شد و نام او را رتن گج نہادم"
(صفحہ ٦٦ توزک)

(۲) بخت جیت : جو کشور خان کو انعام میں دیا جاتا ہے :

"بہ عنایت اسپ عراقی از طویلۂ خاصہ و خلعت و فیل خاصہ بخت جیت نام نوازش یافتہ ۔" (صفحہ ۸۲)

(۳) بنسی بدن : اسلام خاں نے بنگالے سے بھیجا تھا :

"فیلے بنسی بدن نام کہ اسلام خان از بنگالہ فرستادہ بود بہ‌نظر درآمدہ داخل فیلان خاصہ شد ۔" (صفحہ ۱۱٦)

(۴) کچھی : ایک باؤلے کتے نے اسے کاٹا تھا ، ایک ماہ بعد مر گیا :

"شبے سگ دیوانہ بجای بستن یکے از فیلان خاصہ کچھی نام درآمدہ ۔" (صفحہ ۱۱۸)

(۵) فتح گج : شاہزادہ خرم یعنی شاہجہان کو اودے پور کی مہم پر بھیجتے وقت مرحمت ہوتا ہے :

"و فیل فتح گج نام خاصہ مع تلایر و اسپ خاصہ و شمشیر مرصع و کھپوہ مرصع مع پھول کٹارہ بدو مرحمت نمودم ۔" (صفحہ ۱۲۵)

(٦) عالم گمان : رانا اودے پور کا بہترین ہاتھی تھا :

"در ہمین وقت فیل عالم گمان کہ لیاقت خاصہ شدن داشت از نظر اشرف گذشت ۔" (صفحہ ۱٦۷)

(۷) روپ سندر : شاهزاده پرویز کے لیے دیا گیا :

"و فیل خاصه روپ سندر نام بجهت فرزند پرویز فرستاده شد۔"

(۸) رن راوت : راجا سورج سنگھ نے نذر کیا :

"راجا سورج سنگھ در همیں روز فیلے کلانے رن راوت نام که از فیلان نامی او بود گذرانید۔" (صفحه ۱۴۱)

(۹) پنچی گج : جو شاهجہان کو عطا هوا :

"و فیل خاصه پنچی گج نام مع یراق که دوازده هزار روپیه قیمت داشت بدو مرحمت نمودم۔" (صفحه ۱۴۱)

(۱۰) فوج سنگار : یه بهی راجا سورج سنگھ نے نذر کیا تها :

"راجا سورج سنگھ فیل دیگر فوج سنگار نام بهطریق پیشکش گذرانید۔" (صفحه ۱۴۱)

(۱۱) گجراج : اودےپور کے رانا امر سنگھ کے لیے بهیجا گیا :

"فیل مستے از فیلان پیشکش عادل خاں گجراج نام به جهت رانا امر سنگھ فرستاده شد۔" (صفحه ۱۸۹)

(۱۲) جگ جوت : اعتمادالدوله کو عطا هوا :

"در اثنائے راه فیلے از فیلاں خاصه که جگت جوت نام داشت، باو مرحمت نمودم۔" (صفحه ۱۹۰)

(۱۳) رن بادل : جهانگیر قلی خاں نے بهیجا تها :

"در روز جمعه فیلے رن بادل نام که جهانگیر قلی خاں به طریق پیشکش فرستاده بود، ازنظر گذشت۔" (صفحه ۱۹۰)

(۱۴) سرناگ : عادل شاه نے نذر کیا تها :

"و فیل سرناگ را نزدیک طلمبده دیدم۔" (صفحه ۱۹۵)

جهانگیر اس کا نام نور بخت رکهتا هے :

"و باین نسبت نور بخت نام او نهاده شد۔" (صفحه ۱۹۶)

اس کی قیمت سوا لاکھ روپیہ تھی -

(۱۵) مبهوپ : یہ بھی عادل شاہ کا ہاتھی تھا ، جہانگیر نے اس کا نام درجن سال رکھا :

''مہوپ از بابتہ عادل خاں یک لک روپیہ قیمت نمودہ درجن سال نام نہادم -'' (صفحہ ۱۹۸) .

(۱۶) بخت بلند : یہ بھی عادل شاہی پیشکس ہے :

''بخت بلند هم از پیشکش او یک لک روپیہ قیمت نمودند ، چنان چہ گرانبار نام نہادہ شد -'' (صفحہ ۱۹۸)

(۱۷) صورت گج : جہانگیر کا چہیتا ہاتھی ہے :

''و بر فیل صورت گج کہ از فیلان دوستدار منست با آنکہ مست بود سوار گشتم -'' (صفحہ ۲۰۹)

(۱۸) سندر متھن : شاهجہاں کو دیا جاتا ہے :

''فیل سندر متھن را......دریں روز بآن فرزند مرحمت فرمودم -''

(۱۹) گجرات اور مالوے کے دو حدے کے قریب موضع سجارا کے پاس والے پہاڑی علاقے میں جہانگیر ہاتھیوں کا شکار کھیلتا ہے - ہاتھیوں کے بن میں ایک پہاڑی کا نام راکس پہاڑی تھا - پہاڑی کے پاس بارہ ہاتھی گرفتار ہوئے جن میں دو بڑے زبردست تھے- جہانگیر نے پہاڑی کے نام کی رعایت سے ایک کا نام راون سر اور دوسرے کا نام باون سر رکھا -

''چون کوہ را کہ درمیان جنگل واقع است و این فیلان دراں جنگل می بودند راکس پہاڑی میگویند یعنی دیو کوہ ، باین نسبت راون سر و باون سر کہ نام دیوها است این هردو فیل را نام کردم -'' (صفحہ ۲۲۵)

(۲۰) گن سمندر : خاصہ ہاتھیوں میں تھا :

''فیل گن سمندر خاص را کہ از فیلان کلان قوی هیکل است باسہ بادہ از سرپل گذرانیدند -'' (صفحہ ۲۴۶)

(۲۱) گج رتن ۔ خان جہاں خان لودھی کو عنایت ہوا تھا :

''فیل خاصہ گج رتن نام بجہت فرزند خان جہاں فرستادم ۔'' (صفحہ ۳۳۲)

اسی طرح حاصہ گھوڑوں کے نام تھے :

(۲۲) سمیر : خان خاناں کو عنایت کیا ہے :

''اسپ سمند خاصہ سمر نام کہ از اسان اول بود بہ خان خانان عنایت نمودم ۔''

اور سمیر کے معنی یوں بتاتے ہیں :

''سمیر باصطلاح اہل ہند کوہ طلا را گویند و بجہت مناسبت رنگ و کلانی جثہ بایں اسم موسوم گشتہ ۔'' (صفحہ ۲۵۵)

(۲۳) روپ رتن

(۲۴) ہنس راج : یہ ایک کالے ہرن کا نام تھا ؛ جب یہ ہرن مر گیا جہانگیر نے جہانگیر پورے[1] میں جو شاہی شکار گاہ تھی ، اس کی قبر بنوادی اور قبر پر ایک منارہ تعمیر کروا دیا ۔ ہنس راج کی قبر پر کتبۂ ذیل جو محمد حسن کشمیری نے لکھا تھا ، درج کیا گیا :

''درین فضای دل کش آہوے بدام جہان دار خدا آگاہ نورالدین جہانگیر بادشاہ آمدہ در عرض یک ماہ از وحشت صحرائیت برآمدہ سرآمدہ آہوان خاصہ گشت ، بنابر ندرت آہو مذکور حکم کردم کہ ہیچ کس قصد آہوان این صحرا نکند و گوشت آنہا برہندو و مسلمان حکم گوشت گاو و گوشت خوک داشتہ باشد ۔''
(صفحہ ۴۴)

جہانگیر نے اپنی توزک میں جو الفاظ بیان کیے ہیں ان کی تشریح میں ایک عہد تک مختلف ہندوستانی زبانوں کی تمیز پائی جاتی ہے ، مثلاً قارلغون کے واسطے جو بنگلہ میں آباد ہیں ، لکھتا ہے کہ امیر تیمور نے ہندوستان

---

۱ ۔ موجودہ شیخوپورہ (مرتب)

سے واپسی کے وقت ان لوگوں کو یہ علاقہ دیا تھا ، تب سے یہیں آباد هیں اور اب تو بالکل پنجابی بن گئے هیں ؛ چناں چہ یہی زبان بولتے هیں ؛

''الحال خود لاهوری محض اند و بزبان چنان متکلم ۔'' (صفحہ ۲۹۰)

کشمیر کے راستے میں پیم درنگ ایک پڑاؤ کا نام ھے ؛ اس نام کی تشریح میں جہانگیر لکھتا ھے :

''پیم بزبان کشمیری پنبہ درنگ همان فارسی است ۔'' (صفحہ ۲۹۰)

پھر کہتا ھے چوں کہ یہاں حکام کشمیر کی طرف سے روئی پر محصول لیا جاتا تھا اور تاجروں کو ٹھہرنا پڑتا تھا اس لیے اس کا نام پیم درنگ ھو گیا ۔

مرغ زرین کے بیان میں لکھتا ھے :

''ساکنان لاهور شن گویند و کشمیریان پوط نامند ۔'' (صفحہ ۳۳۹)

ایک اور موقع پر لکھا ھے :

''نقش ها بزبان کشمری در مقامات هندی میخواندند ۔'' (صفحہ ۳۰۱)

وہ دکنی زبان کا بھی ذکر کرتا ھے ۔ مثال :

''مرتضیٰ خان دکنی کہ در علم پولتہ بازی کہ باصطلاح دکنیاں یک انگی گویند و مغلان شمشیر بازی میگویند ، بے نظیر بود ۔''
(صفحہ ۱۲۴)

جب هندوؤں کی زبان کی طرف اشارہ مقصود هوتا ھے ، اس کو بھی ظاهر کر دیتا ھے ، مثلاً :

''یک تسبیح خورد از مروارید و زمرد کہ لعلے درمیان بود و باصطلاح هندواں کھیتہ چار میگویند ، در روز ملازمت بہ فرزند اقبال مند بابا خرم گذرانید ۔'' (صفحہ ۱۴۰)

لیکن سب سے زیادہ عام لفظ زبان هندی یا اس کے هم معنی الفاظ هیں ۔ مثال :

''گل نیلوفر بزبان هندی کمودنی گویند ۔'' (صفحہ ۲۰۴)

''به کالا پانی فرود آمدم که بزبان هندی مراد آب سیاه است۔''
(صفحہ ۴۸)

دیگر: ''تاحال سفره دام که از دام های مقرر است و بزبان هندی بهنور جال مگویند نه انداخته بودم۔'' (صفحہ ۴۸)

اس ہندی سے اکثر موقعوں پر ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی مراد اردو ہے، لیکن متعدد موقعے ایسے ہیں جہاں ہندی یا اور اسی قسم کی اصطلاح سے اس کا مقصد سنسکرت یا برج یا راجپوتانے کی زبان ہے۔ مثلاً راجا سورج سنگھ دربار شاہی میں اپنے ساتھ ایک شاعر لاتا ہے جسے چارن کہتے ہیں۔ چارن نے جہانگیر کی تعریف میں یہ مضمون اپنے اشعار میں باندھا تھا کہ :

''اگر آفتاب کے کوئی فرزند ہوتا تو ہمیشہ دن رہتا اور رات ہرگز نہ ہوتی، اس لیے کہ غروب آفتاب کے بعد وہ فرزند اس کی جانشینی کرتا اور دنیا کو تاریکی کی دستبرد سے بچاتا۔ خدا کا شکر ہے کہ تمھارے والد کو خدا نے ایسا فرزند عطا کیا کہ اس کی وفات پر لوگوں نے ماتم، جو ظلمت شب کی مانند تاریک ہے، نہیں کیا۔ آفتاب کو اس پر رشک آتا ہے کہ کاش میری بھی ایسی اولاد ہوتی جو میری جانشینی کرکے دنیا کو رات کی تاریکی سے بچاتی۔''

جہانگیر اس کے متعلق لکھتا ہے :

''راجا سورج سنگھ از شعرای هندی زبان شاعرے هم راه آورده بود در مدح من باین مضمون شعرے گذرایند۔''

اور آگے جا کر لکھتا ہے :

''باین تازگی مضمونے از شعرای هند کم بگوش رسیده بجلدوی این مدح فیلے باو مرحمت کردم راجپوتان شاعر را چارن میگویند۔''

اس بیان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہندی سے مراد مارواڑی زبان ہے۔

چارن کے اصل اشعار تو ہمیں معلوم نہیں لیکن ان کا فارسی ترجمہ جو کسی شاعر نے نظم کیا ہے، ذیل میں عرض ہے - جہانگیر لکھتا ہے:

''یکے از شعرائے وقت این مضمون چنین به نظم درآورده -''

گر پسر داشتے جہاں افروز	شب نگشتے همیشه بودے روز
زانکه چوں او نهفته افسرزر	به نمودے کلاه گوشه پسر
شکر کز بعد آن چناں پدرے	جانشیں گشت این چنین پسرے
که ز شنقار[1] گشتن آن شاه	کس به ماتم نه کرد جامه سیاه

(صفحه ٦٤)

اسی طرح جہانگیر اپنے بھائی دانیال کے لیے کہتا ہے کہ اس کو هندی موسیقی کا شوق تھا اور کبھی هندی زبان میں شعر بھی کہا کرتا تھا جو پسند کیے جاتے تھے :

''به نغمهٔ هندی مائل بود ؛ گاهے به زبان اهل هند و باصطلاح ایشان شعرے می گفت بد نبودے -'' (صفحه ٦٥)

اس عبارت میں 'زبان اهل هند' سے اور 'اصطلاح ایشاں' سے مراد غالباً برج بھاشا ہے جو ان ایام میں شعر و موسیقی کی زبان تھی -

عبدالرحیم خاں خانخاناں کے لیے توزک میں مرقوم ہے :

''زبان عربی و ترکی و فارسی و هندی میدانست و از اقسام دانش عقلی و نقلی حتیٰ علوم هندی بهرهٔ وافی داشت . . . . و به زبان فارسی و هندی شعر نیکو گفتے -''

یہاں هندی سے مطلب سنسکرت یا برج ہے -

یہاں وہ الفاظ هندی درج کیے جاتے هیں جو توزک جہانگیری میں ملتے هیں :

اناناس - چنپه - کیوڑہ - رائے بیل - مولسری - سیوتی - چنبیلی (صفحه ۳) - تالاب ، شراب و دڑہرہ[2] (صفحه ۴) - گھوڑ بهل (صفحه ۱۸) - کلانوناں (صفحه ۱۹) - گھڑی (صفحه ۲۴) - راجپوتانی (راجپوتنی)

---

۱ - شنقار شدن به معنی مردن سلاطین چغتائی استعمال کنند (فرهنگ آنند راج) - ۲ - چاولوں کی شراب - (مرتب)

(صفحہ ۲٦) ۔ سنگھاسن (صفحہ ۳۰) ۔ بلی (صفحہ ۳۱) ۔ چودھراھی (یعنی چودھرائی یا چودھرایت) (صفحہ ۳۲) ۔ پہر ، گھڑی (صفحہ ۳۴) ۔ دسہرہ (صفحہ ۳۹) ۔ بھانہ (صفحہ ۴۲) ۔ کنیر ۔ بوٹا ۔ پکا ۔ گل پلاس (صفحہ ۴۷) ۔ کالا پانی ، بھنور جال (صفحہ ۴۸) ۔ بانس (صفحہ ۴۹) ۔ گلہری (صفحہ ۵۰) ۔ درب (اٹھنی) ، چرن (چونی) (صفحہ ۵۷) ۔ چکارہ (ہرن کی ایک قسم) (صفحہ ٦۱) ۔ چوکنڈی (صفحہ ٦۵) ۔ بن مانس ۔ نواڑہ (جہاروں کا بیڑہ) (صفحہ ٦۸) ۔ گج نال ، شتر نال (صفحہ ٦۹) ۔ کھپوہ (صفحہ ۷۷) ۔ کہار (صفحہ ۷۸) ۔ روج (نیلے کی مادہ) (صفحہ ۸۰) ۔ کٹوری (صفحہ ۸۴) ۔ بابل ، سارس ، ڈھیک (صفحہ ۹۲) ۔ رن (صفحہ ۹٦) ۔ گلال باڑ (صفحہ ۹۹) ۔ گوٹ (صفحہ ۱۰۰) ۔ جھلر (جھیل) ، دلدل (صفحہ ۱۰۲) ۔ ٹیکہ ، گوٹ ، کھانڈہ ، کٹارہ (صفحہ ۱۰٦) ۔ گھاٹی (صفحہ ۱۰۷) ۔ پرم نرم خاصہ (صفحہ ۱۱۰) ۔ پھول کٹارہ (صفحہ ۱۱۲) ۔ راکھی ، ٹانگن (صفحہ ۱۲۰) ۔ دیوھرہ (صفحہ ۱۲۴) ۔ بہل (صفحہ ۱۳٦) ۔ سمرن (صفحہ ۱۳۸) ۔ چیرہ (صفحہ ۱۴۲) ۔ چوکی ، چوکیدار (صفحہ ۱۴۳) ۔ باران برساتی ، انند (صفحہ ۱٦۲) ۔ رتھ طرز فرنگ انگریزی (یعنی بگھی) (صفحہ ۱٦۷) ۔ کروانک (صفحہ ۱۷۰) ۔ کولہ (صفحہ ۱۷۳) ۔ دو دھاریہ (آھو چہار شاخ) ، چیونرہ (صفحہ ۱۷۴) ۔ گولی (بندوق کی گولی) (صفحہ ۱۷۹) ۔ اود بلاؤ ، منہا کہ ، چکارہ ، چیتل ، لگڑ و جگڑ ، مگرمچھ (صفحہ ۱۸۲) ۔ نیل کنٹھ ، برساب ، مولہ (صفحہ ۱۸۹) ۔ کیلہ (صفحہ ۱۹۱) سون کیلہ ، ڈاک چوکی (صفحہ ۱۹٦) ۔

نیلم ، ساگ جمکورہ ('جمکورہ' دکن میں ایک ساگ یا سبزی کا نام ہے) اس کے متعلق جہانگیر نے یہ قصہ لکھا ہے کہ جب مرتضیٰ نظام الملک نے برار فتح کیا ۔ ایک دن وہ اپنے محل کے ساتھ باغ کی سیر کو گیا ، وہاں ایک مالن ساگ جمکورہ توڑ رہی تھی ۔ ساگ توڑنے میں اسے ایک ہیرا نظر آ گیا ۔ اس نے لا کر نظام الملک کی نذر کر دیا ۔ اس ہیرے کی قیمت چالیس ہزار روپیہ تھی ۔ تب سے ہیرے کا نام جمکورہ پڑ گیا :

"وجہ تسمیہ جمکورہ آنکہ در دکن سبزئیے است کہ آنرا ساگ جمکورہ میگویند ۔ در وقتیکہ مرتضیٰ نظام الملک برار را فتح کرد روزے با اھل حرم خود بہ سیر باغ رفتہ بود ۔ یکے از عورات در میان ساگ جمکورہ ایں الماس را یافتہ پیش نظام الملک برد ۔ ازاں روز با الماس جمکورہ شہرت گرفت ۔" (صفحہ ۱۹۸)

ٹانک (ایک وزن کا نام ہے) (صفحہ ۱۹۸) ۔ بوکرہ (صفحہ ۱۹۹) ۔ کھرنی (صفحہ ۲۰۰) ۔ پاو (چہار کروہ پاو کم) ، باولی (صفحہ ۲۰۲) ۔ کمودنی (نیلوفر) ، کنول ، بھونرا (صفحہ ۲۰۳) ۔ روھو (مچھلی کی قسم) (صفحہ ۲۰۹) (جہانگیر کہتا ہے کہ روھو سے بہتر کوئی مچھلی نہیں ہوتی) ۔ استھنب اور کہنب (صفحہ ۲۰۶) ۔ کھچھڑی باجرہ (جہانگیر لکھتا ہے کہ باجرے کی کھچڑی اھل گجرات کے ساتھ مخصوص ہے ۔ میں نے پہلے کبھی نہیں کھائی تھی ؛ اب حکم دیا کہ تیار کر کے لائیں ۔ بے شک بے ذائقہ نہیں ہے اور مجھے تو بہت پسند آئی اس لیے حکم دیا کہ صوفیانہ ایام میں ، یعنی جن دنوں میں گوشت نہیں کھانا ، دسترخوان پر یہ کھچڑی اکثر لائی جائے :

"از غذا ھا کہ مخصوص اھل گجرات است ، کھچڑی باجرہ است و آنرا لذیزہ نیز میگویند .... چون ھرگز نخوردہ بودم فرمودم کہ تیار ساختہ آوردند ، خالی از لذتے نیست ۔ مرا خود خیلکے در افتاد ؛ حکم کردم کہ در ایام صوفیانہ کہ التزام ترک حیوانے نمودہ ام و طعام ھائے بے گوشت میخورم اکثر ازیں کھچڑی می آوردہ باشند ۔" (صفحہ ۸--۲۰۷)

باڑی (باغ) (صفحہ ۲۱۱) ۔ بہلوان (صفحہ ۲۱۳) ۔ لجونتی اس درخت کے متعلق کہا ہے :

"نامش بہ عربی شجرۃ الحیاء است و بہندی لجونتی میگویند ۔ و لاج بہ معنی حیا است ۔" (صفحہ ۲۲۰)

کوئل (صفحہ ۲۲۵) ۔ بونٹہ (جہانگیر تیرھویں سال جلوس میں گجرات میں ٹھہرا ھوا تھا ؛ اس کی خدمت میں بونٹہ نامی ایک بوڑھا بھاٹ آیا ۔

بادشاہ اس سے گجراتی کی باتیں اور حکایتیں سنتا رہا ؛ خوش ہو کر ایک ہزار روپیہ انعام میں دیا ؛ اس کے بعد سوچا کہ بڈھے کو کہنا لفظ کا غلط استعمال ہے اس لیے حکم دیا کہ بڑے میاں کو آیندہ سے برکھ راے کہا جائے۔ برکھ کے معنی درخت کے ہیں۔ لکھا ہے :

''درین روز ہزار روپیہ در وجہ انعام برکھہ راے باد فروش عنایت فرمودم۔ مشارالیہ گجراتی الاصل است و از نقل و سرگذشت احوال این ملک استحضار تمام دارد۔ نامش بوڈھہ بود یعنی نہال ، بہ خاطر رسید کہ پیر مردے را بوڈھہ گفتن بے نسبت است خصوصاً الحال کہ بسحاب مکرمت ما سر سبز و بارور بودہ باشد ، بنا برآن حکم فرمودم کہ بعد ازین او را برکہ راے مگفتہ باشند۔ برکھہ بہ زبان ہندوی درخت را می گویند۔'' (صفحہ ۲۲۹)

جھروکہ (صفحہ ۲۳۲) - سانوں (صفحہ ۲۳۷) - اوربسی (دکن کے لوگ گلے میں پہنتے ہیں) (صفحہ ۲۴۴) - پھاند (پھندا) (صفحہ ۲۴۷) - جوار (صفحہ ۲۵۱) - چوکھنڈی (صفحہ ۲۵۶) - ہودہ (''تخت سواری فیل کہ اہل زبان ہودہ گویند۔'') (صفحہ ۲۶۵) - کٹرہ (صفحہ ۲۷۷) - سیر ، دام (صفحہ ۲۸۱) - تھل کنول - اس کے متعلق کہا ہے :

''بہ ہندی تھل بہ معنی زمین است ، چون گل کنول مخصوص آب است این را تھل کنول نامیدہ اند یعنی کنول صحرائی۔ بہ فارسی لالۂ بیگانہ میگویند۔'' (صفحہ ۲۸۸)

کرج (صفحہ ۲۸۹) - بس سکھ یعنی راحت جشم (صفحہ ۲۹۱) - لنگور (صفحہ ۲۹۲) - بہت (بھات) - کہا ہے :

''مدار خورش اہل کشمیر در برنج است اما ربون می شود و خشکہ نر می پزند و می گذارند کہ سرد شود بعد ازان میخورند و آنرا بتھہ میگویند۔ طعام گرم خوردن رسم نیست۔'' (صفحہ ۳۰۰)

پٹو ، پرم نرم (صفحہ ۳۰۱) - گھاٹ (صفحہ ۳۰۵) - پپیہا (صفحہ ۳۰۹) - سارس ، کروانک ، ررد ملک ، لملورہ ، کوبکلہ ، کویل ، ہریل ، ڈھیک ، کویل ، مہوکہ ، ھس ، کلچڑی ، ٹٹیری (صفحہ ۳۱۱) -

مچھی بھون (صفحہ ۳۱۳) - مرغابی ، سیونہ ، نیم سوائی (صفحہ ۳۳۸) - سرب باسی (نارک همه چیز) (صفحہ ۳۴۲) - بنحارہ (صفحہ ۳۴۵) - چنڈاول (صفحہ ۳۵۶) - جوهر (راجپوتوں کی رسم) (صفحہ ۳۶۵) - بارہ - سادات بارہ کے ذکر میں کہا ہے :

''بارہ به زبان هندی دوازده را گویند ، چوں درمیاں دو آب دوازده ده نزدیک هم واقع است که وطن ایں سادات است ، بنا بریں بسادات بارہ اشتہار یافته اند ۔'' (صفحہ ۳۶۶)

پھونجی گراں بہا (صفحہ ۳۶۹) - چیتل - اس کے لیے لکھا ہے :

''ایں قسم مار را در هندوستان چیتل می گویند ۔'' (صفحہ ۳۷۰)

برچه - کہا ہے :

''نیزهٔ کوتاه دسته را که اهل هند برچه می‌گویند ۔'' (صفحہ ۳۷۲) - کھا گر (بودنه کلاں) (صفحہ ۳۷۵) گنوارن (گنوار) (صفحہ ۳۷۵) جتا جوت (ایک هاتھی کا نام ہے) (صفحہ ۳۹۰) - ہرن منارہ (صفحہ ۳۹۳) -

اوپر کی فہرست میں کل ڈیڑھ سو الفاظ ہیں - ان میں سے اکثر الفاظ آج بھی اردو زبان میں مستعمل ہیں ، اس لیے ہم اس قیاس کے ترتیب دینے میں حق بجانب ہیں کہ یہ زبان جس کے ذخیرے سے جہانگیر بادشاہ یہ الفاظ دے رہا ہے ، اردو ہے اور اردو ان ایام میں دربار اور اردوئے شاہی میں بولی جا رہی ہے -

تیرھویں سال جلوس میں جہانگیر محمود آباد گجرات میں مقیم ہے اور سید محمد نبیرۂ حضرت شاہ عالم گجراتی سے کہتا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ مانگیں ؛ وہ انکار کرتے ہیں لیکن بادشاہ اصرار کرتا ہے ، آخر میں کلام مجید کی قسم دیتا ہے - سید عرض کرتے ہیں کہ جب بادشاہ سلامت نے کلام پاک کی قسم دلائی ہے تو پھر مجھ کو ایک کلام مجید ہی مرحمت ہو جائے - اس پر جہانگیر ایک قرآن مجید جو یاقوت المستعصمی کے ہاتھ کا نوشتہ تھا اور کتاب خانۂ شاہی کے

نوادرات میں شمار ہوتا تھا ، منگوا کر سید کے حوالے کرتا ہے اور اپنے قلم سے اس کی پشت پر ھدیہ کی تاریخ و نام مقام وغیرہ لکھ دیتا ہے - بعد میں سید صاحب سے فرمائش کرتا ہے کہ آپ کلام مجید کا ترجمہ بلغات ریختہ لفظ بہ لفظ فارسی ترجمہ کر کے مصحف اپنے فرزند سید جلال کے ہاتھ بھجوا دیں - اس موقع پر جہانگیر کے الفاظ ھیں :

''بمشار الیہ فرمودیم کہ مصحف بہ عبارت سلس حالی از تکلف و تصنع ترجمہ نماید و اصلا بشرح و بسط و شان نزول آن مقید نشدہ بہ لغات ریختہ قرآن را لفظ بہ لفظ فارسی ترجمہ کند ویک حرف بر معنی محض اللفظ بیفراید و بعد از تمام آن مصحف مصحوب فرزند خویش جلال الدین سید روانہ درگاہ سازد -'' (صفحہ ۲۴۳)

اس عبارت میں ''بہ لغات ریختہ قرآن را لفظ بہ لفظ فارسی ترجمہ کند'' سے گنجلک پیدا ہو گئی ہے - 'لفظ بلفظ فارسی ترجمہ کند' سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ فارسی میں؛ درکار ہے ، لیکن بلغات ریختہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ زبان ریختہ یعنی اردو میں مطلوب ہے - اس عبارت کے ترجمے میں توزک کے مترجمین نے اختلاف کیا ہے - انگریزی ترجمے میں 'بہ لغات ریختہ' کا مفہوم Simple Words یعنی الفاظ سادہ سے ادا کیا گیا ہے لیکن سیاق میں سے اس کی تائید نہیں ہوتی - مولانا احمد علی سیماب جنھوں نے توزک کا اردو میں ترجمہ کیا ہے ، اس کا ترجمہ زبان ریختہ کرتے ھیں - یہ ظاہر ہے کہ لغت و لغات کا اطلاق زیادہ تر زبان پر ہوتا ہے - بہر حال اگر پہلے معنی مقصود ھیں تو یہ مطلب ہے کہ فارسی ترجمہ درکار ہے لیکن اس قسم کے متعدد ترجمے پہلے ھی سے موجود ھیں - دوسرے کیا خود جہانگیر کے دربار میں ایرانی علما و فضلا کی کمی تھی جو فارسی ترجمے کی فرمائش احمد آباد کے ایک بزرگ سے کی جاتی ؟ اردو ترجمے کی صورت میں یہ فرمائش بالکل بجا تھی کیوں کہ گجرات میں ان ایام میں اردو زبان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری تھا اور گوجری یا گجری اردو میں کتابیں لکھی جاتی تھیں -

سید جلال ، سید محمد کے فرزند اس واقعے کے بعد دو مرتبہ جہانگیر کے دربار میں جاتے ہیں لیکن دونوں مرتبہ ترجمے کا ذکر نہیں آیا - ایک حوالہ میں یہاں نقل کیے دیتا ہوں :

''سید جلال خلف سید محمد نبیرۂ شاہ عالم بخاری را ، کہ مجملے از احوال او در ضمن و قائع سیر و سمر گجرات مرقوم گشتہ رخصت انعطاف ارزانی داشتم ؛ مادہ فیلے بجہت سواری او با خرح راہ عنایت شد -'' (صفحہ ۲۷۶)

دوسرے حوالے کی بھی تقریباً یہی عبارت ہے -

شہاب الدین شاھجہاں (۱۰۳۷ھ و ۱۰۶۸ھ)

شاھجہاں جب پیدا ہوتا ہے اس کی پرورش رقیہ سلطان بنت ہندال مرزا کے سپرد ہوی ہے جو اکبر بادشاہ کی سب سے بڑی بیوی تھیں - ان کے کوئی اولاد نہیں تھی - اکبر نے شاھجہان کو ان کی گود دے دیا - بیگم صرف ترکی زبان جانتی تھیں اور اپنے ملازموں سے بھی اسی زبان میں گفتگو کرتی تھیں ، اس لیے ان کی صحبت میں رہ کر شاھجہاں کسی قدر ترکی سمجھ تو لیتا تھا لیکن بولنے کی عادت کبھی نہیں ڈالی - شروع ھی سے اس کو اس زبان کے ساتھ کوئی رغبت نہیں تھی اور نہ بیگم بہ وجہ افراط محبت اس کے سیکھنے پر مجبور کرتی تھیں - شاھجہاں کا مورخ عبدالحمید لکھتا ہے :

''چون نواب جنت مآب خدیجہ الزمانی رقیہ سلطان بیگم بنت ہندال میرزا بن حضرت فردوس مکانی کہ در عہد صبا بہ پرورش آں نور پروردۂ الٰہی می پرداختند ، چنانچہ نگاشتہ اند ترکی زبان بودند و با خدمۂ مشکوی دولت بہ ترکی حرف می زدند - از بسیاری استماع اکثر الفاظ ایں زبان می فہمند لیک از قلت ممارست بآن کمتر سخن میکنند چہ در خورد سالی طبع اقدس را بایں زبان رغبت نبود و نواب خدیجہ الزمانی از کمال رافت و عطوفت کام و نا کام بر یاد گرفتن آن نمی داشتند -'' (صفحہ ۱۲۲ ، شاھجہاں‌نامہ - جلد اول)

جہانگیر بادشاہ کو اس کی ترکی نہ جاننے کا افسوس تھا ۔ ایک روز کہنے لگا کہ اگر مجھ سے کوئی دریافت کرے کہ بابا خرم یعنی شاہجہاں کی ذات میں کون سا وصف ہے جو موجود نہیں ہے تو مجھ کو کہنا پڑے گا کہ ترکی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے - اس پر شاہجہاں نے دست بستہ عرض کی کہ اعلیٰ حضرت کی توجہ سے میں ابھی یہ خامی بھی درست کر لوں گا ۔ شاہجہاں نامے کی عبارت حسب ذیل ہے -

''روزے حضرت جنت مکانی از روی عنایت و مہربانی بربان طینت فرمودند کہ اگر شخصے ازمن برسد کہ از صفات پسندیدہ چیست کہ بابا خرم ندارد خواہم گفت کہ زبان ترکی ندارد ۔ خدیو اقبال ر پاسخ والد ماجد از روی کمال ادب بہ عرض رسانیدند کہ انشا اللہ تعالیٰ توجہ حضرت این صفت نیز حاصل شود ۔'' (صفحہ ۱۳۳ ، جلد اول)

فارسی کے ساتھ اس کو بے حد انس تھا اور اسی زبان میں بالعموم گفتگو کرتا تھا ، البتہ جو لوگ فارسی سے ناواقف تھے ان کے ساتھ ہندوستانی یعنی اردو میں بات چیت کرتا تھا ۔ عبدالحمید کا بیان ہے :

''بیشتر فارسی در کمال فصاحت و بلاغت تکلم میفرمایند و بہ بعضے ہندوستانی زبانان کہ فارسی ندانند بہ ہندوستانی ۔'' (صفحہ ۱۳۲)

اس عہد میں اردو کے لیے ہندوستانی کا لفظ عام طور پر رائج ہو گیا ہے ۔ چناں چہ عبدالحمید لاہوری اکثر اوقات یہی لفظ لکھتا ہے ۔ میں بعض مثالیں یہاں عرض کرتا ہوں :

'' و کشکچیان کہ بہ ہندوستانی زبان جوکیداران گویند تسلیم قور میکنند ۔'' (صفحہ ۱۵۲ ، جلد اول)

''و حلقہ کہ در دست کنند و بہ ہندوستانی زبان کڑہ گویند ۔'' (صفحہ ۲۹۳ ، جلد اول)

''آش خانہ ہا کہ بہ ہندوستانی زبان لنگر گویند ۔'' (صفحہ ۲٦۳ ، جلد اول)

"جنوب رویه برا رابه که به هندوستانی زبان رتھ گویند ۔"

(صفحہ ۳۱۹ ، جلد اول)

لفظ ہندوستانی اردو زبان کے سلسلے میں اس عہد سے قدیم ہے ۔ مؤرخ فرشتہ نے ایک موقع پر یہ لفظ استعمال کیا ہے ۔ ابراہم عادل شاہ (۹۸۸ھ و ۱۰۳۷ھ) کی فارسی دانی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"و بنوعے فارسی را خوب میگفت که تا به هندوستانی متکلم نمی شد هیچ کس نمی توانست فهمید که غیر از فارسی به زبان دیگر آشنائی دارد ۔" (صفحہ ۸۰ ، جلد ۲ م ، تاریخ فرشتہ نولکشور)

اور شاہجہانی عہد میں یہ لفظ عام استعمال میں آ رہا ہے ۔ وجہی ایک دکنی مصنف اپنی نثری تالیف 'سب رس' (۱۰۴۵ھ) میں یہی لفظ استعمال کر رہے ہیں ۔ چناں چہ :

"آغاز داستان زبان ہندوستان ۔"

مغربی اقوام جو سترھویں صدی میں اردو کا نام ہندوستانی لکھ رہی ہیں ، در حقیقت وہ اہل ہندوستان کی تقلید کر رہی ہیں ۔

ہندوستانی کا اطلاق اردو کے علاوہ برج بھاشا پر بھی ہو رہا ہے جسے اس زمانے میں گوالیری کہا جاتا تھا ۔ یہ زبان ان ایام میں موسیقی ، شعر اورعلمی اغراض کے لیے کام میں آ رہی تھی ۔

یمین الدولہ آصف خاں کے زیر اہتمام ملا فرید و دیگر منجموں نے مل کر نئی زیج بنام زیج شاہجہانی تیار کی ۔ جب یہ کتاب ختم ہو کر بادشاہ کی نظر سےگزری بہت پسند کی اور حکم دیا کہ یونانی اورہندوستانی منجم مل کر ہندوستانی زبان میں اس کا ترجمہ کریں تاکہ ہندی منجم بھی اس سے استفادہ کر سکیں ۔ شاہجہاں نامے کی عبارت ہے :

"درینولا آن کتاب از نظر اکسیر اثر شهنشاه دانش پناه گذشت و مرتب آن مشمول نوازش گردید و تا فائیدهٔ آن کتاب تام النصاب عام النصیب باشد بحکم اقدس انجم شناسان هندوستان باستصواب اختر شماران یونان به هندوستانی زبان ترجمه نمودند ۔" (صفحہ ۲۷۸ ، جلد اول)

میں سمجھتا ہوں کہ اس عبارت میں ہندوستانی سے مراد اردو نہیں ہے بلکہ 'برج بھاشا' ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند کلمے یہاں میں 'برج بھاشا' کے متعلق لکھ دوں۔

برج اس وقت تمام ضلع آگرہ ، ریاست بھرت پور ، متھرا ، گوالیر ، مشرقی علاقہ ریاست جے پور ، گڑگا نوہ ، بلند شہر ، علی گڑھ ، ایٹہ ، مین پوری ، بدایوں ، بریلی اور ترائی (پرگنۂ نینی تال) میں بولی جا رہی ہے۔ مسلمانی عہد میں اس زبان میں موسیقی و شعر کا بہت رواج رہا ہے۔ ابتداً اس زبان کو محض مقامی حیثیت حاصل تھی لیکن نویں صدی ہجری کے منتصف دوم یعنی لودھیوں کے زمانے میں موسیقی کی بنا پر اس زبان نے ہندوستان میں ادبی امتیاز حاصل کر لیا۔ اس سلسلے میں راجا مان گوالیری کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔ سب سے بڑا انقلاب اس نے یہ کیا کہ سںسکرت کو ہٹا کر موسیقی میں گوالیری زبان کو داخل کر دیا تا کہ عوام الناس راگ کے ساتھ زبان کو بھی سمجھ سکیں۔

''معانی مارہ بہ زبان گوالیار گرارس دادہ طرز جدید درمیان آورد تا دریافت آں بر ہمگناں آسان گردد۔'' (صفحہ ۲ ، جلد دوم)

یہ اقدام گوالیری زبان کی ادبی حیثیت کو بہت فروغ دیتا ہے اور اس میں شعر و شاعری کا رواج ہو جاتا ہے۔ راجہ مان نے موسیقی میں بے حد ترقی کی ہے۔ 'دھرپد' کو اس کے تصرفات نے کمال پر پہنچا دیا۔ اس کے دربار میں اچھے اچھے موسیقی دان جمع تھے جن میں بعض اس فن کے امام مانے جاتے ہیں۔ مثلاً نایک بخشو جو مسلمان ہے اور اسی راجا کا تربیت یافتہ ہے۔ نایک بخشو راجا مان کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک اس کے فرزند راجا بکرماجیت کے پاس رہا ، اس کے بعد وہ کالنجر کے راجا کیرت کے پاس چلا گیا۔ وہاں سے گجرات بہادر شاہ گجراتی (۹۳۲ھ و ۹۴۳ھ) کے دربار میں چلا گیا اور باقی عمر وہیں بسر کی۔

بخشو کے بعد تان سین نے موسیقی میں نام پیدا کیا۔ تان سین

شیخ محمد غوث گوالیاری کا مرید ہے ۔ ابتدا میں وہ رامچندر بگھیلہ کے پاس تھا ۔ جب جلال الدین اکبر نے اس کی شہرت سنی اپنے دربار میں بلا لیا ۔ اکبر کے دربار میں ہندی شعراء و موسیقی دانوں میں پچاس فی صدی گوالیاری تھے ۔ اس سے اہالی گوالیر کی موسیقی نوازی و شعر دوستی کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ ابو الفضل نے 'آئین اکبری' میں نینتیس چیدہ چیدہ ماہران موسیقی کے نام دیے ہیں ۔ ان میں سولہ حسب ذیل گوالیاری ہیں :

(۱) میاں تان سین (۲) بابا رامداس
(۳) سجان خاں (۴) سر گیان خاں
(۵) چاند خاں (۶) میاں جنید
(۷) میاں لال (۸) سر مندل خاں
(۹) میر سید علی (۱۰) نبات خاں
(۱۱) سرود خاں (۱۲) نایک چرجو
(۱۳) پرویں خاں پسر نایک چرجو (۱۴) سور داس پسر بابا رام داس
(۱۵) تان ترنگ خاں پسر تان سین (۱۶) پہر خاں برادر سجان خاں

ابوالفضل کا میاں لال وہی ہے جسے جہانگیر لعل کلاونت لکھ رہا ہے ۔ اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ جہانگیر اپنی تورک میں اس کی وفات کا ذکر کرتا ہے ۔ دوم جمادی الثانی سال سوم جلوس کے واقعات میں سب سے پہلا واقعہ لعل کلاونت کی وفات ہے ۔ لکھتا ہے :

''دوم ماہ مذکور لعل کلاونت کہ از خوردی در خدمت پدر من کلاں شدہ بود و ہر نفس و صوتے کہ بہ زبان و روش ہندی می نشیند باو یاد می دادند در سن شصت و پنج سالگی فوت کرد ۔ یکے از کنیزان او دریں مصیبہ افیون خوردہ خود را ہلاک ساخت ۔''

(صفحہ ۱۷ ، تورک جہانگیری)

شاہجہانی عہد میں سندر برہمن تھا جس کو بادشاہ نے 'کب رای' کا خطاب دیا تھا (صفحہ ۹۳۳ ، جلد اول ، شاہجہان نامہ) ۔ اس سے زیادہ مشہور جگ ناتھ کلاونت ہے جو ہندوستان میں بے نظیر مانا گیا تھا ۔ اس کے لیے شاہجہانی مؤرخ کہتا ہے ؛

''در تصنیف نغمات ہندوستانی و تالیف معانی امروز مثل او در ہندوستان بہشت نشان نیست ۔'' (صفحہ ۵۶ ، شاہجہان نامہ ، جلد اول)

شاہجہان ساتویں سال جلوس میں جگ ناتھ کو آگرے میں بعض نغموں کی تیاری کے لیے چھوڑ کر کشمیر جاتا ہے ۔ جگ ناتھ فرصت میں بارہ نغمے جو بادشاہ کے نام پر تھے ، تیار کر کے شاہجہان کی واپسی پر بہ مقام بھنبھر جا ملتا ہے ۔ بادشاہ ان کو سن کر نہایت محظوظ ہوتا ہے اور جگ ناتھ کو چاندی میں تلوانے کا حکم دیتا ہے ۔ جگ ناتھ چار ہزار پانچ سو روپے کے برابر تلتا ہے اور یہی روپیہ شاعر کو انعام میں ملتا ہے ۔ عبد الحمید کہتا ہے :

''ازاینجا کہ تصنیفاتش خاطر اقدس را عشرت آگیں ساخت بامر پادشاہ دانش نواز بزر سنجیدہ آمد و چار ہزار پانصد روپیہ ہم سنگش باو عنایت گشت ۔'' (صفحہ ۵۶ ، جلد اول)

آٹھویں سال جلوس میں جگ ناتھ کی ایک جدید تصنیف یا نغمہ بے حد پسند ہوا اور اس کو ایک ہاتھی مرحمت ہوا :

''جگ ناتھ کلاونت مخاطب بہ کب رای در جائزہ تصنیفے کہ تازہ بستہ بود و مستحسن افتادہ ، بہ عنایت فیل مفتخر گشت ۔''

نویں سال جلوس میں درنگ خاں کلاونت کو روپے میں تولا گیا اور چار ہزار پانسو روپے اس کا وزن ہوا جو اس کو عنایت ہوا ۔ عبدالحمید کا بیان ہے :

''درنگ خاں کلاونت را کہ بہ قدم بندگی مباہی است و در بندگی از ہمسران امتیاز دارد نیز بزر سنجیدہ مبلغ چار ہزار و پانصد روپیہ ہم سنگش باو عطا فرمودند ۔'' (صفحہ ۱۳۲ ، جلد اول)

لعل خاں کلاونت اس عہد کا مشہور موسیقی داں ہے جس کو غرۂ رجب سال یازدہم جلوسی میں 'گن سمندر' کا خطاب عطا ہوتا ہے ۔ لعل خاں تان سین کے فرزند بلاس کا داماد ہے ۔ دھرپد کے گانے میں تان سین کا بہترین مقلد مانا گیا ہے ۔ اس کے چار فرزند ہیں ، ان میں

خوش حال اور بسرام خوانندگی میں باکمال ہیں اور تقریباً ہم پلہ ہیں ۔ خوش حال نغمات کی تصنیف میں لا ثانی ہے ۔ اس کے بعد ہمارا مؤرخ اضافہ کرتا ہے :

''اما سر دفتر مصنفان دریں زمان عشرت آگین بہجۂ تزئین جگ ناتھ مہاکب رائے است ۔''
(صفحہ ۵ ، جلد دوم)

تیرھویں سال جلوس (مطابق ۱۰۴۹ھ) کو ماہ جمادی الثانی میں جگ ناتھ مہاکب رائے کو دو ہزار روپیہ اور ذوالقرنین ارمنی کو پانچ ہزار روپیہ عنایت ہوتا ہے ۔ ذوالقرنین بھی موسیقی دان ہے ۔ جہانگیر اس کے متعلق اپنی توزک میں رقم طراز ہے :

اس کے باپ کا نام اسکندر ارمنی ہے ۔ اسکندر حضرت عرش آشیانی کی خدمت میں ملازم تھا ۔ آنحضرت نے عبدالحئی ارمنی کی دختر سے جو شاہی محل میں ملازم تھی ، اس کی شادی کر دی جس سے دو فرزند ہوئے : ایک تو یہی ذوالقرنین جو میرے زمانے سے سانبھر کے نمک کی خدمت خالصہ پر مقرر تھا ۔ اس نے یہ خدمت نہایت عمدگی سے انجام دی ۔ اب میں نے اسے سانبھر کا فوج دار مقرر کیا ہے ۔ جہانگیر کا بیان ہے کہ ذوالقرنین کو ہندی موسیقی سے بے حد دل چسپی ہے ۔ اس کے نغمے میں نے کئی مرتبہ سنے ہیں اور پسند کیے ہیں ۔
(توزک ، صفحہ ۳۲۴)

اٹھارھویں سال جلوس (مطابق ۱۰۵۴ھ) میں جب بیگم صاحب یعنی شاہجہان بادشاہ کی سب سے بڑی اور لاڈلی بیٹی جل گئی تھی ، اس کی صحت یابی کے جشن کے موقع پر جو انعامات لوگوں کو ملے ہیں اس کے ذیل میں لعل خاں اور اس کے فرزندوں کو دو ہزار ، برنگ خاں کو ایک ہزار اور باقی کلاونتوں کو بارہ ہزار روپیہ ملتا ہے ۔

خافی خان کا بیان ہے کہ پچیسویں سال جلوس میں (مطابق ۱۰۶۱ھ) شاہجہان ایک ہندی شاعر کو ایک کبت کے انعام میں ایک فیل مادہ اور دو ہزار روپے عطا کرتا ہے ۔
(صفحہ ۷۰۶ ، منتخب اللباب ، جلد اول)

ان چند امور سے جو میں نے بہ خوف طوالت اختصار کے ساتھ گزارش کیے ہیں ، معلوم ہو جائے گا کہ گوالیری زبان اس عہد کی موسیقی اور شعر کی زبان ہے اور دربار شاہی میں ساتھ ساتھ چل رہی ہے اور چوں کہ ہندو اور مسلمان دونوں قومیں اس میں حصہ لے رہی ہیں ، اس لیے اس کو بھی ہندوستانی زبان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ جہاں خاص ہندوؤں کی مخصوص زبان کا ذکر ہوتا ہے وہاں صاف زبان ہنود یا اس معنی کے اور الفاظ مستعمل ہوئے ہیں ۔ مثلاً عبدالحمید ایک موقع پر تحریر کرتا ہے :

''پرمار، ہنود حمن کسے را پردہاں گویند ۔''
(صفحہ ۱۰۵ ، جلد دوم)

یہاں شاہجہاں نامے سے بعض ہندی الفاظ مرقوم ہوئے ہیں :
کھپوہ ۔ پھول کٹارہ (صفحہ ۱۶۱) وجے گج (ہاتھی کا نام ہے) (صفحہ ۱۶۶) بھانہ ۔ اس لفظ کی تشریح اس طرح کی گئی ہے :
''بھانہ عبارت است از جمعے از سوار و پیادہ و تفنگچی و کماندار کہ چاردیواری بر دور خود کشیدہ در مکاں مخوف فرو کش کنند و بمحافظت راہ و ضبط محال نزدیک بھانہ و رسانیدن رسد از بھانہ بہ بھانۂ دیگر پردازند ۔'' (صفحہ ۱۶۷)

بجے کنجر[1] (نام فیل) (صفحہ ۱۷۵) شاہ آس (فیل) (صفحہ ۱۸۰) دل بادل (شاہجہانی عہد کے ایک شامیانے کا نام ہے) (صفحہ ۱۸۷) چندولہ (نام فیل) رن راو (فیل) (صفحہ ۱۹۳) چبوترہ (صفحہ ۲۲۳) بنگلہ (صفحہ ۲۲۵) گج پتی (سفید ہاتھی کا نام ہے) (صفحہ ۲۹۳) کٹہرہ (صفحہ ۲۹۳) چند اول (صفحہ ۳۰۴) تال (صفحہ ۳۱۸) ظفر گج (فیل) پالکی ، (رتھ صفحہ ۳۱۹) پیٹھ (ہمہ واری بازار) (صفحہ ۳۴۰) ، لنگر (صفحہ ۳۶۳) سہرہ(صفحہ ۳۸۹)برسات(صفحہ ۳۹۵) پہر،گھڑی (صفحہ ۳۹۶) ھتھنال (اس عہد میں گجنال کا نیا نام رکھا گیا ہے ، یعنی ہاتھی کی

---

۱ - کنجر : سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی بڑے ہاتھی کے ہیں (مرتب)

توپ) (صفحہ ۴۰۵) گونٹ (صفحہ ۴۰۹) کمپیت (صفحہ ۴۱۴) تھانہ دار (صفحہ ۴۱۷) عرس (صفحہ ۴۲۹) آگ محل (صفحہ ۴۳۳) نواڑہ (جنگی جہازوں کا بیڑہ) (صفحہ ۴۳۶) ڈینگہ (یعنی ڈونگہ) (صفحہ ۴۳۸) بان (۴۵۷) سدھکر اور صورت سدر [یہ دونوں ھاتھی ساھی حاصہ حلمے سے تعلق رکھتے ھیں ۲۹ ذیقعدہ سنہ ۱۰۴۲ ھجری کو جھروکہ درسن کے سامنے والے میدان مں ان کی لڑائی کرائی گئی - ھاتھی لڑتے لڑتے عین جھروکہ درسن کے پاس آ گئے - یہاں شہزادہ شجاع اور اورنگ زیب گھوڑوں پر سوار لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے ؛ اسی مں ھاتھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر پیچھے ہٹے تاکہ از سر نو پھر حملہ کریں - سدھکر نہایت غصہ اور طیس کی حالت میں تھا اور سیدھا شہزادہ اورنگ زیب کی طرف جھپٹا - اورنگ زیب کی عمر اس وقت چودہ سال کی تھی ؛ وہ غضب ناک جانور کو اپنے اوپر آتا دیکھ کر مطلق نہیں جھجکا بلکہ جم کر مقابلے کے لیے ڈٹ گیا - جونہی ھاتھی زد پر آیا شہزادے نے نہایت پھرتی سے اپنا نیزہ اس کے ماتھے پر مارا - زخم کھا کر ھاتھی اور بھی بپھرا اور دانتوں کی اوجھڑ مار کر شہزادے کے گھوڑے کو زمین پر گرا دیا - اورنگ زیب زمیں پر آ رہا اور تلوار سونت کر ھاتھی پر چلا - شہزادہ شجاع نے بھائی کی مدد کرنی چاہی لیکن آتش بازی اور اس کے دھوئیں کی کثرت سے جو ھاتھی پر اب چاروں طرف سے پھینکی جا رہی تھی ، قریب نہیں جا سکا - وہ موقع پر پہنچنے کی کوشش میں تھا کہ ایک چرخی اس کے گھوڑے کی پیشانی پر آ لگی - گھوڑا گھبرا کر الف ہو گیا اور شجاع زمیں پر آ رہا - ادھر راجا جے سنگھ والی جے پور مدد کے لیے بڑھے لیکن ان کا گھوڑا ھاتھی سے چمک کر رک گیا - اتنے مں خود شاھجہان بادشاہ گھبرا کر اتر آتا ھے اور گرز برداروں کو حکم دیتا ھے کہ ھاتھی کو ہٹائیں - اس موقع پر صورت سندر ھاتھی جو سدھکر کا حریف مقابل تھا پیچھے سے آ کر سدھکر پر حملہ کرتا ھے - سدھکر بے بس ہو کر بھاگ نکلتا ھے - اورنگ زیب کا اس معرکے سے زندہ بچ نکلنا معجزے سے کم نہیں ھے - بادشاہ بہادر بیٹے کو بہادر کا خطاب اور پانچ ہزار

اشرفیاں صدقے میں دیتے ھیں ۔ اورنگ زیب بہادر کی داستان اس عہد کے متعدد فارسی و ھندی شعرا نے اپنی اپنی نظم و نثر میں بیان کی ھے ۔ عبدالحمید اس موقع پر کہتا ھے :

''سخن طرازان فارسی و ھندوستانی بنظم و نثر داستان آن رستم آثار برگذاردند ۔'' (صفحہ ۴۹۳)]

گھاٹی (صفحہ ۴۹۸) دوپہر (صفحہ ۵۰۳) عنبر کوٹ ، مہا کوٹ ، کالا کوٹ (قلعہ دولت آباد کے نو کوٹوں میں سے تین کوٹوں کے نام ھیں) (صفحہ ۵۱۳ ، ۵۱۵) اوربسی (صفحہ ۸۶ ، جلد اول ، حصہ دوم) فیل مہاسندر (صفحہ ۱۴۳) نور بخت ، ھوبت (نام فیلان) (صفحہ ۱۸۸) دل سوبھا (فیل) (صفحہ ۲۰۳) امان اللہ (فیل عادل شاھی) (صفحہ ۲۰۲) مہا سندر (نام فیل خاصہ) (صفحہ ۲۰۵) گج موتی (فیل قطب الملک) (صفحہ ۲۳۰) لال محل (صفحہ ۲۳۴) گج موتی (اس ھاتھی کا نام بدل کر شاھجہان نے بادشاہ پسند رکھا) (صفحہ ۲۴۶) اگر (و عود کہ اران بہندوستانی زبان اگر گذارش دھند) (صفحہ ۶۹ جلد دوم) پایک (پیادۂ شمشیر دار و سپر دار کہ دران دیار این طائفہ را پایک خوانند) (صفحہ ۱۷) کھیدہ یعنی صید فیل (صفحہ ۱۷) کالا پانی (صفحہ ۸۲) دھوپ (اس کے متعلق لکھا ھے ''شمشیر دراز خاصہ کہ در دکن بہ دھوپ زبان زد است'') (صفحہ ۱۲۰) ستر سال (صفحہ ۱۴۰) فیل دیپ سندر (صفحہ ۳۲۱) ٹیکا (یعنی جانشین) (صفحہ ۳۴۶) رتن گج (صفحہ ۳۸۷) چیلہ عبارت از غلام است (صفحہ ۳۹۳) دھن (۱ ۱/۴ اشرفی) چرن (۱ ۱/۲ اشرفی) (صفحہ ۳۹۶) چوکھنڈی (کہا ھے ''مربع سیمیے کسادہ اطراف کہ اھل ھندوستان آنرا چوکھنڈی گویند ۔'') (صفحہ ۵۸۷) باولی (صفحہ ۵۹۱) بتی سندر (نام اسپ) (صفحہ ۶۳۴)

خافی خان اپنی تاریخ میں علامہ سعداللہ خان وزیر شاھجہان کے متعلق لکھتا ھے کہ اس نے ایک موقع پر کسی مستوفی کو یہ فقرہ جس میں ایک ھندی مثل منقول ھے ، لکھا تھا :

''کہ اے مستوفی مثل ھندی مشہور است 'لینا لینا دینا دینا' ھرگاہ

ضابطۂ سرکار چناں قرار یافتہ باشد کہ از صد بالا فاضل مجراست
چرا بہ بدعت و دعای بد عاقبتی برائے خود و ما راضی میشوی ۔''
(صفحہ ۳۸، جلد اول)

فدائی خاں اسی عہد کا ایک امیر ہے ، اس کی بیوی نے سنہ ۱۰۴۲
ہجری میں وفات پائی ہے ؛ کسی نے اس کی تاریخ وفات فارسی اور
اردو میں یوں لکھی ہے :

فارسی '' زن فدا خاں مرد ۔''
اردو ''فداخان کی جورو موی ۔''

ہر فقرے سے ۱۰۴۲ھ برآمد ہوتے ہیں ۔
(کلمات الشعرا ، محمد افضل سرخوش)

معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں بادشاہ نے قید کی حالت میں شاہ شجاع
کے نام ایک خط ہندوی زبان میں لکھ کر بھیجا تھا ۔ یہ اطلاع ہمیں
عالمگیر بادشاہ کے ایک خط سے ملتی ہے جو شاہجہان کے نام ہے
اور 'منتخب اللباب' میں محفوظ ہے ۔ میں اس خط کا ایک اقتباس یہاں
نقل کرتا ہوں :

''لیکن ازانجا کہ اخبار بے توجہی حضرت بتواتر رسیدہ ، چناں چہ
از نوشتۂ کہ بخط ہندوی بہ شجاع قلمی گردیدہ بود و خان و مان
او برسر آں خراب گشتہ ہویداست یقین حاصل شد کہ
آں حضرت ایں مرید را نمی خواہند و آنکہ از دست رفتہ ہنوز
تلاش دارند کہ دیگر استقلال پذیرد ۔''
(منتخب اللباب ، خافی خان ، صفحہ ۱۰۳ ، جلد دوم)

(ب) زیر تبصرہ دور کے اردو گو شعرا

اب تک میں نے (ان دو مسطوں میں) بابر ، اکبر ، جہانگیر اور
شاہجہاں کے عہد میں الفاظ اور دیگر اشارات کی رو سے اردو زبان کے
وجود کا پتا چلایا ہے ؛ ذیل میں ان ہندی گو شعرا اور بزرگوں کا ذکر
کیا جاتا ہے جو ان سلاطین کے معاصر ہیں ۔ ہمیں یاد رہے کہ شمالی

میں برخلاف دکن کے اردو کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی ، اس لیے بہت کم نام اردو گویوں کے ہمیں ملتے ہیں - اسی طرح ان کا کلام بھی بہیں ملتا اور جو کچھ ملتا ہے کبھی کسی کی طرف اور کبھی کسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے - بہر حال جو نام اردو تذکروں اور دیگر ذرائع سے ملتے ہیں ، میں یہاں عرض کیے دیتا ہوں -

مولانا جمالی : سب سے مشہور مولانا جمالی کا نام ملتا ہے جو فارسی کے ایک مشہور شاعر ہیں ، اور مشائخ کے تذکرے 'سیرالعارفین' کے مصنف ہیں - ۹۴۲ھ میں انتقال کرتے ہیں - ذیل کا ریختہ ان کی طرف منسوب ہے :

. . . . . ہر دو سرا کیا ہے
موسیا بی ... در ... سیا ہے
سوار ... قدم ... دیا
در رہ عشق ... کمر ... ہے
گرچہ ... قدم گم ... رقیب ... دشمن
اس کا کہا مت کرو یہ جھوٹا ہے
گاہ بگفتہ کہ جمالی ... سنو
ہم کرو کیا اپنا کرم پھوٹا ہے

حکیم یوسفی : انھی کے ہم عصر حکیم یوسفی یعنی یوسف بن محمد بن یوسف المشہور بہ یوسفی ہیں جو سکندر و ابراہیم لودھی ، بابر اور ہمایوں کے عہد کے بزرگ ہیں - فن طب میں 'ریاض الادویہ' ان کی بہت مشہور تصنیف ہے اور کئی بار چھپ چکی ہے - اس کے علاوہ رسالہ ''ما کول و مشروب'' ۹۰۶ھ ''فوائدالاخبار'' ۹۱۳ھ ''جامع الفوائد'' ۹۱۷ھ ''دلائل نبض و رسالہ قارورہ'' ۹۴۲ھ ''سنہ ضروریہ'' ۹۴۴ھ ''قصیدۂ حفظ صحت'' (بہ عبد ناصر) ''قصیدہ در اسم ادویۂ مفردہ'' وغیرہ انھی کی تالیفات سے ہیں - فن انشا میں ان کی مشہور تصنیف ''انشائے یوسفی'' ہے - یوسفی کی تصنیفات ہر عہد میں مقبول رہی ہیں

اور نصاب تعلیم میں شامل تھیں ۔ ان کی ایک دل چسپ تالیف ''قصیدہ در لغات هندی'' ہے جس میں خالق باری و مادر نامے کی طرز میں انھوں نے مختلف اشیأ و ادویہ کے فارسی و هندی نام دیے هیں ۔ اس قصیدے کے کل چوالیس شعر هیں ؛ میں یہاں چند شعر بطور نمونہ درج کرتا ہوں :

نام هر چیزے بہندی بشنو از من اے پسر
خاصہ نام هر دوائے نفع برداری مگر

بل تکلم باشد و بل کر بگو یعنی سخن
شکر فرماید ترا آنکس کہ گوید شکر کر

جیبہ و کن آمد زبان و گوش' دھاری ریش دان
موچھ را میخوان بروت و انه کور و بحر کر

آنکہ چشم و ناک بینی' بون ابرو' هوتہ لب
دند دندان ، کارہ گردن گونہ زانو مونڈ سر

کھال پوست و پزہ مغز و استخوان گویند هاد
انگلی انگشت باشد' انگونه انگشت نر

هست پیشانی متهہ' سینہ چھاتی' دست است هتھ
موہ رو و چل روان شو' بیٹھ بنشیں' دیکھ نگر

جیو جان' چوچی است پستان' ریت آب بینی است
موی مژگان را پلک خوان و کلیجہ دان جگر

گوسپند آمد بھر' بز بکری و اوتھ اشتر است
بلد گاو و فیل هاتھی' گورہ اسپ و گدہ خر

هست هیرہ لحم و روتی پانی ' نان و آب هست
حلبہ سیتھی' منگ ماش و سوک خشک و گلہ تر

چاول و چینہ برنج و ارزن' اندہ تخم مرغ
تل بود کنجد' جواری زرت' اے فرخندہ فر

ریشم است ابریشم و کاله سه' آحله سپید
سرمه کاحل' مرح فلفل' سعد سوتھ و عود اگر

مہورہ اندک می سمر سیار را می گو ہہ
سد برہ می داں و حکمه بیک' ای نقد دشر

سوبہ را مکوی طوطی' فدکی را واحتہ
بول داں راسو' ر دادس آمدی 'دسر مہرہ ور .

حاتمہ یہ ہے :

یو سی ہہر دریں اسات کردہ است آنحہ دکر
گر کی اربر برا ہر دم رسد نفعے دگر

از صرر دارد مدامت در پناہ خویستں
آں کہ در عالم نہ دمدیرس بود نفع و صرر

حکیم یوسفی ہراب کے رہنے والے ہیں اور ہندوستان میں رہتے اگرچہ عرصہ گزر گیا ہے لیکن ہندوستانی اصوات مخصوص کے ادا کرنے سے قاصر ہیں ؛ اس کے علاوہ پٹھانی لہجہ زبان پر غالب ہے ۔

ملا نوری : ملا نوری اعظم پور کے قاضی زادوں میں سے ہیں ؛ ابوالفیض فیضی کے بڑے دوست تھے ؛ شعر فارسی بہت اچھا کہتے تھے اور فن بدیع و معما میں ید طولیٰ رکھتے تھے ۔ حسب فیضی مثنوی 'نل دمن' کی تصنیف میں مصروف تھا ، ملا صاحب اسے ملنے گئے ، فیضی اس وقت مصرع :

صوی شدہ ام ر ناتوانی

کہہ کر دوسرے مصرع کی تلاش میں تھا ؛ ہر چند جستجو کی لیکن کوئی شگفتہ مصرع ہاتھ نہیں آیا ۔ ملا جی نے اس غور و انہماک کا سبب دریافت کیا ، فیضی نے پہلا مصرع سنا دیا اور کہا کہ دوسرے کی تلاش میں ہوں ۔ ملا جی نے فوراً کہا دوسرا مصرع یہ لو اور یہ کہہ کر پڑھ دیا :

مو بر قفس من کند گرانی

فیضی یہ شعر سن کر پھڑک گیا اور قاضی صاحب کی بدیہہ گوئی پر عش عش کرتا رہا۔

ریختہ میں نوری کی کئی غزلیں مشہور تھیں اور محمد شاہی عہد تک موجود تھیں لیکن اب نہیں ملتیں۔ قائم نے 'مخزن نکات' میں ان کا ایک مقطع دیا ہے، میں وہی مقطع آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں؛ فرماتے ہیں:

هر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد
بے چارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

(صفحہ ۳، مخزن نکات)

سید مبارک گوالیری کے متعلق 'طبقات اکبری' میں یہ جملہ مذکور ہے:

''روزے شخصے در حالت غلبان حال ارو بر سید کہ چہ حالت دارید بہ زبان ہندی گفت کہ بنجھے سے لاگی ہے۔'' (صفحہ ۳۹۴، طبقات)

طبقات میں حسن خاں کے ذکر میں، جو اکبر کے عہد میں حاکم لاہور تھا، لکھا ہے کہ اسے ٹکڑیہ کہا کرتے تھے اور ٹکڑیہ مشہور ہونے کی وجہ یوں دی ہے کہ حسن خاں نے ایک وقت اپنے زمانۂ حکومت میں ہندوؤں کو یہ حکم کیا تھا کہ وہ اپنے کپڑوں پر کاندھے کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا سی لیا کریں۔ چوں کہ پیوند کو ہندی زبان میں ٹکڑی کہتے ہیں اس لیے یار لوگوں نے ان کا نام ٹکڑیہ رکھ دیا۔ (صفحہ ۳۸۶)

ناموں کے سلسلے میں بدایونی نے ایک اور لطیفہ لکھا ہے کہ قندھار میں ایک گاؤں ہے جس کا نام سبلک ہے۔ اکبر کے زمانے میں وہاں سے ایک ظریف شاعر سلطان تخلص آیا جو اپنے وطن کی نسبت سے سبلکی کہلاتا تھا۔ جب ہندوستانیوں نے اس کے وطن کا نام سنا تو انھوں نے شاعر کا نام بہ ادنیٰ تغیر سبکلی یعنی چھپکلی رکھ دیا۔ سلطان سنتا تھا اور شرماتا تھا۔ کہتا تھا کچھ بس نہیں چلتا؛ یہ لوگ مجھے ایسے مردار اور کثیف جانور کے نام سے پکارتے ہیں۔ بدایونی لکھتا ہے:

''عوام هدوستان او را سبکلی می‌خوانند که کلاس باشد ۔ ازیں معنی بسیار تر بود ۔ می گفت چه کنم مرابه نام آں طور جانورے کثیف مردار می خوانند ۔'' (صفحه ۳۵۱ ، منتخب التوارخ)

اسی قسم کا ایک لطیفه حاق خان ۔ نے عرفی اور ابوالفضل کا لکھا ہے ۔ ایک دن عرفی ابوالفضل کی ملاقات کو گیا ؛ دیکھا که ابوالفضل قلم و کاغذ هاتھ میں لیے کچھ سوچ رها ہے ؛ پوچھا مهربان کس فکر میں مستغرق هو ؟ ابوالفضل نے کہا کلام مجید کا بے نقط دیباچه لکھ رها هوں ؛ میرے والد کا نام مبارک ہے ، سوچ رها هوں که اس کو به صنعت بے نقط کس طرح نبھاؤں ۔ عرفی نے کہا اس میں کیا مشکل ہے ؛ آپ اس کو اپنی ٹھیٹ گھریلو زبان میں ممارک لکھ دیجیے - ابوالفضل اس پر بہت بگڑا ۔ (صفحه ۲۰۰ ، جلد اول)

شیخ سعدی : ان کے بعد شیخ سعدی کا نام لینا ضروری هوا ۔ سودا اور قائم ان کو شیخ سعدی شیرازی مانتے هیں ۔ قائم اپنے تذکرے میں لکھتا ہے که سعدی گجرات میں تشریف لائے اور جیسا که بوستان میں مذکور ہے ، سومنات میں کچھ دن مجاور رہے ۔ اس لیے قدرے اس ملک کی زبان سے واقف هو گئے اور ریختے کی ایک دو غزلیں لکھیں ۔ لیکن میر تقی میر اور میر قدرت الله قاسم اس خیال کی تردید کرتے هیں ۔ میر صاحب فرماتے هیں :

''آں چه بعض اس را شیخ سعدی رحمه الله علیه گمان برده اند ، خطا است ۔'' (صفحه ۱۱۰)

بعد میں ان کو دکنی مانا گیا ؛ چناں چه میر حسن اور دیگر اکثر مصنفین نے انھیں دکنی لکھا ہے ۔ لیکن اب دکنی بھی ان سے منکر هو گئے هیں اور آخری رائے یه ہے که سعدی هندوستان کے هیں - کاکوری ان کا وطن ہے اور جلال الدین اکبر کے معاصر هیں - یه رائے حکیم شمس الله صاحب قادری کی ہے جو دکنیات کے ماهرین میں هیں مگر شفیق اورنگ آبادی اپنے تذکرہ 'چمنستان شعرا' میں لکھتا ہے :

"زبانش با روزمرۂ دکن آشنا ، مرقدش در جوار برهان پور مشہور است ۔"

اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بیان زیادہ قرین صحت ہے ۔ میں سعدی کے اشعار بہ سبب کثرت شہرت یہاں درج نہیں کرتا ۔

شیخ برہان : ابتدائے عہد اکبری کے بزرگ ہیں ۔ اکثر حصۂ عمر کالپی میں بسر کیا اور وہیں آپ کا مزار ہے ۔ شیخ برہان نے میاں اللہ داد دھاریوال سے جو ایک واسطے سے سید محمد جون پوری کے مرید ہیں ، فیض حاصل کیا ۔ پچاس سال تک ترک حیوانات رکھا اور صرف دودھ پر اوقات بسری کی ۔ شیخ عبدالقادر بدایونی مورخ مشہور ۹۶۷ھ میں شیخ برہان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور شیخ اپنے ہندی اشعار جو وعظ و نصیحت ، تصوف و سلوک اور توحید و تجرید کے مضمون پر تھے ، مورخ مذکور کو سناتے ہیں ۔ شیخ نے ۹۷۰ھ میں تقریباً سو سال کی عمر پا کر وفات کی ۔ (صفحہ ۲۷۹ ، منتخب)

شیخ گدائی کنبوہ : شیخ جمالی مذکورۂ بالا کے فرزند ہیں ؛ اکبری عہد میں منصب صدارت ہندوستان پر فائز تھے ۔ فارسی کے علاوہ ہندی موسیقی میں بے حد دل چسپی لیتے تھے ۔ بدایونی لکھتا ہے :

"طبع نظم داشتہ و نقش وصوت ہندی خوب می بست و می گفت و دہ آن وادی مشغوف و مالوف ۔" (صفحہ ۴۰۳ ، منتخب)

کوکب : اس موقع پر کوکب مصنف 'مجمع المضامین' کے متعلق بھی کچھ کہنا بے جا نہیں ہوگا ؛ وہ قمر خان کا فرزند ہے اور میر عبداللطیف قزوینی کا جو اکبر کے استاد ہیں ، پوتا ہے ۔ میر عبداللطیف بڑے پکے سنی تھے ؛ جب سلاطین صفویہ نے مذہبی بنا پر ان پر سختیاں کیں ، میر اپنی لاکھوں کی جائیداد پر لات مار کر ہندوستان ہجرت کر آئے ۔ یہاں مغلوں نے ان کی بہت آؤ بھگت کی ۔ ان کے فرزند میر غیاث الدین جو تاریخ میں نقیب خان کے نام سے مشہور ہیں ، فن تاریخ میں وحید عصر تھے اور اکبر بادشاہ کی خلوت و جلوت کے مصاحب ؛ بادشاہ کو ایک منٹ کے لیے بھی ان کی جدائی گوارا نہ تھی ۔

ر عبداللطیف کے چھوٹے بھائی میر علاؤالدین قزوینی ہیں جو تذکرہ
نفائس المآثر' کے مصنف ہیں ۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کے خروج کی تاریخ
مذہب ناحق' سے نکالنا اور پھر شاہی عتاب و خطاب کے وقت اسی
دے کو 'مذہب ما حق' کی صورت میں ترمیم کر دینا اسی خاندان کی
ناعی اور ذہانت کا کارنامہ ہے ۔ جہانگیر اپنے ساتویں سال جلوس
ں کوکب کا ذکر پہلی بار کرتا ہے ۔ اس وقت کوکب اور
بدالطیف پسر نقیب خان اور شریف جو آپس میں عمزاد ہیں ،
رفتار ہو کر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں ۔ ان پر جو
رام ہے ، میں اسے خود جہانگیر کے الفاظ میں دہراتا ہوں :

''دریں روزها ظاهر شد که کوکب پسر قمر خان به سیاسیے آشنائی
پیدا کرده و وهم روبه سبحان او که تمام کفر و زندقه است در مذاق
آن جاهل جا کرده عبداللطیف پسر نقیب خان و شریف عمزادهای
خود را دریں ضلالت باخود شریک ساخته بوده است ۔ چون این مقدمه
شگفته شد به مجرد اندک ترسانیدن جمیع مقدمه خودها مذکور ساختند
که در آن کراهت تمام داشت تادیب و تنبیه آنرا لازم دانسته
کوکب و شریف را بعد از شلاق بسیار محبوس ساختم و عبداللطیف
را یک صد دره حد فرموده که در حضور زدند ۔''
(صفحه ۸۲ ، تورک جهانگیری)

اس سزا کے بعد کوکب کچھ عرصہ قید رکھا جاتا ہے اور پھر
چھوڑ دیا جاتا ہے ۔ بارھویں سال جلوس کے واقعات میں جہانگیر پھر
کوکب کا ذکر کرتا ہے ۔ اس وقت وہ لشکر دکن کے ساتھ برھان پور
ں متعین تھا ۔ چوں کہ عرصے سے اس کو ترقی نہیں ملی تھی اس لیے
ے دل ہو کر لشکر سے چل دیتا ہے اور فقیری اختیار کر لیتا ہے ؛
ھ ماہ تک برابر دولت آباد ، بیدر ، بیجاپور ، گولکنڈہ ، کرناٹک
غیرہ مقامات میں گھومتا رہا ؛ وھاں سے بندر دابل[1] چلا گیا اور جہاز

۱ ۔ یعنی بندرگاہ دابول ؛ ہندوستان کے مغربی گھاٹ پر بمبئی اور
ا کے تقریباً درمیان واقع ہے ۔ اگر چہ اب (باقی حاشیہ صفحہ ۶۳ پر)

میں بیٹھ کر بندر کوکہ جا اترا؛ یہاں سے سورت کا رخ کیا؛ وہاں سے بھڑوچ اور گجرات کے دوسرے شہروں کی سیر کرتا ہوا احمد آباد پہنچ گیا۔ یہاں شاہجہان کے ایک ملازم نے اسے پہچان لیا اور گرفتار کرا کر شاہی دربار میں لے آیا۔ جہانگیر نے بیڑیاں ڈلوا دیں اور اپنے سامنے بلوایا؛ پوچھا کہ باوجود دس پشتوں سے نمک خوار ہونے کے اس کور نمکی کے کیا معنی ہیں؟ کوکب نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ کو عرصے سے ترقی کی امید تھی مگر نصیبے نے یاوری نہ کی اس لیے عالم یاس میں بد دل ہو کر فقیری لے لی۔ جہانگیر جو اپنے ملازم کا کسی دوسرے کی سرکار میں جانے کا روادار نہیں تھا، کوکب سے پوچھتا ہے کہ تو اس دوران میں عادل شاہ اور قطب شاہ کی سرکار میں ضرور گیا ہوگا؟ کوکب نے عرض کیا کہ جب میں نے دربار جہانگیری سے جو ایک بحر بے پایاں ہے، منہ موڑا تو ان چھوٹے چھوٹے چشموں پر کیا نظر ڈالتا۔ اور لعنت ہو اس شخص پر جو ایسی بڑی سرکار چھوڑ کر ادنیٰ ادنیٰ لوگوں کی نوکری تلاش کرتا پھرے۔ جہانگیر پر اس کی راست بیانی کا اثر ہوا مگر یقین نہیں آتا تھا؛ آخر کوکب نے عرض کی کہ جس دن سے میں نے شاہی ملازمت ترک کی ہے، اس دن سے لے کر آج تک کے روزانہ واقعات اپنے روزنامچے میں درج کر رکھے، ہیں اعلیٰ حضرت اس روزنامچے کو منگوا کر دیکھ سکتے ہیں۔ بادشاہ نے وہ بیاض منگوائی اور پڑھنا شروع کی۔ جہانگیر کہتا ہے کہ جب میں نے یہ روزنامچہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ کوکب نے اس سیر و سیاحت کے زمانے میں بہت تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ سفر کا اکثر حصہ پیادہ پا طے کیا ہے اور فاقے الگ کیے ہیں۔ میرا دل بہت کڑھا:

''مسودات او را طلبیدہ خواندم۔ معلوم شد کہ دریں سرگشتگی و غربت محنت و ریاضت بسیار کشیدہ و اکثر پیادہ گردیدہ و بقوت ناگزیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲) اپنی رونق کھو چکی ہے لیکن مغلیہ دور میں نہایت اہمیت کی حامل تھی اور دکن کے حجاج یہیں سے عازم حجاز ہوتے تھے۔ (مرتب)

عاجز گردیده۔ ازیں جہت خاطرم باو مہربان شد و روز دیگر به حضور طلبیده بند از دست و پایش فرمودم که بردارند و خلعت و اسپ و هزار روپیه خرجی عنایت شد و منصب او آنچه بود ده پانزده اضافه مرحمت نمودم و چندان اظهار لطف و عنایت فرمودم که هرگز در مخیلهٔ او نگذشته بود ۔'' (صفحه ۱۸ - ۲۱۹)

شاهجہانی عہد میں کوکب کا ذکر صرف ایک مرتبہ آتا ہے جب شاهجہاں اس کو دو سو اشرفیاں انعام میں دیتا ہے ۔ عبدالحمید لاهوری شاهجہاں نامے میں سال دوازدهم جلوسی (مطابق سنه ۱۰۴۸ ھ) کے واقعات میں لکھتا ہے :

''به کوکب ولد قمر خان دویست مہر انعام شد ۔''
(صفحه ۱۱۵ ، جلد دوم)

همیں کوکب کے ساتھ جو دل چسپی ہے وہ اس کے هندی اشعار کی بنا پر ہے ۔ کوکب سنه ۱۰۳۵ھ میں ایک بیاض مرتب دیتا ہے جس کا نام اس نے 'مجمع المضامین' رکھا ہے ۔ دیباچهٔ کتاب میں وہ تورک جہانگیری کے بیانات کی مانند کرتا ہے ۔ کہتا ہے کہ جذبهٔ شوق اور مرشد کامل کی تلاش میں ترک خانماں کرکے میں برهان پور سے رخصت هوا اور تمام دکن میں گھومتا رہا ۔ ایسے ایسے مقامات میں پہنچا جہاں مسافروں کا گزر نہیں هو سکتا تھا ۔ اس کے الفاظ هیں :

''از روی جذبه و شوق بے جہتی از بلدهٔ برهان پور به جانب دکن ترک خان و مان و علائق و عوائق نموده در لباس فقر در آمد و فقیری اختیار نموده برآمد بدین امید که بدان رهنمون یار بار ملاقات میسر گردد چرا که بے صحبت پیر حق بین سر ازیں بادیهٔ هایل بدر بردن ممکن نه بود و مدت ها بے سروپا می گشت و اکثر آن دیار را که بداعتا از مسافران کم عبور نموده اند طے کرده ۔''

جس جس شہر میں وہ پہنچا ہے وهاں کے باشندوں کے رسم و رواج ، لباس و پوشاک اور دیگر اوضاع و حالات کو روزمرہ اپنے روز نامچے میں درج کر لیا کرتا تھا ؛ چناں چه یه روزنامچه اعلیٰ حضرت

نور الدین جہانگیر بادشاہ کی نظر کیمیا اثر سے گزر چکا ہے - کہتا ہے :

''به هر شهرے و مقامے که میرسید چگونگی احوال محنت آمیز خود را و طرز و سلوک و اوضاع و خوراک و پوشاک مقیان آن ملک را روزمره می‌نوشت چنان چه آن احوال به نظر کیمیا اثر فلک مرتبت خورشید ضمیر نور الدین جهانگیر بادشاه خلد الله ملکه ابداً در آمد ۔''

مجمع المضامین کے پہلے حصے میں مرتب نے ایک سو مختلف شعراء کی مثنویات و دواوین سے انتخابی اشعار دیے ہیں - مثنویوں میں اکثر صوفی شعراء کا کلام نظر آتا ہے - دوسرے حصے میں اکبری و جہانگیری عہد کے خوانین و امراء کے اشعار ہیں - بعد میں فردیات ، رباعیات ، قصائد و قطعات ہجو و ہزل آتے ہیں - ان کے بعد کوکب وہ اشعار دیتا ہے جو اس نے بہ زبان ہندی لکھے ہیں - آخر میں نثر کا حصہ ہے جس میں کوکب نے اپنے سیاحت دکن کے چشم دید حالات قلم بند کیے ہیں - اس حصے کا نام 'سیر کوکب' رکھا ہے :

''و بعده اشعاریست که مؤلف این کتاب به زبان هندی گفته و بعد اشعار فارسی و هندی پارۂ نثر است که در حالت تفرید تجرید سیر بلاد روی داده و عجائبات آن دیار ازهر نوع و جنس درج نموده و آن تاریخ را سیر کوکب نام نهاده ۔''

پورے مجموعے کا نام 'مجمع المضامین' ہے جو جہانگیر کے نام پر معنون ہے اور ۱۰۳۵ھ میں مرتب ہوا ہے :

''و آن را مجمع المضامین نام نهاد - این کتاب بنام جهان دار جهان بخش جهانگیر پادشاه قضا قدرتے که از هیبت حکم نافذ او باز چنگل تعدی بر کبک نتواند کشاد و شیر با روباه تعرض نتواند نمود و رعایا از میامن احساس پهلوی رفاهیت بر بستر استراحت نهاده و لشکریان زبان دل به دعای ازدیاد عمر و دولتش کشاده ترتیب داده در سنه ثلاثین و خمس و الف بانصرام رسید ۔''

میرے پاس 'مجمع المضامین' کا جو نسخہ ہے وہ میرے محترم شیر علی صاحب سرخوش کا عطیہ ہے۔ بدقسمتی سے ناقص الطرفین ہے۔ شروع سے کم از کم ایک ورق غائب ہے۔ پہلے حصے کا اکثر حصہ موجود ہے لیکن دوسرا حصہ تمام کا تمام مع اشعار ہندی و سیرالکوکب جو اس بیاض کا نہایت دلچسپ حصہ ہے، بدقسمتی سے مفقود ہے۔ میرے لیے یہ افسوس کا مقام ہے کہ ہم کوکب کے ہندی اشعار سے محروم ہیں لیکن امید ہے کہ مستقبل میں کہیں نہ کہیں وہ اشعار ضرور دریافت ہوں گے۔ میں یہاں اس قدر اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ کوکب کے یہ اشعار اردو زبان میں ہیں، کیوں کہ اس کا اکثر زمانہ دکن میں صرف ہوا ہے، جہاں اردو شاعری ان ایام میں عام طور پر رائج تھی۔

خاکی : جہانگیر کے عہد میں ایک درویش ہیں؛ خاکی تخلص کرتے ہیں اور دہلی کے رہنے والے ہیں۔ میر حسن نے اپنے تذکرے میں ان کا یہ شعر نقل کیا ہے :

تنہائی ہے اپنے من میں اب تو یہی سریجن
مجھ تن کی تلی میں خاکی تو خاک ہونا

(صفحہ ۹۲، تذکرہ)

یہ بزرگ بظاہر دکن سے تعلق رکھتے ہیں۔

محمد افضل جھنجھانوی : یہاں محمد افضل کے متعلق بھی چند الفاظ لکھنے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے وطن اور شخصیت کے متعلق سخت اختلاف ہے۔ میرے پاس جو بیاض ہے اس میں انہیں جھنجھانوی لکھا ہے۔ قائم اپنے تذکرے میں ان کو پوربی کہتا ہے؛ لکھتا ہے :

"مردیست از سکان دیار مشرق و مثنوی بکٹ کہانی بر صفحۂ روزگار از وے یادگار است۔" (صفحہ ۳، مخزن نکات)

میر حسن فرماتے ہیں :

از قدیم است کدام ہندو بچہ گوپال نام بود کہ برو عاشق شدہ

حسب حال خود 'بارہ ماسہ' عرف 'بکٹ کہانی' گفتہ کہ اکثر کہتریاں و گاینان مشتاق او می باشند ۔'' (صفحہ ۳۱)

اسپرنگر نے ان کے زمانے کے متعلق لکھا ہے کہ افضل عبداللہ قطب شاہ سے جو ۱۰۳۵ھ میں تخت نشین ہوا ہے ، اقدم ہے (صفحہ ۶۲۶ ، فہرست اودھ لائبریری) قائم اور میر حسن بھی قدیم شعراء میں شمار کرتے ہیں ۔ انڈیا آفس کی فہرست کتب ہندوستانی میں ان کی بکٹ کہانی کو گوپال کی تصنیف مانا ہے (صفحہ ۸۸ ، ۱۶۹ و ۳۹ ، ۹۳/۹) لیکن قطبی کے 'بیرہ ماسے' سے جو ۱۱۴۳ھ کی تالیف ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ افضل اور گوپال ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور وہ نارنول کا رہنے والا ہے ۔ قطبی کہتا ہے :

اوسی افضل کہ جس کا ناؤں گوپال
کہا ہے نارنولی صاحب حال

'بکٹ کہانی' کے ایک شعر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص سے تعلق رکھتے ہیں ۔ وہ شعر یہ ہے :

بیاد دل ربا خوش حال می باش
کہے افضل کہے گوپال سی باش

یہ عقدہ کہ اس شخص کے دو نام کیوں ہیں ؟ جن میں ایک مسلمانی اور ایک ہندوانی ہے ، علی قلی خان والہ داغستانی کے بیانات کی روشنی میں حل ہو جاتا ہے ۔ والہ اپنے 'تذکرہ ریاض الشعرا' میں لکھتا ہے کہ محمد افضل پانی پتی ہے اور ہندی اور فارسی میں نہایت اعلیٰ شعر کہتا تھا ؛ ہر طبقے اور مذہب کے لوگوں میں مقبول و محبوب تھا ؛ طلبہ کثرت سے اس کے حلقۂ درس میں جایا کرتے تھے اور فیض یاب ہوتے تھے ۔ میں والہ کی اصل عبارت یہاں نقل کیے دیتا ہوں :

''مولانا محمد افضل پانی پتی بحلیۂ فضائل صوری و معنوی و کمالات ظاہری و باطنی محلیٰ و آراستہ و از چاشنی عشق و مشرب فقر پیراستہ شعر ہندوی و فارسی را بغایت خوب می گفت و عرایس اسرار معانی

آب دار در لباس نظم و نثر بجلوه گاه ظہور می آورد مقبول خاص و عام
بل مطبوع جمہور فرق انام بود و جمعے کثیر و جم غفیر در حلقۂ
درس او حاضر می گشتند و استفاضۂ انوار علوم از شعشعۂ خورشید ضمیر
منیرش می نمودند۔''

یکایک ان کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے اور مولانا
ایک ہندو عورت کے عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور درس و تدریس
کو خیر باد کہہ کر جادۂ سنت کوچۂ جاناں پر جاتے ہیں۔
اس زمانے میں انھوں نے نہایت درد ناک عاشقانہ غزلیں لکھی ہیں۔
جب اس عورت کے اعزا کو اس عشق کا حال معلوم ہوا، انھوں نے
اسے متھرا میں اپنے عزیزوں کے پاس بھیج دیا۔ میں اس قصے کو طول
دینا نہیں چاہتا؛ مختصر یہ ہے کہ مولانا متھرا پہنچے؛ وہاں اس عورت سے
عشق جتایا؛ اس نے انھیں ٹال دیا؛ آخر یاس کے عالم میں ہندو
بننے کی ٹھانی، داڑھی کو خیر باد کہا اور زنار گلے میں ڈالی اور
ایک بت خانے کے پجاری کے شاگرد بن گئے اور ہندی علوم سیکھنے لگے۔
آخر ایک دن وہ آیا جب یہ خود مندر کے پجاری بنا دیے گئے۔ سال میں
ایک خاص دن شہر کی عورتیں اس مندر میں پوجا کے لیے آتی تھیں؛
اس دن مولانا کی محبوبہ بھی مندر میں آئی اور ان کو پجاری کے بھیس
میں دیکھ کر ٹھٹک رہ گئی؛ اس کا دل موم ہو گیا اور کہنے لگی:
''آپ نے مجھ ناچیز کے لیے بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں؛ آج سے میں آپ کی
کنیز ہوں۔'' آخر کار وہ عورت مسلمان ہو کر مولانا کی اہلیہ بن گئی۔
مولانا ۱۰۳۵ھ میں انتقال کرتے ہیں۔

ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ مولانا نے گوپال اپنا نام اس وقت
رکھا ہے جب وہ ہندو بنے ہیں۔ اس طرح افضل اور گوپال ایک ہی
شخص کے دو نام ہو گئے۔

والہ اپنے تذکرے میں افضل کی 'بکٹ کہانی' کا ذکر نہیں
کرتا ہے۔ اس سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ 'بکٹ کہانی' والا افضل
اور والہ کا افضل ممکن ہے کہ دو مختلف شخص ہوں، مگر ہمیں یاد رہے

کہ والہ ، محمد افضل کا ذکر بحیثیت شاعر فارسی زبان کر رہا ہے اور اسے ان کے اردو کارنامے سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ والہ انہیں ہندی اور فارسی کا شاعر بیان کرتا ہے ۔ 'بکٹ کہانی' کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قائل فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتا ہے کیوں کہ 'بکٹ کہانی' میں بہ کثرت فارسی شعر اور مصرعے آئے ہیں ۔ ایک عام بات ان میں مبتلائے عشق ہونا ہے جو ایک بیان کی رو سے ایک ہندو لڑکے گوپال پر ہونا ہے ، دوسرے بیان کی رو سے ایک عورت پر ۔ لیکن گوپال کے ساتھ عشق کا قصہ غلط محض ہے ۔ اس کی تردید 'بکٹ کہانی' کے اس شعر سے ہو رہی ہے جس میں گوپال نام درج ہے ، کیوں کہ گوپال خود افضل کا دوسرا نام ہے ۔ افضل نے اپنا نام گوپال کیوں رکھا ؟ اس کی وجہ والہ کے بیانات کے سوا اور کہیں نہیں ملتی ۔ ان بعض امور پر نظر ڈالے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ افضل بانی پتی اور بکٹ کہانی کا مصنف ایک ہی شخص ہے ۔

افضل کے کلام کا نمونہ چوں کہ میں ''اورینٹل کالج میگزین'' اور ''پنجاب میں اردو'' میں دے چکا ہوں ، اس لیے یہاں اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں ۔

روشن ضمیر : شاہجہاں کے دور میں ہمیں ایک اور شخص روشن ضمیر نامی ملتا ہے جس کو خافی خاں ثانی امیر خسرو بیان کرتا ہے ۔ منتخب اللباب میں مرقوم ہے :

''روشن ضمیر کہ از روشن ضمیران صاحب کمال و مستعدان آن زمانہ گفتہ می شد و در نظم و نثر فارسی و اشعار ہندی سخن او بجائے رسیدہ بود کہ امیر خسرو ثانیش نواں گفت ۔''

(صفحہ ۵۰ ، جلد دوم)

جب عالمگیر ۱۰۶۹ھ میں شاہ شجاع کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے ، روشن ضمیر نے پیشگی اس جنگ کی مبارک باد فتح ذیل کی رباعی میں دی ہے اور جب بادشاہ جنگ کے لیے سوار ہو رہا تھا

اس وقت سنائی ہے :

اے حرز تو سورۂ تبارک بادا   پیوستہ ترا تاج مبارک بادا

جسم ز پے شگون مصحف تاریخ   دل گفت شود صحف مبارک بادا

عالمگیر کو یہ رباعی بہت پسند آئی اور پانچ ہزار روپیہ شاعر کو انعام میں مرحمت کیا ۔

ان سطور سے جو میں نے ان دو قسطوں میں سنائی ہیں ، آپ حضرات اندازہ کر سکتے ہیں کہ اردو زبان ، مغل دربار میں ابتدا ہی سے موجود ہے ۔ اس زبان کے سیکڑوں الفاظ مغلیہ مورخین نے اپنی فارسی تاریخوں میں استعمال کیے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان ان ایام میں اگرچہ تحریر میں نہیں آئی ہے ، لیکن مسلمانوں کے روزمرہ کی بول چال میں ملازموں ، گھر کی عورتوں ، مسافروں ، پیشہ وروں ، ہندوؤں اور غیر اقوام کے ساتھ برابر استعمال میں آ رہی ہے ۔ اردو کے تحریری نمونے جو اس عہد سے تعلق رکھتے ہیں ، آج دستیاب نہیں ہوئے اور نہ ان ایام میں اس زبان میں شعر و ادب پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ، البتہ کہا جاتا ہے بعض اہل قلم نے بہت کچھ لکھا ہے ۔ مثلاً بابر کا شعر ، حالی اور نوری کے ریختے ، سید مبارک اور علامہ سعد اللہ خاں کے فقرے اور سب سے آخر میں محمد افضل کی 'بکٹ کہانی' ہے جو ہمارے سامنے ان ایام کی اردو کے نمونے پیش کرتی ہے ۔ اس بکٹ کہانی کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد کی اردو پر برج کا اثر ہے ۔ یہ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ دسویں صدی ہجری کی ابتدا سے گیارھویں صدی ہجری کے وسط یعنی تقریباً ڈیڑھ سو سال تک دارالسلطنت دہلی سے آگرے میں منتقل ہو جاتا ہے جو شہر گوالیاری یا برج زبان کے علاقے میں واقع ہے ۔ یہاں برج نے اردو پر اپنا رنگ چڑھایا ہے ۔ ابوالفضل کی آئین اکبری اور جہانگیر کی توزک میں بعض موقعوں پر جو ہم دقیق ہندی کا اردو دیکھتے ہیں وہ زیادہ تر برج کے زیر اثر ہے ؛ مثلاً اکبر بادشاہ جامہ کا نام ''سرب گاتی'' ، لنگی کا ''پٹ گ'' ، برقع کا

''چیر گپ''، جوتے کا ''چرن دھرن'' اور عورتوں کے موباف کا نام
''کیس گہن'' رکھتا ہے ۔ اکبر کی یہ اپج چوں کہ اردو زبان کے
رجحان کے خلاف تھی معمول عام نہیں ہوئی ۔ ابوالفضل کے ہاں
بعض اور ایسے الفاظ ملتے ہیں جو برج کے لہجے میں مرقوم ہیں ؛ مثلاً
لہسورا ' بڈھل ' پاکر ' بجورہ ' سنگھارہ ' گڈھل ' چنڈہ اور بیرا '
جو اردو میں لہسوڑا ' بڑھل ' پاکڑ ' بجوڑا ' سگھاڑا ' گڑھل ' چیڑ '
اور بیڑا بولے جاتے ہیں - یہ یاد رہے کہ اردو کی 'ڑ' برج میں رائے مہملہ
یا دال ہندی سے بدل جاتی ہے ۔

علیٰ ھذا ہاتھیوں کے ناموں میں بھی اسی زبان کا اثر ہے ۔ اردو
میں ہاتھی کا لفظ آج بھی عام ہے اور جب بھی تھا ۔ بابر اور اس
کے پس رو ہاتھی لکھتے ہیں مگر اکبر اور جہانگیر کے دور میں
ہاتھی کے جو نام رکھے جاتے ہیں ، اکثر اوقات گج کی ترکیب کے
ساتھ لائے گئے ہیں ؛ مثلاً رتن گج ، فتح گج ، گجراج ، سنجی گج ،
سورت گج وغیرہ ۔ ان ناموں میں فارسی کا اثر بھی دیکھا جاتا ہے جو
اردو میں قدیم سے موجود ہے ، یعنی اسم فاعل ترکیبی کی طرز میں
مرکب نام رکھنا ، مثلاً بخت جیت ، فوج سنگار ، جگت جوت وغیرہ ۔
یہ ترکیب اردو میں آج بھی مستعمل ہے ، مثلاً چوہے مار ، دل پھینک ،
منہ پھٹ ، سمسنی حر وغیرہ ۔ جہانگیر ، آپ کو یاد ہوگا ' ایک مقام پر
'شیر مار' لکھ گیا ہے ۔ علاؤ الدین خلجی (متوفی ۷۱۵ھ) کے عہد میں
بھی یہ ترکیب رائج تھی ۔ اس کے دربار میں ایک امیر کا عرف
'ہرن مار' تھا ۔

دسویں صدی ھجری کے بعض جدید دریافت شدہ ریختے

(از 'اورینٹل کالج میگزین' بابت ماہ مئی ۱۹۳۹ء)

ریختہ سے ہماری مراد ایسا کلام منظوم ہے جس میں ملمع کی طرح فارسی اور ھندی کے الفاظ یا فقرے متحد ہو کر کسی خاص مقصد اور مفہوم کو ادا کریں ۔ ابتدائی دور کے ریختوں میں ھندی الفاظ کی آمیزش بہت کم ہوتی ہے بلکہ بعض میں تو پورے پورے شعر میں صرف ایک لفظ ھندی کا ملتا ہے جو بھی قافیے میں نمودار ہوتا ہے ۔ ایسی نظموں کی تحریک غالباً ہزل و ظرافت اور تفنن طبع کی خاطر شروع ہوتی ہے مگر وقت گزرنے پر یہی تحریک بڑے سنجیدہ اور اہم مقاصد کا مرکز بن جاتی ہے اور ہماری اردو شاعری کا تمام قصر اسی کی بنیاد پر تعمیر پاتا ہے ۔ اگر ریختہ کے بانی حضرت امیر خسرو مانے جائیں تو اس کی ابتدا ساتویں صدی ھجری کے ربع چہارم سے تسلیم کرنی ہو گی ، لیکن اگر یہ مانا جائے کہ امیر خسرو کے بعد یہ نظمیں رائج ہوئیں تو ہمیں ان کا زمانہ اس عہد سے دو صدی بعد یعنی نویں صدی کا ربع چہارم ماننا پڑے گا جو شیخ باجن اور شیخ جمالی کا زمانہ ہے اور جب بہلول اور سکندر لودھی حکمران تھے۔ دسویں صدی کے ریختہ کے نمونے بہت کم ملتے ہیں ۔

میرے کتب خانے میں فارسی کی ایک قدیم بیاض ہے جس کو جیمل تھار نے ۱۰۶۲ھ و ۱۰۶۷ھ میں مرتب کیا تھا ۔ بیاض میں متفرق

اشعار کے علاوہ بعض رسالے نثر کے بھی ہیں اور مطالب کی صراحت حسب ذیل ہے :

سب سے اول ایک ناقص رسالہ نثر میں آتا ہے جس میں موت اور قیامت کا ذکر ہے ۔ اس کے بعد ایک ورق ایک فقہی رسالے کا ہے جس کا نام راحت‌المومنین ہے اور میاں عبداللہ ملتانی کی تالیف ہے ۔ ممکن ہے کہ یہ ورق پہلے رسالے کا حصہ ہو ۔ اب ایک اور فقہی رسالہ ملتا ہے جو ناقص الطرفین ہے ۔ دونوں رسالے جدید الخط ہیں ۔

اب اصل بیاض جس کے اوراق میں تقدیم و تاخیر جلد ساز کے ہاتھوں عمل میں آئی ہے؛ شروع ہوتی ہے اور نا تمام معلوم ہوتی ہے جس میں متفرق ابیات کے علاوہ غزلیات و رباعیات و قصائد ملتے ہیں ۔ درمیان میں ایک تعبیر نامہ آ جاتا ہے ، آخری دو ورقوں پر نام و تاریخ درج ہے؛ پہلے ورق پر مرقوم ہے :

''بخط بندہ جیمل نہار بتاریخ ۲۳ شہر ذی‌الحجہ ۱۰۶۷ روز سہ شنبہ تحریر یافت ۔''

دوسرے ورق پر ہے :

''تم تم تمام شد بہ تاریخ بیست و چہارم شہر ذی‌الحجہ ۱۰۶۷ ۔''

اب ایک مثنوی آتی ہے جس میں درگا بھوانی کے میکھا سر کو مارنے کا قصہ درج ہے ۔ اس کی ابتدا ہے :

چہ گویم وصف صاحب جـان دھـندہ
کـہ پیدا سـاختہ از لطف بـندہ

آئندہ تین صفحے بہ‌خط مختلف ہیں جن میں نسب نامۂ میراں محی الدین ابن ابوموسیٰ صالح موسیٰ اور چند حرف از حکیم درویش امین آبادی مرید حضرت قطب‌الاقطاب شیخ فرید شکر گنج مرقوم ہیں ۔

اس کے بعد مناجات شیخ عبداللہ انصاری بہ خط جیمل ہے جس کا خاتمہ ہے :

''رسالہ عبداللہ انصاری بہ تاریخ پانزدھم شہر شعبان المعظم ۱۰۶۲ تمام شد ۔ عبدہ فقیر حقیر کثیرالتقصیر جیمل نہار ۔''

قصۂ 'حسن و دل' اس کے بعد آتا ہے؛ اس کا خاتمہ ہے :

''بہ تاریخ ہشتم شہر رمضان المبارک ۱۰۶۲ نسخۂ دلپذیر تمام شد ۔''

کاتب وهی جیمل ہے اگرچہ نام مذکور نہیں ۔

ملا دوپیارہ کا 'النامہ' اس کے بعد مرقوم ہے جو آخر سے نا تمام معلوم ہوتا ہے ۔

آخر میں نظام الدین احمد کی کتاب طبقات اکبری کا خلاصہ ہے جسے گوحرمل بن منوهرداس اوبرولیہ ساکن اکبر آباد نے مرتب دیا ہے ۔ یہ خلاصہ شروع سے لے کر ۹۸۰ھ کے واقعات کے ذکر میں بغیر کسی خاتمے کے ختم ہوتا ہے اور اسی پر جیمل کی بیاض ختم ہو جاتی ہے ۔

بیاض کے بعض دل چسپ امور یہاں بیان کرتا ہوں ؛ سب سے پہلے مجھے ایک رباعی کا ذکر کرنا چاهئے جو بہ قول[1] مولانا محمد حسین آزاد ، میرزا سودا نے میرزا فاخر مکیں کی ہجو میں نواب آصف الدولہ کے اشارے سے فی البدیہ پڑھی تھی ۔ قصہ یوں ہے کہ قیام لکھنؤ کے زمانے میں میرزا سودا نے رسالہ 'عبرت الغافلین' لکھ کر میرزا فاخرمکیں کے ساتھ جو اس عہد کے مشہور و معروف شاعر اور استاد تھے ، مفت کی عداوت کھڑی کر لی تھی ۔ چناں چہ ایک روز فاخر مکیں کے شاگرد بلوہ کر کے سودا کے گھر چڑھ آئے ، ان کے پیٹ پر چھری رکھ دی اور کہا کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے وہ ساتھ لو اور چل کر استاد کے سامنے فیصلہ کر لو ۔ سودا کے لیے یہ مضمون بالکل نیا تھا ، سب باتیں بھول گئے ؛ چپکے سے اٹھے ، جرو ۔ان غلام کو دیا اور میانے میں بیٹھ ان کے ساتھ ہو لیے ؛ گرد وہ شیطانی لشکر تھا اور بیچ میں یہ ؛ جب چوک میں پہنچے تو هجوم نے انھیں بے عزت کرنا چاہا ؛ اتفاقاً ادھر سے سعادت علی خاں کی سواری آ نکلی ؛ مجمع دیکھ کر رک گئے اور حال دریافت کر کے سودا کو اپنے ساتھ هاتھی پر بٹھا کر لے گئے ؛ جا کر نواب آصف الدولہ کی خدمت میں ساری کیفیت بیان کی ۔ نواب سن کر بہت غصے ہوئے اور حکم دیا کہ مرزا فاخر کو جس حال میں ہو ، اسی حال میں

---

[1] ۔ صفحہ ۱۶۷ ، ۱۶۸ 'آب حیات' طبع لاهور ۱۹۵۷ء ۔ (مرتب)

حاضر کرو ، مگر سودا نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ جناب عالی ! ہم لوگوں کی لڑائی کاغذ قلم کے میدان میں آپ ہی فیصل ہو جاتی ہے ، حضور اس میں مداخلت نہ فرماویں ، غلام کی بدنامی ہے ۔ غرض میرزا بہ اعزاز تمام رخصت ہوئے ۔ دوسرے دن آصف‌الدولہ نے سر دربار میرزا فاخر کو بھی بلایا اور کہا کہ تمھاری طرف سے بہت نا زیبا حرکت ہوئی ؛ اگر شعر کے مرد میدان ہو تو اب رو برو سودا کی ہجو کہو ۔ میرزا فاخر نے کہا ''این از ما نمی آید'' آصف الدولہ نے کہا ''درست ! این از شما نمی آید این می آید کہ شیاطین خود را بر سر میرزا بے چارہ فرستادید ۔ از خانہ بہ‌بازارش کشیدند و می خواستند کہ آبرو یش بہ خاک ریزند ۔'' پھر سودا کی طرف اشارہ کیا ؛ یہاں کیا دیر تھی ، فی‌البدیہ یہ رباعی پڑھی :

سو فخر خراسانی و 'فا' ساقط ازو
گوہر بہ دہان داری و 'را' ساقط ازو
روزان و شبان ز حق تعالیٰ خواہم
مرکب دہدت خدا و 'با' ساقط ازو

میں اس رباعی کے متعلق اکثر سوچتا رہا کہ میرزا سودا نے فاخر کو فخر اور ان کی کشمیری یا دہلوی نسبت کو جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے ، خراسانی نسبت میں کیوں بدل دیا ۔ لیکن جیمل کی بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ رباعی ہذا قدیم ہے اور میرزا سودا سے تعلق نہیں رکھتی ؛ چناں چہ بیاض میں اس طرح درج ہے : رباعی

تو فخر خراسانی ف ساقت (کذا) ازو
گوہر بدہان داری ر ساقت ازو
مرکب ز خدا ہمیشہ (تو) می طلبی
مرکب دہدت خدای ب ساقت ازو

اگرچہ ہمیں معلوم نہیں کہ رباعی کا اصل مصنف کون ہے ، لیکن اس کو میرزا سودا کی بدیہہ گوئی کی مثال کے طور پر قبول نہیں

کیا جا سکتا ، کیوں کہ وہ ان سے ایک صدی پیشتر کی بیاض میں موجود ہے ۔

بیاض میں ایک شعر یہ بھی آتا ہے جو بعد کی بیاضوں میں امیر خسرو کی طرف منسوب ہے :

گفتم گہے در خانۂ مامون دو دانشم
گفتا کہ درین خانہ بلائیست ممانی

اس شعر میں مامون اور ممانی فارسی اور ہندی زبانوں میں مختلف معنی دیتے ہیں جس سے شعر کے دو مختلف مفہوم پیدا ہو جاتے ہیں ۔
ایک اور شعر یہ ہے :

چون موی میاں نتہ کر آف جاں ہے
ہر دیکھ جو درے دیکھ نہ کہو موی میاں ہے

اگرچہ شعر کا مطلب صاف ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ صنعت ایہام سے کام لیا گیا ہے ۔
ایک رباعی یہ ہے :

گریال کہ نوحہ می کند وقت گری
دانی سببش چیست ازین نوحہ گری
یعنے کہ گری گری شود عمر تو کم
پیمانۂ عمر پر شود بسا در نگری

'سیرالعارفین' کے مصنف شیخ جمالی کنبوہ (متوفی ۹۴۲ھ) سکندر لودھی و بابر و ہمایوں کے عہد کے شاعر ہیں ؛ ان کا یہ ریختہ "پنجاب میں اردو" میں درج ہے :

. . . . ہر دو نرا کتا ہے
مونیا ہی بر در سو ستا ہے
خوار شدم زار شدم لب گیا
در رہ عشق تو کمر نتا ہے

گــرچه بدم گفت رقیب کہن
اس کا کہا مت کرو یہ جھا ہے

گاہ نگفتی کہ جالی تــو بیتھ
تھم کرو کیا اپنا کرم پھتا ہے

جبمل کی بیاض میں جالی کا ایک اور ریختہ موجود ہے ، وھو ا ھذا :

آں پری رحسارہ چون شانہ بہ جوتی می کند
حان درار عاشقاں را عمر چھوٹی می کند

چسم را قصاب سازد خنجر از غمزہ زند
عشق ناراں را جدا بوتی ر بوتی می کند

حوں رند خنحر بہ جاىم خوں ر حاىم می چکد
همحو مرع بم بسمل لوٹ پوٹی می کند ٠

بر درب آیم رقیب گوبدم در خانہ نیست
ایں چنیں کم بخت با ما باب کھوٹی می کند

در رہ عشقب جالی گشتہ (چوں) زار و نزار
عاقبت از مفلسی در بہ انگوٹی می کند

معلوم ھوتا ہے کہ جالی کے عہد میں ریختہ گوئی کی بنیاد پڑ چکی ہے ؛ چناں چہ شیخ بہاؤالدین باجن (متوفی ۹۱۲ھ) کے ہاں ریختہ ابتدائی شکل میں ملتا ہے :

یــہ صــوفی ســرّ الٰہــی ایــں مرتــبہ دارد شــاھی
بــہ مظہــر عــین خــدائی دران مجلس کہ مظہر عین خدا باشد
آں جــا عین شین خدا باشد آں جــا بــارد رحــمت اللہ
آں جــا ســاقی رســول اللہ آں جا ھمہ اللہ باشد نہ غیر اللہ

یہ سرود باجن کے ہاں ریختہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے ، جس کے ہر جزو یا مصرع کا وزن جدا ہے ۔

اکبر کے عہد میں ہمیں ریختہ کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ملا نوری اعظم پوری کا یہ شعر قائم نے ''مخزن نکات'' میں دیا ہے :

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد
بے چارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

میں سعدی کے ریختہ سے جس کی بہ سبب کثرت شہرت یہاں درج کیے جانے کی ضرورت نہیں ، قطع نظر کر کے ایک فارسی گو شاعر بیرام سقا بخاری یا ماوراءالنہری کا ذکر کرنا ہوں جو اپنے وطن سے ہندوستان آیا ہے۔ 'تذکرۂ روز روشن' میں مرقوم ہے کہ اکبر اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ جب اس کا مرشد زادہ وارد ہندوستان ہوا ، اپنی ساری کمائی اس کی نذر کی اور خود فقیرانہ لباس اختیار کر کے مشک سنبھال لی اور فی سبیل اللہ پانی پلانے لگا۔ ترکی اور فارسی میں اس نے دیوان مرتب کیے تھے۔ ایک روز جذبے کے عالم میں انھیں دریا میں ڈال دیا اور سراندیپ کے ارادے سے چل کھڑا ہوا۔ راہ میں انتقال کیا۔ بہ قول قاضی اختر اس کا مزار بردوان (بنگالہ) میں موجود ہے۔ سقا کا دیوان اب بھی مل جاتا ہے۔ یہ ریختہ اسی دیوان سے ہے :

یار ہندو بچۂ قصد دلم دھرتی ہے
کوچہ نہیں جانوازین خستہ (کہ) کی کرتی ہے
چین بر ابرو زدہ برستہ کستارہ بہ میاں
چل چل ایدل منگر تو جہ کی او لرتی ہے
ہات مہندی لاتھا دست فرو بردہ بہ خون
کہ بسی کشتہ ز دستان غمس مرتی ہے
چشم او طرفہ غزالیست کہ در باغ جہاں
ہمہ ریحان و گل و سنبل تر چرتی ہے
بت من سرو سہی سرم ندارد ز قدش
خویشتن را بچہ رو این ہمہ او برتی ہے

آنکھ مردم کس او دم به دم از خون جگر
قدح چشم مرا ار غم حود بھری ھے
چپ کر اے دل شده سقا ز غم یار منال
گر حما رفت به جاں نو مسیاں کرتی ھے

(صفحه ۱۸۳ ، مخطوطه)

میاں مصطفیٰ ایک گجراتی بزرگ ھیں جو دائره ، کھنڈیله (راجپوتانه) کے مہدویوں کے پیشوا ھیں ؛ ۹۸۳ھ میں انتقال کرتے ھیں ۔ اکبر کے دربار میں ان سے مذھبی مناظرے ھوئے ھیں ۔ ان کے فارسی مکتوبات حو نوے خطوں کا مجموعه ھیں ، بہت مشہور ھیں ، چوھترویں (۷۴) مکتوب میں یه ریختہ ملتا ھے :

عجب این فضل حدا شد که یار وابستۀ ماشد
دلش از قید رقیبان بهمه وجه جدا شد
ناگہاں بر درم آمد که بباشیم همیں جا
جانم از غایت شادی ز پئے رقص بپا شد
جم جم شادیاں روزی سہیلا ساز واری گاؤ
نب نب خوبیاں ادکیاں خوشی کے تھال بھراؤ
پسر نارک شیرین ایسا کن مائی جایا
نتکے شوحکے خودیں سو مرے منسرے بھایا
نگه آھسته بتمکین سو کہو کنہیں ڈیٹھا
یار کے موزون دل چیں سو گھروں چل کر آیا
جم حم شادیاں روزی سہیلا سار واری گاؤ
نب نب خوبیاں ادکیاں خوشی کے تھال بھراؤ
ایکه آں حاسد بدحو تلیں نل منجسوں لڑتا[1]
ز سر کینه بھر کو سو بولوں بولوں اڑتا

---

۱ ۔ اصل تحریر مں 'ڑ' کی شکل 'ڕ' ملتی ھے ، اسی طرح 'ڈ' کو 'ڊ' اور 'ٹ' و 'ٹھ' کو بالترتیب 'ٺ' و 'ٺھ' یعنی چار نقطوں کے ساتھ لکھا گیا ھے ۔ (مرتب)

این دم از هرزۂ هرسو سو حجل هو رہا بارے
سویم آن دلبر حوشرو جو آیا هنس هنس پڑتا

جم جم شادیاں روری سہلا سار واری گاؤ
نب نب خوبیاں اد کساں حوشی کے تھال بھراؤ

روی آں مہوس ربا سو کدھیں دھی نہ بسرنا
جساں ز ھحر رح ریاس نسدن ڈسکی بھرتا

بگذشت آں همه سویں بھلا هو را مانہٹی
سوبسر شکسکے رعنا آئیسڑا لسٹکے کرتا

جم حم شادیاں روری سہلا سار واری گاؤ
ب ب حوبیاں اد کیاں حوشی کے تھال بھراؤ

مثنوی فیض عام میں حو ۱۱۴۴ھ کی تالیف ہے ، میاں مصطفیٰ کا ایک اور ریختہ منقول ہے ، حس میں اردو کا شعر ترجیع بند کے طور ہر چار چار فارسی مصرعوں کے بعد حسب بالا دھرایا گیا ہے۔ چناں چہ :

اس لٹکے اوپر واری رے — اس غمزے کے بلہاری رے
دل برد بیک رفتار کہ خوس — دیں برد بیک گفتار کہ خوش
نساگاہ مساع هوس و حرد — وابستہ بداں دستار کہ حوش
اس لٹکے اوپر واری رے — اس غمزے کے بلہاری رے
آمد سو من چوں ماهوشاں — بنشست دمی شاداں و خوشاں
دل حواست کہ مہانیس کند — برحاست همی شمشیر کشاں
اس لٹکے اوپر واری رے — اس عمزے کے بلہاری رے
گفتا کہ بیا ببا بوسہ رم — گفتم کہ فدایت جاں و تنم
نزدیک حو گشتم حندہ زناں — می گفت کہ حواهم پوست کنم
اس لٹکے اوپر واری رے — اس عمزے کے بلہاری رے

چشمیست کہ دل ار جای شود لعلیست کہ غم از سخ رود
گہ ار سر راھم دور کند گہ سگریزم دنسال رود
اس لٹکے اوپر واری رے اس غمزے کے بلہاری رے

خان صاحب قاضی فضل حق پروفسر گورنمنٹ کالج لاھور نے اگست ۱۹۳۱ء کے اورینٹل کالج میگزین میں میرے ایک مضمون (اردو مغلوں کے دربار میں) کی تنقید و جرح کی ھے جس سے مجھے کامل اتفاق نہیں مگر ان کی تحقیقات سے ایک کام کی بات یہ پیدا ھوئی کہ ھم کو عشقی خان کے ایک قصیدے کا پتا لگ گیا جس کے لیے میں ان کا ممنون ھوں -

عشقی خان اکبر کے عہد میں میر بخشی کے عہدے پر ممتاز تھا - یہ اسماعیل تاش پیر و مرشد اتراک کی اولاد میں سے ھے اور ۹۹۰ھ میں وفات پایا ھے - عشقی خان ایک قصیدے میں دنیا کے نشیب و فراز ، زر داری و بے زری ، خوش نصیبی و بدنصیبی کی وجہ سے جو بین فرق ایک انسان کی حالت میں پیدا ھو جاتا ھے ، ھمیں سمجھاتا ھے اور کہتا ھے کہ جس شخص کی جاگیر بحال ھے وہ دولت مندی کے لیے مشہور ھے - اس کی ھر بات اور ھر ادا دنیا کو مرغوب ھے - ادنیٰ و اعلیٰ اس کی صحبت کے مشتاق ھیں - وہ خاندان کا چشم و چراغ تسلیم ھوتا ھے - نوکر اس کی خدمت میں بچھے جاتے ھیں - دوست آشنا ''خان سلامت ! خان سلامت !'' کہتے ھوئے نہیں تھکتے - جب محل میں داخل ھوتا ھے ، بیویاں گرم جوشی کے ساتھ استقبال کرتی ھیں ؛ کوئی صدقہ لینے جاتی ھے ، کوئی نثار لاتی ھے - ترکی جورو اپنی ترکی میں اسے دعائیں دیتی ھے کہ خدا میاں کی عمر دراز کرے اور منصب برقرار رکھے - ادھر تاجیک بیوی بڑھتی ھے ؛ فارسی میں ، جو اس کی زبان ھے ، دعائیں دیتی ھوئی اس کے چہرے سے گرد پاک کرتی ھے - کہتی ھے میرے خان ! میری جان ! اور میری آنکھ کا تارا ! باھر سخت محنت کرکے آرام کے لیے تشریف لایا ھے - وہ بے تحاشا لونڈیوں کو پکارتی ھے : اری گلستان ! اری گل چبین اور گلنار !

او نرگس اور سوسن اور ہمیشہ ہمارا کم بختو کہاں مر گئیں ؛ آؤ آؤ اور جو حکم جان دیں بجا لاؤ ، جو چیز مانگیں حاضر کرو ۔ میں بھی ان کی خدمت میں ایستادہ ہوں ۔

اتنے میں ہندوستانی بیوی نمودار ہوتی ہے اور اردو میں یوں جوش آمدید کہتی ہے جس کو میں شاعر کے اپنے الفاظ میں بہ جنسہ عرض کرتا ہوں :

رن ہندی ز یک طرف گوید	ہوں[1] تری لونڈی ہوں مرا خوندگار
تم جو مجھ کوں پیار کرتے ہو	ہوں بھی (تو) کری ہوں تمہارہ پیار
اپنے کوٹھے پہ میں بچھاؤں پلنگ	اوس اوپر لیٹ جیو پاؤں پسار
بیچ ہور نٹ لونڈیاں جو گرد	جرمساں آس پاس تم بجکار[2]

اعمال اور جوش حالی کا نقشہ یوں کھینچ کر عجمی خان ادبار اور بد اعمالی کے ذکر میں مصروف ہو جاتا ہے ۔ نوکر چاکر منہ پھیر لیتے ہیں ؛ دوست بیگانے ہو جاتے ہیں ؛ ترکی بیوی اپنی ترکی میں اسے صلواتیں سنا رہی ہے ، تاجیک جورو اپنی زبان یعنی فارسی میں کوستی ہے کہ نامراد تونے میرے کپڑے اور زیور تک سب کچھ بیچ ڈالا اور اپنے ہاتھی گھوڑوں کے خرچ میں لے آیا ۔ میرے پاس پھوٹی کوڑی تک نہیں چھوڑی ، میں تیرے منہ پر تھوکتی ہوں ۔ مجھے طلاق دے ، میں نے اپنا حق مجھے بخشا ، میں دم بھر کے لیے بھی تیرے گھر میں رہنا نہیں چاہتی ۔ ادھر ہندوستانی بیوی اپنی ہندوستانی میں بہ الفاظ مصنف یوں طنز و تشنیع کرتی ہے :

رن ہندی ز یک طرف گوید	تیری ماں گولی تیرا باپ چمار
جھوٹھ تجھ نہیں بہت سنا مت بول	سچ ترا ہوں کہوں مرا مت مار

۱ ۔ بہ معنی 'میں' ، راجستھانی میں واحد متکلم کے لیے عام مستعمل ہے ۔ (مرتب)

۲ ۔ پنجابی میں عام ملتا ہے ۔ (مرتب)

تجھ تھیں مجھ کوں نہ روتی و پانی   تجھ تھیں مجھ کوں نہیں سواد و سنگار
اب نہ رھوں ترے خدا کی سوں   نکلوں گی تمھارے گھرتھیں باھر

یہ عورتیں اپنی اپنی قومی زبان میں گفتگو کرتی ھیں ؛ چناں چہ زن ھندی ، جیسا کہ ھم اوپر دیکھ چکے ھیں ، ھندی یا ھندوستانی میں بات کرتی ھے ۔

اب میں جیمل کی بیاض کی طرف رجوع کرتا ھوں ۔ اس میں ایک ریختہ فیضی کے نام پر دیا ھے ۔ معلوم نہیں یہ فیضی کون ھے ؟ اکبر کے عہد میں ھمیں دو فیضی ملتے ھیں ۔ پہلے شیخ اللہ داد سرھندی جو 'مدارالافاضل' کے مصنف ھیں ۔ دوسرے فیضی فیاضی برادر ابوالفضل ، اور ریختہ یہ ھے :

اے آنکہ ھست لعلت چوں آب زندگانی
ما تشنہ لب بمیرم اینک پلاؤ پانی
گفتی فسانہ گویم جاناں بہ جان و لیکن
تو سست من پریشان کیوں کر بنے کہانی
اے دل ز لعل جاناں کامم نگشت حاصل
زیرا کہ زر ندارم وہ بست[۱] ھے برانی[۲]
من درد مند عشقم بر من کنوں وفا کن
عمرم گذشت در غم نس جاگتے بہانی
بشنو تو فیضی از من بگذار روی جاناں
تو عاشقی و سادہ وہ ذات ھے سیانی

اب سے بیس برس قبل ایک قدیم بیاض میری نظر سے گزری تھی جس میں ابوالفضل اور فیضی کے ریختے درج تھے ، مگر اب وہ بیاض غائب ھے اور میں اس کی سراغ رسانی سے عاجز ھوں ۔

جیمل نے ایک ریختہ بہرم کا دیا ھے ؛ چناں چہ بہرم راست :

---

۱ ۔ بست : مال ، دولت ، جائیداد ۔ (مرتب) ۲ ۔ برانی : پرائی ۔ (مرتب)

دلا کن یاد آں ساعت دروں گور جب سوہ
عذاب سخت تر باشد کہ لوھو آنسواں روہ

نہ آعا خویس نے قریب نہ ساتھی باپ اورو بھائی
نزن فرزند کو بیلی دران تاریک تنہائی

بیاید جاسسان ناگہہ چو ملک الموت دربارت
جو ھیکا جیو کر سنچا[1] کند در یک زمان غارت

تہی رفتند آں مردم جھوں کے لاکھ بھے پالے
نہ با خود برد یک حیتل کہ ریتے[2] ھاتھ اٹھ چالے

دراں درگاہ ے رشوت نہ جانوں کیوں رہے بردا
بلیا آح حں سبھل گھنے[3] بجھتاھگے فردا

ھمیں دنیا کہ محبوب است گھنے ھم سار کے گھالے[4]
ندانسم کہ با آخر ہی بھر حجل مکھ کالے (کذا)

گماں دارم درین دنیا دو گز گھر باس اور ماٹی
پسارا دور کر چندین چو لقماں ماندہ رہ ٹاٹی

[کہ] بیرم ہمد جو ھوئے (ہو) صرف راہ او کیجے
ارے حو چھاڈ کر جاناں ھر این کھاے لے لیجے

جامی کے دو ریختے نقل ھوئے ھیں :

بے نام ار مراں ندام [کہ] کیا کروں
سرم ارس حیاب دلا کیا جیا کروں

---

۱ - سنچنا : جمع کرنا - (مرتب) ۲ - ریتا : خالی - (مرتب)
۳ - یعنی 'بہت' - راجستھانی کا عام لفظ ہے - اضلاع منٹگمری و ملتان کے ان حصوں میں جو راجستھان سے نزدیک ھیں ، پنجابی میں بھی شامل ھو گیا ہے - اردو میں بھی استعمال ھوتا رھا ہے ، گو اب متروک ہے - اس کی یادگار مشہور مثل 'دھودھا جیا ساجے گھنا' اب بھی موجود ہے - (مرتب) ۴ - ھندی مصدر گھالنا بہ معنی تباہ و برباد کرنا سے مشتق ہے - (مرتب)

هر گز نشد نصیب وصال تو یک نفس
چندانکہ گرد کوئیتو آیا کیا کروں

دل شد پیالہ وار پر از خون و تابکے
این بادہ را ز ساقی ھجران پیا کروں

خواھم ھزار پارہ کنم جان بکف نہم
ھر پارہ در خیال تو جانان دیا کروں

تا گوھر وصال تو گم شد بحر (ھجر) ؟
ھردم ھزار غوطہ کہ چون مرجیا کروں

گفتم کہ دین و دل شدہ در عشق دوست، گفت
جانی بیک پیالہ سرا اولیا کروں

دوسرا ریختہ یہ ہے :

بہ آن لطافت بہ آن طراوت اگر خرامان نگار آوے
کمان ابرو سہام مژگان میان جان و جگر لگاوے

ربود ھوشم بشوخ چشمی نگاہ شوخش بیک کرشمہ
چنانچہ۱ (کدا) شیرے میان بیشہ گرسنہ سوے شکار دھاوے

کبھے بگریم کبھے بنالم خدای داند کہ چیست حالم
کسے برحم کند بدردم بگوش جانان خبر سناوے

اگر برآید کشیدہ خنجر منم بہ پیشش نہادہ حنجر
بقتل تیغش رضاست مارا (ز) ھجر جانم خلاص پاوے

کسے مبادا باین غریبی کہ زار زارم ز بے نصیبی
ز بے نیازی بخویش راضی کبھو نہ مارا بخود بلاوے

مثال جانی ز بے زبانی غم نہانی مگوی باکس
شبی ببسم بہ پیس او کس مگر نہ لطفش [بلا] بہاوے (؟)

جانی کئی شخصوں کا تخلص ہے ؛ مثلاً جانی دوست محمد سبرواری یا

۱ - صحیح 'چنان کہ' ؟ (مرتب)

اسرائنی ، جانی صفاهانی ، جانی لکزی قزوینی جسے سلطان حسین میرزا قتل کرتا ہے ۔ جانی هروی مولانا جامی کا رشتہ دار ہے (از روز روشن صفحہ ۱۴۱) ایک جانی بخاری ہے جو همایوں کے امراء میں سے ہے ۔ اس کے غلام نے اس کو زہر دے دیا جس کے اثر سے ۹۸۵ھ میں وفات پائی ۔ مگر یہ جانی سب سے مختلف ہے ۔ جیمل نے جانی کی فارسی غزلیں اور مخمس بھی نقل کیے ہیں ۔

سیدن کا ایک ریختہ منقول ہے :

دیدم شبی آں ماہ را لاگوں سکھی پگ دھا یکے[1]
تا کہہ ر چشمم شد رواں جوں جوک چیک لایکے
دردا رسیدہ جاں بلب بس آمدہ حال عجب
میری نتھا پیو پاس سہ آگے کہے کو جایکے
بے صبر در جاں حزیں بے خواب در چشماں سر
وا درسکوں جوگی بھئی مکھ انگ بھسم چرھایکے
مفتون زلف آں پری در خلق عالم شد بری
نن نلملی پیو بن پڑی مرھوں سکھی بورایکے[2]
بے روی او جاں مرا تاب صبوری شد دلا
سیدن کدی ہیں پیو کہا بہا رھی سمجھایکے

سیدن فارسی تذکروں میں نہیں ملتا ، یہ نام یقیناً هندوستانی ہے ۔

ایک ریختہ فتح محمد کا مرقوم ہے ۔ معلوم نہیں یہ فتح محمد کون ہے جو اپنا پورا نام بہ طور تخلص لاتا ہے ۔ نام سے تو بظاہر پنجابی معلوم ہوتا ہے ، ریختہ یہ ہے :

اس کل[3] بھبھر میت نکوؤ آپ سوارتھ[4] سب دیکھے
دیہہ سنگ جم اکارتھ بہا جو ستا تو کت لیکھے

---

۱ ۔ هندی مصدر 'دھانا' بہ معنی دوڑنا ، جھپٹنا سے ہے جس کا حاصل مصدر دھاوا ہے ۔ (مرتب) ۲ ۔ بورانا : دیوانہ ہونا (مرتب)
۳ ۔ هندی کا اسم جمع ۔ بھیڑ ، گروہ ، مجمع ، خاندان ۔ (مرتب)
۴ ۔ مطلبی ، خودغرض ۔ (مرتب)

رھتے کچھ کر لیہ نا مورکھ ناتتر پچھتاوہ گا
آج وکالہ کل سر کر کے بھرنیہ چھن پاوہ گا

ماتا پتا نار سب ویندھب کل کنت ارو متاری
انھہ نھیں کاج نہ آوے کوؤ حو بھارںھ سر بیتاری

جھوٹھ دغا بازی بٹ ماری گھاٹ ںساسی مدھ پیتی
اب کاھے پچھتاون لاگا سب کیوں سوچ ںمن کیی

فتح محمد کیا سمجھاوہ نکھ سکھ ںو یوں آلودا
اپنا آپ سنوار دوانے اورن سوں کنا مقصودا

ایک ریختہ میں شاعر کا تخلص درج نہیں ، معلوم نہیں کس کا ہے ۔
وھو ھذا :

زلف ںہ حسم حوی کجھ ںو متا[1] کیا ہے
دائم قرار قتلم مل کے دوھوں دیا ہے

پروائے حوض کوثر ہرگز بدل نبارد
از کاسۂ محبت جن ہیم رس پیا ہے

قصاب وار چشمت دشنہ نمود مژگان
دل پارہ پارہ کردہ سبھ بانٹ کے دیا ہے

جانم توئی و بے ںو زندہ چگونہ مانم
تجھ بن کیسیں جیونگا جیو بن کوئی جیا ہے

امیر خسرو کی ایک ریختہ غزل ”ز حال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں“ نہایت مشہور ہے ؛ جیمل کے ہاں یہ ریختہ بھی مرقوم ہے مگر وہ خسرو کی طرف منسوب نہیں بلکہ کسی جعفر کی طرف ۔ چناں چہ :

ز حال مسکین مکن تغافل دورای نیناں بنائے نتیاں
چو تاب ھجراں ندارم ایماں نلیہ و کاھی لگای چھتیاں

---

۱ ۔ متا : مشورہ ۔ (مرتب)

چــو درہ حیراں چو شمع سوزان بہ مہر آں ماہ گشتم آخــر
بہ نند نیناں نہ انگ چینا [ں] نہ آپ آوے نہ پوچھے بتیاں

یکا یک ار دل دو چشم شــوخ بصد فریبم ببرد سکیں
کسہ پڑی ہے جــو جا چلاوے پیاری بھیناں ہماری پتیاں

شباں ہجراں دراز زلفش بروز وصلہ نو عمر کوتہ (کذا)
سکھی پیاپہ سو کون پنتھوں تو کسے کاتوں یہ کاری رتیاں (کذا)

بہ مہر آں شوخ چرخ بہ مہر برد مارا شکیب جعفر
سپیت من مہ درای راکھوں جو دوہ پانؤں پراں کساں

لیکن یہ ریختہ جس کو جمل گیارھویں صدی ہجری کی روایت کے مطابق جعفر کی طرف منسوب کرتا ہے ، بعد کی صدیوں میں بالعموم حضرت امیر خسرو کے نام پر دیا جاتا ہے ۔ ہم یہاں بارھویں صدی کے بد کرہ نگاروں کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں ۔

پرتاب سنگھ اپنی حکومت راجے بن جوس حال رائے اپنی بیاض میں ، جو سنہ ۹ جلوس محمد شاہی میں نقل ہوئی ہے ، لکھتا ہے :

ریختہ حضرت امیر خسرو دہلوی

ز حال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جان نہ لیہ کاھی لگای چھتیاں

جو درہ حیراں جــو شمع سوزاں ز بہر آں ماہ گشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چینا [ں] نہ آپ آوے نہ بھیجے پتیاں

یکایک ار دل دو چشم جــادو بصد فریبم ببرد سکیں
کسہ پڑی ہے جــو جاچلاوے پیارے پیہ سوں ہماری پتیاں

شباں ہجراں دراز چوں زلف روز وصلم چو عمر کــوتہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

بہ حق آنروز وصل محشر کہ داد مارا فــریب خسرو
سمیپ من کے دواری راکھوں جو جان پانون پرای رکھیاں (کذا)

'نکات الشعرا' میں میر صاحب ، خسرو کے حالات میں اسی قدر کہتے ہیں :

''اشعار ریختہ آن بزرگ بسار دارد ، درین خود تردد ے نیست ۔''
(صفحہ ۲)

شفیق اورنگ آبادی 'چمنستان شعراء' میں رقم طراز ہیں :

''مشاطۂ طبعش اکثر بہ تزئین عروس غزل پرداختہ ، شرح کمالاتش اگر برطرازم نسخہ رنگین پیدا می شود ؛ لہذا موقوف داشتہ و بعجز خود اعتراف نمودہ این دو بیت سمتاً می طرازد :

شبان ہجران دراز چون زلف و روز وصلش چو عمر کوتہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

چو ذرہ حیران چو شمع سوزان بگشتم آخر بمہر مہرو
نہ نیند نیناں ، نہ انگ چیناں ، نہ آپ آوے نہ بھیجے پتیاں''
(صفحہ ۵۴۸)

میر حسن تذکرۂ ہندی میں تحریر فرماتے ہیں :

''این بیت اول تیمناً و تبرکاً از کلام معجز نظام حضرت امیر خسرو قدس اللہ سرہ ، ترقیم می نماید و احوال آن بزرگوار مشہور و معروف است ۔ ازوست :

ز حال مسکین مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
چو تاب ہجراں ندارم ایجاں نہ لیہو کاہی لگائے چھتیاں''

تیرھویں صدی میں متعدد اہل قلم اس روایت کو شہرت دیتے ہیں ۔ میں بہ خوف طوالت ان کے اقتباس دینے کی بجائے صرف ان کے اسماء پر قناعت کرتا ہوں :

میرقدرت اللہ قاسم 'مجموعۂ نغز' میں ؛ منشی کریم الدین 'طبقات الشعراء' میں ؛ اسپرنگر جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ میں (بابت ۱۸۵۲ء) ؛ جنم جیا 'نسخۂ دلکشا' میں (کلکتہ ۱۸۷۰ء) ؛ صفیر بلگرامی 'جلوۂ خضر' میں (صفحہ ۳۲) ؛ سری رام 'خمخانۂ جاوید' میں ؛ شیر علی خاں سرخوش 'اعجاز سخن' میں ، وغیرہ وغیرہ ۔

اب صورت حال یہ ہے کہ گزشتہ دو صدیوں سے تمام تذکرہ نگار بغیر کسی استثنا کے یہ ریختہ امیر خسرو کی ملک مانتے آئے ہیں ، ان کے مقابلے میں جیمل بہار صرف ایک تنہا شخص ہے جو اس کو ایک نا معلوم شخص جعفر کی طرف منسوب کرتا ہے ۔ بادی النظر میں یہی خیال گزرتا ہے کہ خسرو کے نام کی جگہ غلطی سے اس کے قلم سے جعفر مرقوم ہوا ہے ، مگر جب ہم غور کرتے ہیں تو معاً اس کے بیان کو غلط بھی نہیں کہہ سکتے ۔ اس غزل کو امیر خسرو کی طرف منسوب کرنے والی سب سے قدیم دستاویزی شہادت ، جہاں تک مجھے معلوم ہے ، رام پرشاد کی ہے جو سنہ ۹ جلوس محمد شاہی مطابق ۱۱۳۹ ھ سے تعلق رکھتی ہے ۔ لیکن اس تاریخ سے سو سال قبل جیمل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل مذکور جعفر کی ملک ہے ۔ دستور ہے کہ ایک دستاویز جس قدر زیادہ قدیم ہوتی ہے اسی قدر زیادہ قابل اعتبار ہوتی ہے ، لہذا ہم جیمل کی گواہی کو نا قابل اعتنا سمجھ کر نظرانداز نہیں کر سکتے ۔

ہمیں معلوم ہے کہ امیر کی ہندی نگاری کے متعلق ہمارے ہاں مبالغہ آمیز بیانات مشتہر ہیں ، حتیٰ کہ بعض یہ کہہ گزرے ہیں کہ جس قدر امیر نے فارسی میں لکھا ہے اس سے مضاعف ہندی میں لکھا ہے ۔ چنانچہ سراج الدین علی خان آرزو نے اپنے مشہور تذکرے 'مجمع النفائس' میں تحریر کیا ہے :

''اشعار فارسی او از صد ہزار زیادہ است و از دویست ہزار کم نیست در اقسام سخن و بزبان ہندی دو برابر آن ، و در موسیقی تصانیف نفیس دارد ۔ زبان ہندی و فارسی و ملمع و مرکب از لسانین کہ آن را ریختہ گویند ، ازو بسیار مرویست ۔''

خان آرزو اردو نگاروں میں ایک مصدر سند کا حکم رکھتے ہیں ؛ اسی بنا پر اردو کی بہت سی چیزیں بغیر کافی وجہ کے امیر کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں ۔ مثلاً 'خالق باری' تو ان کی تصنیف کہا جاتا ہے جو بعید از قیاس ہے ۔ اسی طرح مکرنیاں ، انمل ، پہیلیاں ، ڈھکوسلے ،

دو سخنے وغیرہ کی تصنیف ان کی طرف منسوب ہے ، حالاں کہ ان کا رواج زیادہ تر گیارھویں بارھویں صدی میں رہا ہے ۔ اس سلسلے میں خود امیر کا بیان بھی قابل لحاظ ہے ؛ 'غرۃالکمال' کے دیباچے میں فرماتے ہیں :

''جزوی چند نظم ہندوی نثر دوستاں کردہ شدہ ۔''

(صفحہ ٦٦ ، قیصریہ دہلی)

کہاں یہ بیان اور کہاں وہ بیان جس میں ان کے فارسی اشعار کی تعداد دو لاکھ سے کم اور ہندی اشعار کی تعداد ان سے بھی دوگنی بتائی گئی ہے ۔ نظم ہندوی سے امیر کی مراد دوھرہ قسم کے اشعار ہیں جن کا قدما میں بہت رواج تھا ۔

ہمیں اس ریختہ کے عروضی وزن پر بھی غور کرنا چاہیے۔ اس کی بحر متقارب فعول فعلن شانزدہ رکنی ہے ۔ جس میں قبض اور ثلم بالتواتر کام کر رہے ہیں ۔ اس لحاظ سے یہ وزن جدّید ہے ۔ سب سے قدیم مثال عروض سیفی میں خواجہ عصمت اللہ بخاری کی دی گئی ہے جنھوں نے متقارب شانزدہ رکنی میں لکھا ہے ۔ مثال میں یہ بیت دیا ہے :

رخی دو چشمت بخون مردم کشیدہ تیر و کشادہ خنجر
رخ چو ماہت صباح دولت خط سیاہت شب معنبر

یہ قصیدہ چوں کہ الغ بیگ مرزا ۸۵۰ھ(۱۴۴۷ء) و ۸۵۳ھ(۱۴۴۹ء) کی مدح میں لکھا گیا تھا ، اس لیے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فارسی میں اس شانزدہ رکنی وزن کا استعمال نویں صدی ہجری کے وسط میں شروع ہوتا ہے ؛ اگرچہ ہشت رکنی یعنی مثمن میں قدیم سے موجود ہے ۔ معاییرالعجم کی روایت ہے کہ ''رودکی دو بیت مقبوض اثلم گفتہ است و دراں سجع نگاہ داشتہ است :

گل بہاری بت تتاری نبید داری چرا نیاری
نبید روشن چو ابر بہمن بہ طرف گلشن چرا نیاری''

'تنقید الدرر' میں قضائی اسی بیان کی تائید و توثیق کرتا ہے ؛ وہ لکھتا ہے :

''در بعضی رسائل آورده که رودکی در وزن مقبوض اثلم غزلی مسجع گفته و این دو بیت ازانست :

گل بهاری بت تتاری الخ

و بعضے از متاخرین بنای مقبوض اثلم را بر شانزده رکن نهاده اند چناں که خواجه عصمت بخاری قصدۂ (در مدح) مرزا الغ بیگ دارد که مطلعش اینست :

رهی دو چشمت بخون مردم الخ ''

محقق طوسی اس وزن کو متقارب کی ذیل میں شمار نہیں کرتے بلکه فعول فعولن کے وزن پر مفاعلاتن ایک رکن ثمانی مانتے ہیں ۔ چناں چه کہتے ہیں .

''نادر بر لغت فارسی رکن ثمانی یافته می شود مؤلف از دو وتد و سببی بر وزن مفاعلاتن و شعری دیده ازین رکن چهار بار که عین آں شعر بر یاد ندارم اما بریں منوال بوده ، بیت :

اگر ندانی که بی تو چونم ‌ ‌ ‌ ‌ مرا دریں غم روا نداری''

(معیار الاشعار ، صفحه ۱۷ ، علوی سنه ۱۲٦۴)

محقق کے نزدیک یه مفاعلاتن مستفعلن مرفل ہے یا مفاعلن موقوص مرفل ۔

قدر بلگرامی اس کو مقبوض مخبون کہتے ہیں اور حافظ کا شعر نقل کرتے ہیں :

گرم بجوانی ورم برانی ‌ ‌ ‌ ‌ دل حزیں را بجای جانی

اور کہتے ہیں که : ''اکثر رسائل عروض میں اس کا نام مقبوض اثلم لکھا ہے اور صریح غلط ہے ، کیوں که ثلم در اصل خرم ہے اور وہ حشو و عروض و ضرب میں جائز نہیں ۔ محقق طوسی کے عہد میں یه وزن متقارب سے مستخرج ہی نہیں ہوا تھا ، اس سبب سے که قبض اس وقت تک به زبان فارسی مستعمل المتقارب نه تھا ، بلکه ثلم بھی

غیرمستعمل تھا ـ یہاں تک کہ اس کو صدر و ابتدا میں نہ بدوب لائے ہوے۔
فی المعیار :

''قدما ثلم در صدر یا ابتدا بہ‌نادر بکار داشتہ اند و استعمال محض در فارسی روا نیست بہیچ وجہ ـ''

یعنی اس کے بعد تحقیق کریں جب بھی روا نہیں ـ اس سے ثابت ہوا کہ اثرم بھی اس بحر میں غیر مستعمل تھا ، مگر متاخرین نے قبض کا استعمال بہ کثرت کیا ہے اور فی الحقیقت اس کا کوئی مقام خاص نہیں ـ ہم کو اختیار ہے جہاں چاہیں قبض لائیں ، کوئی چیز اس کی مانع نہیں ـ رہا ثلم و ثرم ، صدر و ابتدا میں بلا تکلف آ سکتا ہے ـ محقق نے آخر معیار میں ایک شعر اسی وزن پر یوں لکھا ہے :

اگر بدانی کہ بے تو چونم   مرا درین غم روا نہ داری

اور بہ سبب عدم استعمال محض اس کی تقطیع چار مفاعلاتن ثمانی سے سمجھ کر فرمایا ہے کہ :

''از مستفعلن مخبون مرفل برین وزن باشد و از متفاعلن موقوص مرفل ہم چنین ـ''

طرہ یہ کہ شعر مذکور نہ ایسے مستفعلن سے سمجھا جا سکتا ہے نہ ایسے متفاعلن سے کیوں کہ ترفیل کو وہ خود آخر بیت یعنی عروض و ضرب کے لیے مفاعلن یعنی بحر کامل میں خاص کرتے ہیں اور یہاں صدر و ابتدا بھی مرفل ہوا جاتا ہے ـ

صدر کا اعتراض بالکل درست ہے ـ ثلم خرم کی طرح ابتدای مصاریع میں آسکتا ہے ، نہ عروض و ضرب میں ـ تخبین کا بھی وہی عمل ہے جو ثلم کا مگر وہ صدر و ابتدا و حشو و عروض میں آ سکتا ہے ، اس لیے اس وزن کو اثلم کی بجائے مخبون کہنا زیادہ درست ہے ـ

خلاصہ اس تمام کا یہ ہے کہ ایک روایت کی رو سے جس میں صاحب 'معاییرالعجم' و 'تنقید الدرر' شامل ہیں ، رودکی نے اس وزن کے مربع میں لکھا ہے ـ مثال اوپر گزر چکی ـ محقق رکن ثمانی مفاعلاتن

سے تقطیع کرتے ھیں ۔ لیکن اس عقدے پر سب متفق ھیں کہ اس کے شانزدہ رکنی میں متاخرین میں سے صرف عصمت بخاری نے پہل کی ھے جو نویں صدی ھجری کے وسط میں طبع آزمائی کرتے ھیں ۔ اس سے ثابت ھوتا ھے کہ فعول فعلن شانزدہ رکنی یا مفاعلاتن مثمن ایک جدید وزن ھے جو امیر خسرو کے عہد سے سوا سو ڈیڑھ سو سال بعد رائج ھوا ۔ جب فارسی میں یہ وزن اس قدر دیر میں آیا تو امیر خسرو کے ھاں ریختہ میں کہاں سے آ جاتا اور ھمیں ماننا پڑتا ھے کہ امیر کے عہد میں یہ وزن مروج نہیں تھا ۔

اب صورت یہ ھے کہ محمد شاہ کے عہد سے تمام اردو نگار اس غزل کو امیر خسرو کی طرف منسوب کرتے ھیں لیکن گیارھویں صدی کے وسط کی ایک روایت اس کو جعفر کی یادگار بتاتی ھے ۔ اور فن عروض صاف طور پر اعلان کرتا ھے کہ مفاعلاتن مربع صورت میں قدیم مگر مثمن شکل میں امیر سے سوا صدی بعد رواج میں آتا ھے ۔ اس طرح اس غزل کا انتساب امیر کی طرف بہت کچھ مجروح ھو جاتا ھے ۔ لیکن ھمیں آخری فیصلہ دینے کے لیے مزید شہادت کا انتظار کرنا چاھیے ۔

بکٹ قصہ محمد افضل جھنجھانوی

(از 'اورینٹل کالج میگزین' بابت ماہ اگست ۱۹۲۶ء)

میرٹھ کے قریب جھنجھانہ یا جھنجھنہ ایک پرانی بستی ہے؛ مغلوں کے عہد میں ایک مردم خیز قصبہ تھا اور بعض مشہور بزرگ اس قصبے سے پیدا ہوئے ہیں ۔ شیخ صوفی داس مد جنھوں نے فنون ہندیہ سیکھ کر ان کے تراجم اکبر کے لیے فارسی زبان میں لکھے ، اسی بستی سے تعلق رکھتے ہیں ۔ شیخ عبدالرزاق جو ایک مشہور اہل اللہ ہیں ۔ اسی خاک سے اٹھے ہیں ۔ سطور ذیل کے موضوع محمد افضل بھی اسی خطے سے علاقہ رکھتے ہیں ۔

محمد افضل کے حالات سے ہم قطعاً تاریکی میں ہیں ؛ میر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں :

''محمد افضل ، افضل تخلص ، از قدیم است ، کدام ہندو بچہ گوپال نام بود کہ برو عاشق شدہ حسب حال خود 'بارہ ماسہ' عرف بکٹ کہانی گفتہ کہ اکثر کبھر یاں و گاینان مشتاق او می باشند نصفے فارسی و نصفے ہندی دارد لیکن قبولیت داد الٰہی است بردلہا اثر می کند ، از وست :

پڑی ہے کل میں میرے پیم پھانسی   مرن اپنا ہے اور لوگوں کی ہانسی
مسافر سے جنھوں نے دل لگایا   انھوں نے سب جنم روتے گنوایا
(تذکرۂ میر حسن ، صفحہ ۱۴ ، سلسلۂ انجمن ترقی اردو)

ان کے زمانے کے متعلق اسپرنگر نے اپنی فہرست میں محمد قائم چاند پوری کے تذکرے کے حوالے سے اسی قدر لکھا ہے کہ ''افضل

عبداللہ قطب شاہ سے پیشتر جو ۱۰۲۰ھ میں تخت نشین ہوتا ہے ، گزرے ہیں ۔ ان کی تعلیم معمولی درجے کی تھی ؛ صوفیانہ شعر کہتے تھے ۔ انھوں نے 'بکٹ کہانی' لکھی ہے جس کا ایک نسخہ انڈیا آفس میں موجود ہے ۔''

قائم نے افضل کا جو زمانہ دیا ہے اس میں بہ ظاہر ایک غلطی معلوم ہوتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ عبداللہ قطب شاہ درحقیقت ۱۰۳۵ھ میں تخت نشین ہوتا ہے ، ۱۰۲۰ھ میں جو محمد قطب شاہ کی تخت نشینی کا سال ہے ۔ اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ یا تو قائم نے محمد قطب شاہ کی بجائے عبداللہ قطب شاہ یا ۱۰۳۵ھ کی جگہ ۱۰۲۰ھ لکھ دیا ۔ یہ امر کہ قائم محمد افضل کے زمانے کو جو خود اس کے بیان کی رو سے ایک ہندوستانی شاعر ہے ، دکنی بادشاہ کے عہد کے ساتھ مضاف کر رہا ہے ، کسی قدر تعجب خیز ضرور ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام اذہان میں چوں کہ اردو شاعری کا تعلق دکن کے ساتھ وابستہ ہے ، اس لیے ہمارے تذکرہ نگار غیر دکنیوں کو بھی دکنی تصور کر لیا کرتے ہیں ۔ چناں چہ شیخ سعدی کو عام طور پر دکنی کہا گیا ہے ۔ میں اگرچہ اردو کے میدان میں دکن کی ادبی و تالیفی تحریکات کی اولیت کے دعوے کو تسلیم کرتا ہوں ، تاہم یہ بھی کہتا ہوں کہ اردو شاعری ہندوستان کے ہر صوبے میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود تھی : یہ اور بحث ہے کہ آیا وہ بھاشا کی متبع تھی یا فارسی کی ، مرد مخاطب ہوتا تھا یا عورت ، اوزان عربی تھے یا ہندی ، جذبات ہندی تھے یا فارسی ۔ لیکن ملک کے ہر صوبے میں اردو میں رسائل لکھے جانے کا رواج تھا ۔ غیر تعلیم یافتہ طبقوں میں یہ تالیفات مقبول تھیں ۔ مذہبی مسائل ، مذہبی قصے ، تصوف کے مسائل ، تعویذ گنڈے ، اوراد و وظائف بلکہ منتر جنتر تک اس میں موجود تھے ۔ لیکن آج یہ حصۂ ادب ہماری نظروں سے کیوں نہیں گزرتا ؟ اس کی سب سے بڑی وجہ ہماری وہی ناقابل معافی بے پروائی ہے جس کے اثر میں ہم نے اسلاف کے علمی و دماغی کارناموں کے ساتھ نہ صرف بے رحمانہ بلکہ مجرمانہ سلوک روا رکھا ہے ۔ شیکسپیر اور ملٹن ، گولڈ اسمتھ اور

ٹینی سن کی آندھیوں نے ہمیں اندھا کر دیا ہے ۔ ہم انگریزی ادیبوں اور شاعروں کے حالات سے بہت کچھ واقفیت رکھتے ہیں ، لیکن اگر واقف نہیں ہیں تو اپنے وطن کے باکمالوں سے ۔ انگریز اور انگریزی پرستی کی لہر ہم میں اس قدر دوڑ گئی ہے کہ ہم اپنے وطن کی ہر شے سے نہ صرف احتراز کرتے ہیں بلکہ نفرت کرنے لگے ہیں ۔ قصہ مختصر یہ ہماری غفلت ہے جس کی وجہ سے اس قسم کا اکثر ذخیرہ ضائع ہوگیا ہے اور جو کچھ باقی ہے وہ بھی عنقریب برباد ہو جائے گا ۔ اگر ہم ان چیزوں سے ناواقف ہیں تو یہ ہمارا اپنا قصور ہے ورنہ اس میں شک نہیں کہ یہ اشیا ضرور موجود ہیں ۔

محمد جیون عالم گیر کے عہد کے ایک بزرگ ہیں ۔ ان کا عرف محبوب عالم ہے اور جھجھر کے رہنے والے ہیں ۔ ان کی 'فقۂ ہندی' 'محشرنامہ' 'خواب نامہ' وغیرہ کا ذکر اسپرنگر نے اپنی فہرست میں کیا ہے ۔ یہ ہندی اوزان میں لکھتے تھے ۔ وزن معلوم کرنے کے لیے ان کی 'فقۂ ہندی' سے ایک شعر نقل کرتا ہوں :

فقہ ہندی کو مومناں آنو زبان پر یاد
مسلہ آوے دین کا مول نہووے فساد

محشر نامہ کا افتتاحیہ شعر ہے :

ربا میرا ایک توں ناہیں کوئی دوجا
تجھسا سائیں چھاڈ کر کس لاؤں پوجا

'مجمع المضامین' فارسی اشعار کی ایک بیاض ۱۰۳۵ھ میں جہانگیر کے لیے تیار کی گئی تھی ؛ اس کے مرتب کا تخلص کوکب ہے ۔ اس کے ساتھ نثر کا حصہ بھی تھا جس میں کوکب نے ان مقامات کے حالات بیان کیے ہیں جن کو خود انھوں نے بہ چشم خود دیکھا تھا اور اس حصے کا نام 'سیر کوکب' رکھا تھا ۔ کوکب فارسی اور اردو کے شاعر تھے ۔ انھوں نے 'مجمع المضامین' کے آخر میں اپنے ہندی اشعار بھی درج کیے ہیں ۔ بدقسمتی سے 'مجمع المضامین' کا جو نسخہ میرے

پاس ہے ، اگرچہ قدیم ہے لیکن آخر سے ناقص ہے اور ہندی اشعار موجود نہیں ہیں ۔

شاہ شرف الدین احمد یحیٰی منیری آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف بزرگ ہیں ۔ ان کے فارسی مکتوبات ہمارے ہاں ہمیشہ مقبول رہے ہیں ۔ ان کا 'کنج مندرہ' جو نصف عربی اور نصف اردو میں ہے آج بھی موجود ہے ۔ میں اس کا ایک دوہرہ یہاں نقل کر دیتا ہوں :

کالا ہنسا نرملا بسے سمندر تیر پنکھ پسارے بکھ ہری نرمل کری سریر
درد رہی نہ پیڑ

ذیل کا دوہا بھی شرف الدین منیری کا ہے :

شرف حرف مایل کہیں درد کچھو نہ بسائے
گرد جھویں دربار کے سو درد دور ہو جائے

اس قسم کی اور مثالیں بھی دی جا سکتی ہیں لیکن مجھ کو اندیشہ ہے کہ ایسا کرنے سے میں اپنے مضمون کے موضوع سے بھٹک جاؤں گا ۔

محمد افضل کی 'بکٹ کہانی'[۱] درحقیقت ایک بارہ ماسہ یا دوازدہ ماہہ ہے ۔ بلکہ میرے زیر نظر جو نسخہ ہے اس میں اس کو "دوازدہ ماہہ محمد افضل" لکھا ہے ، اگرچہ خود شاعر نے متن میں اس کو 'بکٹ قصہ' کے نام سے یاد کیا ہے ۔ یہ نسخہ میرے عزیز دوست پروفیسر شیخ سراج الدین ایم ۔ اے ، ایم ۔ او ۔ ایل ، پروفیسر انگریزی ، اسلامیہ کالج لاہور کی ملک ہے اور سنہ ۱۸۸۷ بکرمی کا نوشتہ ہے ۔ ہندی حروف کی تمیز کے لیے اس میں کوئی خاص علامات موجود نہیں ہیں ۔ اس نظم کی قائل ایک فراق دیدہ عورت ہے جو اپنے خاوند کی جدائی میں اپنی سکھیوں یعنی سہیلیوں سے خطاب کرکے اپنی بپتائی کی سرگزشت الم سناتی ہے اور جیسا کہ ہمارے ملک میں

---

۱ ۔ 'بکٹ کہانی' کا مطلب ہے قصۂ غم یا روداد الم ۔ بکٹ کے معنی 'سخت' 'ناقابل برداشت' 'غم ناک' 'دکھ بھرے' کے ہیں ۔
(مرتب)

بارہ ماسوں کا رواج ہے ، ہر ہندی ماہ کے عنوان کے نیچے اپنی داستان غم ایک دل گداز پیرائے میں دھراتی ہے ۔ فارسی ذوقیات کے اس نظم میں کافی آثار موجود ہیں ، لیکن بہ حیثیت مجموعی جذبات کے لحاظ سے بالکل ہندی ہے ۔ حتیٰ کہ ہندو تہواروں ہولی ، دوالی اور دسہرے کا ذکر ایک حسرت خمز طریق سے بیان ہوا ہے ۔ یہ کہانی یوسف زلیخائے جامی کے وزن (بحر ہزج مسدس محذوف) میں مثنوی کے طور پر لکھی گئی ہے جس سے ایک دو شعر بھی منقول ہیں ۔ اوزان اور قوافی کی کامل پابندی کی گئی ہے ۔ اس نظم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ 'جدائی' ، 'لائی' ، اور 'کہائی' ، 'گنوائی' وغیرہ الفاظ کو 'جداھی' ، 'لاھی' ، 'کہاھی' اور 'گنواھی' لکھا گیا ہے ۔ علیٰ ھذا 'بھئی' ، 'بھلایا' کو 'پھئی' اور 'پھولایا' لکھا ہے لیکن یہ خصوصیت زیادہ تر کاتب[1] سے علاقہ رکھتی ہے نہ شاعر سے ۔

اس کی زبان دکنی زبان سے مختلف ہے ، اگرچہ بہت کچھ مشابہ ہے ۔ لیکن ایسے غریب الفاظ سے پاک ہے جو دکنی مثنویات لیلیٰ مجنوں ، احمد قطب شاہی اور امین کی یوسف زلیخا میں ہماری نظر سے گزرے ہیں ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اردو زبان دکنی سے بہت پہلے منجھ کر صاف ہو چکی تھی ۔

اس نظم میں فارسی بندشیں اور ترکیبیں جا و بے جا باندھی گئی ہیں جن کو موجودہ مذاق کبھی گوارا نہیں کر سکتا ۔ ایک مصرع کی بندش آدھی فارسی میں ہے اور آدھی ہندی میں ، حتیٰ کہ افعال و ضمائر فارسی سے بھی بے تکلف کام لیا گیا ہے ۔ جب دو زبانیں ایک دوسرے کی طرف دست اتحاد بڑھانے کے لیے ساعی ہوتی ہیں تو قدرتاً یہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ یہ بات آج بھی ہمارے انگریزی خواں اصحاب میں موجود ہے ، اور پنجاب میں خصوصیت کے ساتھ اس کا لطف آتا ہے جہاں ایک جملہ اردو میں کہے جانے

---

۱ ۔ یہ یاد رہے کہ موجودہ نسخے کا کاتب پنجاب سے علاقہ رکھتا ہے ۔

کی نیب سے شروع ہوتا ہے ، درمیان میں ایک انگریزی بندش ٹھونس دی جاتی ہے اور پنجابی فعل پر ختم کیا جاتا ہے - یہ صورت بغیر کسی خاص کوشش یا تصنع کے پیدا ہو گئی ہے - اور عام طور پر اسکولوں ، کالجوں وغیرہ میں دیکھی جاتی ہے - پرانی ریختہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں فارسی جملے اور ترکیبیں بلا تکلف استعمال کی جاتی تھیں - اسی بنا پر میر تقی میر نے اپنے تذکرے میں ریختہ کی مختلف اقسام قرار دی ہیں - چناں چہ :

(۱) یہ ہے کہ ایک مصرع ہندی ہو اور ایک مصرع فارسی -

(۲) دوسری یہ ہے کہ اس کا نصف مصرع ہندی ہو اور نصف فارسی -

(۳) وہ ہے جس میں فارسی کے صرف حرف و فعل استعمال ہوں -

(۴) وہ ہے جس میں فارسی کی ترکیبیں لائی جائیں -

اگر یہ تقسیم اصلی ہے اور فرضی نہیں ہے تو میں نہیں جان سکتا کہ اس نظم کو ریختہ کی کون سی قسم میں شامل کیا جائے کیوں کہ وہ تمام اقسام پر محیط ہے - بعض مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں :

چہ سازم چوں کنم کس کن پکاروں
جتن کیا عشق کے غم کا بچاروں

دیگر

جنوں در ملک جاں جھنڈا گڈایا   سمجھ اور بوجھ کا تھانا اوٹھایا

دیگر

چو شد مدت پیا کے سنگ رہتے   مرم بایک دگر کہتے و سنتے

دیگر

چہ می بینم کہ منگل گاوتی ہیں   مرے گھر ناریاں سب آوتی ہیں

ضمائر متصلہ کی مثالیں مصرع :

کیا غم نے بجانم آھی ڈیرا

دیگر

نہیں جز وصل کا سو کھا نہالم

دیگر

کہو کیا اب مکانش ماگہہ لینا

دیگر

ملے آ کر چھٹے جانم حلن سوں

بلکہ فارسی کا اثر اس سے بھی زیادہ گہرا ہے، یعنی لفظ 'دھوم' ہندی ہے اس پر بہ قاعدۂ فارسی شین اضافہ کرکے حاصل بالمصدر ''دھومس'' بنا لیا گیا ہے -

مثال :

اٹھا کر گھر منس دھومس[۱] مچا ہی   متاع صبر سکیں دل لوتا ہی

گریرسن نے اس کے قریب ایک اور مثال دی ہے کہ ہندی 'ماں' اور عربی 'والدہ' کے اتحاد سے ایک نیا لفظ 'مالدہ' بہ معنی والدہ بنا لیا گیا ہے، اسی طرح فارسی وعربی الفاظ کو توڑا مروڑا گیا ہے - مثلاً 'دلداری' کو 'دلداوری' اور 'سہل' کو 'سہیلا' بنا لیا ہے -

اسما و افعال میں اکثر اوقات لام کو رائے مہملہ کے ساتھ بدل دیا ہے - مثلاً : جرنا=جلنا، جارا=جالا بہ معنی جلایا، (حسد کی آگ نے جارا مرا انگ) دکنی زبان میں جالنا رائج ہے - کاری=کالی، بادر=بادل، دواری=دیوالی، دیورے=دولے[۲]، بوری=باولی، هوری=هولی، جری=جلی، پھور=پھول، مارا=مالا، گر=گل=گلا -

ضمیریں

تیں، تو، تجھ، تہاری، تم، تمن، تمری، تمے، مں، مجھ،

۱ - اس قسم کی ایک اور مثال لفظ 'رهائش' ہے جو بہ قاعدۂ فارسی مصدر 'رهنا' کا حاصل مصدر بنا لیا گیا ہے اور پنجاب میں بالعموم استعمال هوتا ہے - ۲ - هندوؤں کا ایک تیوهار جو پھاگن کے مہینے میں هوتا ہے - (مرتب)

هم ، همں ، مجھہ پاج=تیرے بغیر ، لیا مجھ گھیر=مجھے گھیر لیا ۔ مجھ عمرسی کوں=میری عمرسی کو ۔

حروف جارہ و استفہام وغیرہ

سیتی=سے ، منیں=میں ، کہا=کیا ،

کب=کدھر (کہا کرئے کہو کب جائیے رے)،

کہوں=کہیں ، نیں=نے ، لک=تک ،

کانسوں کس سے ، ایتا=اتنا ، پاچھے=پیچھے ،

پا پاس ، نانہ=نا=نہ ، کو=کونی ،

نال ساتھ (پیا کے نال[1] سٹھی ساریاں رے)

کاہے کس لیے، احہوں=اب بھی ، کاھو=کاھے لو ۔

افعال

همن چلت هس=هم چلتے هیں ، لوياں حلت هس=لوئیں چلتی هیں ۔

آوتا هے=آتا هے ، شرماوتا هے=شرماتا هے ،

گاوی هیں=گاتی هیں ، آوتی هیں=آتی هیں ،

پوکارت دادرو=مینڈک پکارے هیں ، دوکھ بھرت هوں=دکھ بھرتا هوں ،

بن بن سرت هوں=جنگل جنگل تلاش کرتا هوں ، آون نکہا=آنا نکیا=نہیں آیا ،

لکھ ندینا=لکھ نہیں دیا ، میں کروں تھی=میں کرتی تھی ،

بہتی هوں=هوتی هوں ، لاگا=لگا ،

ڈنک لایا=ڈنک لگایا یعنی ڈنک مارا ، چڑا=چڑھا ،

بجا مارو نگارا=نقارہ بجا دو ، جھنکر چنکاڑا=جھینگر بولا ،

---

۱ - غالباً کاتب کا تصرف ہے کیوں کہ نال کا رواج صرف پنجاب کے ساتھ مخصوص ہے ۔

گاجے = گرجے ، دستا = دکھتا ،
لوکا کر = چھپا کر، میں ڈرتی پڑوں تھی = میں پڑی ڈرتی تھی ،
الکھ جگانا = خدا کے نام پر بھیک مانگنا ، ناوڑی = پہونچی ،
برجی نا رھی = منع کرنے پر نہ مانی ، سمجھائے کے = سمجھا کر ،
لا او = لاؤ ، جلا او = جلاؤ ،
گئی بال - جلا گئی ' چھاڈ = چھوڑ اور چھوڑ کر ،
ھنسن کھیلن - ھسنے کھیلنے کو ، دیوں = دوں
چھاڈو = چھوڑو ، آوو = آؤ ،
تم سو کھ کرت ھیں = تم آرام کرتے ہو ، پیا کی باٹ دیکھن = پیا کی باٹ دیکھنے کو ۔

اسماء وغیرہ

کاگد = کاغذ ، دھوئیں = دھونی ،
بیکھہ = لباس ، اندیشا (بانون غنہ) = اندیشہ ،
پہورن = پھنوار ، باٹ = راستہ ،
بیاکل = بکل ، نمانی = خستہ و عاجز ،
مرم = راز ، نس = رات ،
دیہہ = جسم ، بہمن = برھمن ،
ناد = بانسری ، دلداوری = دلداری ، (کہ سارد فکر کچھ دلداوری کا)
اپس = عبث ، سوھیلا = سہل ،
اسیوں کے = آنسوؤں کے ، تونگاں = جمع تنگ (لمبی اور سکڑی گردن کا برتن)
بالم ، سجن ، کنت = شوھر و معشوق ،
مندر = گھر ، اودو = سہیلی ،
دوتیاں = کٹنیاں اور شر انگیز عورتیں ، وس = بس ،
سونہہ = سوگند ۔
نفل ، عہد ، صبر اور زھر بہ تحریک دوم ، کرم بہ تسکین دوم ،

ماؤ = ماں (مجھے کاھو جنی تھی ماو میری)
جان اور دارو مذکر آئے ھیں ، اگن غم سوں = آتش غم سے -
ان مراتب کے بعد بکٹ کہانی ھدیۂ ناظرین کی جاتی ھے :

دوازدہ ماھہ محمد افضل

سنوں سکھیو بکٹ میری کہانی
بھئی[1] ھوں عشق کے غم سوں دیوانی
نہ مجکو سوکھ دن نا نیند راتا
برھوں کی آگ سوں سینہ جراتا
تمامی لوک مجھ بوری[2] کہیں ری
خرد گم کردہ و مجنوں کہیں ری
نہیں اس درد کا دارو کسی کن[3]
ہوئے حیران سبھی حکماء ذو فن
اری جس شخص کوں یہ دیولا کا
سیانا دیکھ اوس کوں دور بھاگا
اری یہ ناگ جس کوں ڈنک لادے
بتاوے کادرو[4] جیورا کو اوے
اری یہ عشق ھے یا کیا بلا ھے
کہ جس کی آگ میں سبھ جگ جلا ھے
کہ جس کے بیچ یہہ آس بری رہے
وھی دن رین سلگت ھے سریرے
وھی جانے کہ جس کے تن لگی ھے
برھوں کی آگ تن من میں دگی ھے
بوائیکی نہیں جس شخص کو پیر
جہ داند درد دے کر را اوے پیر
بھئی بوری[5] برھوں پیر اگ سبھی
جلے جیورا مرا تن آگ سیتی
چہ سازم چوں کنم کس کن پوکاروں
جتن کیا عشق کے غم کا بچاروں
نہیں یک دم مجھے دن رین میں چین
اندھیری ھو چلی رووت مری نین
جنوں در ملک جاں جھنڈا گڑایا
سمجھ ار بوجھ کا تھانا اوتھایا
اوتھا کر کہر منیں دھومس مچاھی
متاع صبر سکیں دل لوتاھی
کیا مجھ دستگیر آں شاہ بے داد
چہ سازم چوں کنم فریاد فریاد
پیالا حسن کی مے کا پلایا
کیا ہے خود مجھے مجھہ سوں پھولایا

---

۱ - بھئی ۲ - باولی ، ۳ - کن ، کنے : پاس (مرتب) ۴ - کادرو : گاڈرو : زھر کا تریاق - سانپ کاٹے کا منتر - (مرتب) ۵ - باولی -

کدا ہو کر پھروں کھر کھر و بازار   کبھو ہووے کہ پانوں بیکھہ[1] دیدار
ہب مدب کہی کرتے کداھی   پیا کے وصل کی سب بیکھہ[1] پاھی
پیا نے کر پکڑ کر سوں لگاھی   تمامی آک بن من کی بوجھائی
چو شد مدب پیا کے سنک رھتی   مرم با یکدکر سنتی و کہتی
جو حیلہ عسقی ہر مس اوتھایا   فلک دشمن مری پچھہ[2] لکایا
مرا سوکھ دیکھ اوسکوں حسرب آھی   نہادہ بر دلم داغ حدائی
بکب قصہ نبب مشکل کہانی   دیوانی کی سنوں سکہو کہانی
ملن پاچھی[3] بچھرناں بھی کٹھن ھی   کہو اب زندگی کا کیا جتن ھی

ساون

چـرا[4] ساون بجا مارو نکارا   سجن بن کوں ھی ساتھی ھمارا
کہتا کاری او چھاتی سون آھی   برھوں کی فوج پر کنی چراھی[5]
پپیہا پیہ پہہ نس دن پوکارا   پوکارب دادرو[6] جنکھر چنکارا
اری جب کوک کویل نیں سوناھی   تمامی بن بدن میں آک لاھی
اندھیری رین جکنوں جک مکاتا   اری جلی اوپر بس کیا جلانا
سونی جب مور کی آوار بن سوں   شکیب ار دل شدہ آرام بن سوں
بھئی جل تھل بھبا سر سبز عالم   نہیں جز وصل کا سوکا نہالم
ھندولی جھولتی سبہ نار پیہ سنک   حسد کی آک بی جارا مرا انک
چلا ساون دکر ساجن نہ آھی   اری کن سوکی تو نی چلا ھی

---

۱ - بھیک ، ۲ - پیچھے ، ۳ - چڑھا ، ۴ - نقارہ ۵ - چڑھائی
۶ - 'دادر' یا 'دادرو' مینڈک کو کہتے ھیں - اسی نسبت سے موسیقی کی ایک صنف کا نام 'دادرا' ھے ، جس میں بولوں کی ادائیگی خیال یا ٹھمری کے مقابلے میں تیزی سے ھوتی ھے یعنی مینڈک کے ٹرانے کے انداز میں - (مرتب)

بھادوں

سکھی بھادوں بپ بھوی بریری — تمامی تن بدن مرا جری ری
سیہ بادر چہاروں آور جہامس — لما مجھہ کہیر بہہ[۱] اجھوں نیا میں
بھورن پرنی لگی او راعد[۲] کرجا — تمامی بن بدن جوجاں لرجا[۳]
کہتا[۴] کاری کی اندر بیج جمکی — جری جیہورا اکن سوں دیہہ لرجی
اکیلی دیکھ نس کاری دراوی — تمامی رین دن برھوں ستاوی
پیا پردیس جا ھمکوں بسارا — بحانوں کیا کیہ دیکھا ھارا
کہتا عمکی اومد جہای سوں آھی — اری دو بین بین برکہا لکاھی
اری نسدن بتاؤ پوجہہ ھاری — جبر بہدا کی ناھی ھای ھاری
جری پوتہی بہس سبہ مر گئی ری — ہی کب کاک اودو تہک رھی ری
کہو پیہ کی جبر پوجھوں کسے جای — لکھوں پتیاں کسی دیوں ھای ری
ھای
خدا را ای صبا بس حال مرا — پیا کوں کہوہ[۵] کری تک ایک پیرا[۶]
دھل رحلت کا بھادوں بے بحایا — ابہوں لک ساورا پردیس چھایا

اسوج

سنوں سکھیو کہ رت آسوج آھی — پیاری کی خبر اب لک ناھی
کہو کیسی جیویں بہہ باجھ باری — جنہی ووتی کٹی ھی عمر ساری
لکھوں پتیاں ارے اے کاک لیجا — سلونی سانوری سدر پیا با
کیا کب جب پیارا بہہ آوی — توجہی دیکھی مہر کرکی بولاوی
سلام ار طرف ایں غم خوار کیجو — پکن کوں پرس پاتی ہاتھہ دیجو
اری یہ کاک باتیں سو کہہ نمانی — مرم دل دردمندوں کا نجانی
پیا بن سیج ری باکن پہی ری — ھسن کھیلن کی سب سودہ بودہ[۷]
کہی ری
دھسرا[۸] پوجنی کہر کہر سکھی — کرم میری نجانوں کیا پری ری
ری

---

۱ - پیہ ۲ - رعد ۳ - لرزا ۴ - گھٹا (مرتب) ۵ - کہو
۶ - پھیرا (مرتب) ۷ - سدھ بدھ - (مرتب) ۸ - دسہرہ -

اری سبزک پیا کے باغ جا کر
کہوای سنگدل تب مکھ دکھاوں
کہ گھر جا برھنی کوں گل لگاوو
کہ تیری برھوں سیں دن رین رووے

اپسکوں[1] سوفا سہتی لوکا کر
تیری مکھہ سے اکراک قول پا اون
پکر بہاں پلنگ اوپر بتہاوو
بغم سہہ جو سا تجھ باجھ کہووے

تم اوراں سیں بیاری سو کہہ کرت ھیں
دیا پردیس جا سوکن تہیں راج
توجہی ای سنگدل کسی پری جیں
اری ظالم نداری خوف رب کا
درا کر نوں ز آہ درد مندان
سکھی اس سوچ میں سہہ عمر جای
کہ ہووے جا کنے کوھی اس سجن سوں
سکھی آسوچ رب جلی رھی ری

ھمن سی برھنی سو دو کہہ بہرت ھیں
بھولا یا کہر نہیں تجھہ نین میں لاج
جری جب آہ سوں جل بہل دواوس
قیامت ھی کہری کر فکر تب کا
کہ می سورد ر آھس سنگ وسنداں
سہو سیں غم پیاری کا سنای
سی دل سوں کبہی دیکہی ھمن کوں
سا ین برھنی جلتی رھی ری

کاتک

کیا اسوج کاتک ماس آیا
کئی برسات اب بادر[2] کہٹی سبہہ
یہی مجھہ سیج پیہہ بن باکی ری
بہا جاندن پیا سنگ ناریاں کوں
دواری[3] جا رھی کہر کہر و بازار
کناری لگ رھی دیہہ بن اکیلی
اری اس درد میں سری[5] بہئی ری
سکھی یہ درد دو کہہ کاسوں کہوں جای

سلونی سیام کوں پردیس بھایا
نہیں جانوں کہ ساجن پھر ملی کب
ستاوی دوسری نس چاندنی ری
بہا سناں ھمن سی راریاں کوں
نئی کرار را کئی دیوری بال
بہی ھی زندگی مجھہ پر دوھیلی[4]
تمامی دیہہ برھوں نی دھی ری
نہ مکسی[6] جیو مرون بس کہای ری ھای

---

۱ - خودکو - ۲ - بادل - ۳ - دوالی چھا رھی - ۴ - دھیلی ، دھیلا : مشکل ، سخت - (مرتب) ۵ - سری : سڑی ، دیوانہ ، پاگل - (مرتب) - ۶ - نہ مکسی : ختم نہ ہو گا - آج بھی پنجابی میں بولا جاتا ہے - (مرتب)

کبھی سودہ بودھ نہیں ووری نہیں حن — دوکہا سر آہ سوں رووت کئی نن
اری ای حودسی تم سا اخ دولو — ملی مجھہ سوں ندیسی سیام کولو
نہیں پوتھی دیکھی ہر کوجہہ نپایا — اری میں نوجہہ دوبا دوکھہ بدھایا
پہی نوری نہ پوچھوں اب کسی کوں — نہیں دسا[1] کوئی مجھہ غم رسی کوں
کہا کرنی کہو کب جائی ری — لکھا اسی کرم کا پائیی ری
عیانوں نہ جدا کب لک رھی کا — نکس[2] جو کب نلک یہ دوکھہ سہی کا

سگھڑ

سکھی انکن ساون ماس آیا — سجن آئی نہ کاکب[3] ھی پہایا[4]
بہا موسم خنک سردی پہی ری — اجوں سوغم اکن نن موں رئی ری
پہروں نا کل نہیں مجھ جین یکدم — اوبھوں سوں حروں ماری[5] بر ھردم
پیا کی باٹ دس دن دیکھ ھاری — کئی نورای اکھیاں ر انتظاری
کہ دلکی وا کہ سہہ سوں جھوٹ کئی ری — سمھی سودہ بودہ ھماری لب کئی ری
نصیحت کب نلک مجہہ کوں کہو ری — مری پجھی نناحق مت پرو ری

---

۱ - یہ معنی دکھیا ، پنجاب کے ساتھ مخصوص نہیں ھے ، بلکہ قدیم اردو اور برج بھاکا میں بھی ملتا ھے ؛ راجستھانی میں آج بھی 'دوبا' اور 'دیسا' بولتے ھیں ۔

۲ - نکسنا : نکلنا ۔ جعفر بیگم کا مصرع :

جاں منہ سے باب نکسی پرائی ھو جاوے گی

اور میر سوز کا مطلع :

نہیں نکسے ھے مرے دل کی اپاھے گاھے
اے فلک پھر جدا رخصت آھے گاھے (مرتب)

۳ - کاکب : کاغذ ، مراد خط ۔ (مرتب) ۴ - پتھایا ، پٹھایا : بھیجا ۔ (مرتب) ۵ - کوٹھے پر ۔

اری محھہ چھاد اپنی کام لاکو
نہ ھم ہمری نہ ہم ھمری کہایو
نصحت کر محوی کاھی حلاو

دیوای دیکھ مجھ سوں دور ہاکو
اری سو کہہ آپنی کوں آک لاو
کرو کچھ فکر پیاری کوں ملا او

ہیں یوں دل مرے یوں آونا ھے
کروں کنتھا اری سب چیرپھاروں
دھوئیں داروں پیا کی دیس جا کر
الکھہ جا دلربا کی در جگاون
پیا بن ایکلی[۲] کیسی رھوں ری
سکہی یہ ماس یک لکھہ ماس ستا

یہی سبہہ عاشقاں کو بھاونا ھے
سبھی من پکھہ[۱] جو کنکا سواروں
ہزاراں ناد نالہ کی بجا کر
پیاری کی درسکی سکھہ پساون
غم اوپر غم کہو کسی سہوں ری
بدیسی سیام نی پھرا نہ کیما

پوہ

اکن دو کھہ دی کیا اب پوس آیا
پری پالا کری ہر تہر مری دیہہ
کریں عسرت پیا سنک ناریاں سب
پیا بن کوںلا حلبل پیا بن
ہیں اس ماس موں مجھہ جیو کی آس

پیاری نی مجھی دلسوں یہو لایا
سکھی کس بدکہری لاکا مرا بیہہ
سہیں کانپوں اکیلی ھائی یا رب
ہئی نس ماس مجھہ ھر سال شدون
کہو پیہہ کوں پکاروں جائے کس پاس

برھوں نی آھی چار آ اور کہھری
کیا غم نی بجام آھی دیرا
وکرنہ جاں ز بس چلتا رھے گا
اجی ملاں مبرا تک حال دیکھو
سنو سیانوں تمہیں نو سا[۳] کروری
تمہارا مجھ اوپر احسان ھوکا
سکھی میں پوچھ دیکھی سبھہ سیانی
چلا پوس ای سکھی لاھی دوھب ھاتھ

مجھی کاھی جنی ہی ماؤ میری
کہا مری کہو پیا پا سویرا
اکن غمسوں جکر جلتا رھے گا
پیارے کی ملن کی فال دیکھو
پیا کی وصل کی دعوت پھرو ری[۴]
کویا . . . جسو داں ھو کا
پہئی اس فکر سوں مجنوں دیوانی
نسوھی سیج پر دلدار کی ساتھ

---

۱ - بھیس - ۲ - یعنی اکیلی ؛ راجستھانی کا خاص انداز ھے - (مرتب)
۳ - ٹوٹکا -   ۴ - پڑھو رے -

ماکھ

هزاراں درد دوکھ دی پوس بیا
نمی دانم که یا من کیا کرے گا
اری اس ماس اسا مولاری
سکھی سبھه هی کہیں توری دیوانی
بھروں توری بروری درد دلدار
جو شب شد جنگ قامت کا سا اون
خیال او نسازم بس دیده
اری ظالم توجھے مہایا ندیسا
ایسا پردیس جا دل سک نکبحی
که دلدارا بحال من نظر کن
بہت مدت هو هی آون نکینا
کیا سبھه حوبداں هماب هماب
حو جانے نہا کرنکا سوفا هی
کبھی سو جانده[1] اب آو کہیر ری
جو ایسا چاہی تو مں نه اںحئی

کہو کتا اب مکاس ماکھ لیتا
بہن ایسا که ساهں سوں دریکا
مجھی غم کی اکس از نو لباری
سوں دن رین کی میری کہانی
مساں کوحه و صحرا و بازار
اری مں آسونکی ہار لاؤں
سرا نم درد جاں غم کشده
مجھی هی رین دن ترا اندیسا
بجز برهں کسی کو دوکھ ندیجی
سلیماں وار بر موری نظر کن
تکا کب هی کسیکوں لکھ ندینا
سوجھی یکدو ار مں آنکی باب
دری تہا کسوں همں سوں آشاهی
اری ظالم خدا کا خوف کر ری
کپٹ کر دوست پنچھی سوں
نکبحی (کدا)

سکھی دن یوں کنا سں[2] یوں بہائی
عہد کر کر کبھی اجھوں نناهی
دعا باری مسافر سوں نه کبحی
اری دهن بہاک ری دهں بہاک
ہماری

هماری بریت نمی کجھ بجانی
اری کس برسہنی بادس لکاهی
حو اپتا دوکھه غریباں کوں ندیجی
سدا همں پاس ری دلبر ہماری

تم اپنے لال سوں سبھه سو کبھه کرت
هو
اری تمکوں بہن کوحه فکر ترا
جہاں جاناں سی اوس دیس جا اون

همن کے کام موں دهیرج[3] دهرت
هو
مجھی جہادو کرو هوکسوں بکھرا
اری یه آک بں مں کی بوجھا اون

---

۱ - جانے دے - ۲ - رات یوں گزاری - (مرتب) ۳ - ڈھیل -

اگر غم ہی تمی میری اگن کا　　کرو کچھہ فکر پیاری کی ملن کا
سکھی پھٹ[1] ہی پیا بن زندگی ری　　کہی کو ہی پیاسوں نند کی ری

پھاگن

کیا جب مانکھہ پھاگن ماس آیا　　سکھی ہی ہی پیا اس رت نیایا
اری او دوستوں یہ دور مس سوں　　کہو نک جائے پردیسی سجن سوں
کہی برھن کہ پھاگن ماس آیا　　سبھوں نے روپ رنگا رنگ بنایا
چلی بن س سبھی آپی مندر سوں　　کہ کھیلی پھاگ جا آپنی سندر سوں
مرعفر حوری سبھہ نی رنگا ہی　　سہونی کہرمنی مانکاں بھرا ہی
بجسم سیاہ سرمہ سیاہ داری[2]　　تبسم کرلب ار دندان او کہاری
بدندان ہریکی مسی جا ہی　　کریں کیا کوجہہ نہیں ہوتی پرا ہی
عجائب بن رہا مکھ پر سیہ خال　　کلی بدھی پی درپائی خل خال
مرہ چوں سر وار ابر و کہاں کج　　ستادہ ہریکی با شان و با سج
نکھیاں کج خوبکی دو ناکن　　لٹکتی مکھ اوپر کجکاہ ساجن
اگر وہ ناک جس کوں ڈنک لاوی　　زہر اس کی قیامت لک نجاوی
اگر زاہد رود در کوہی ایشاں　　وگر سازد نگاہی سوی ایشاں
سی سبہہ ہرطرف بھوویں کی حکار　　دنگہی اپہرن پرن سوں سانھ سینگار
رود ہوشش شود سرمست سرشار　　نوری دسمیح نہد بر کتف زنار
سلونی ساوری اور سبز کوری　　سبھی کھیلی پیا آپنی سوں ہوری
پھری رنگانگی تو نکاں ہاتھ سبھہ کی　　ہتی پچکاریاں ہیں ہاتھ سبھہ کی
کو لال اندر بھرتی ہیں لعل نیاری　　بجاوی دف پیا کی ساتھ ساری
کہوں ڈھولک کہوں مردنگ باجی　　کہوں سر مندلا اور تور کاجی
پھریں جنگل ابیرونکی اوداویں　　کریں خوشحالیاں پھریں پھرا ویں
آپس موں دوھری غزلان سنا ویں　　عجائب ہوریاں گاویں کواویں
پڑی ہی دھوم کہنی موں نباوی　　حسد کی آگ میرا تن جلاوی
ولی میں ہی رہی مرچھای تم دن　　ہزاراں برس جای مجھ اوپر دن

---

۱ - پھٹ بہ معنی لعنت یا پھٹ بہ معنی جدا ، تنہا ، وامانده ؟ (مرتب)

۲ - ڈالے -

اری بالم تیری پایوں پروں ری
تیری باندی کی باندی هو رهوں
کی
کبھی کا سو کروںکی آو کہر ری
نمیدانم چه شد ار من خطا هئی
پیا مجھ بن نمانی هو رهی هوں
و کرنه جاں ز تن جلدا رهے گا
خدا کی سوںهه بزودی زود آوو
اری کہر آؤ حال میری تجھاوو
اری اودو کہاں تک دکھ دہوں
ری
تمیں تک کرم کر سمجھائی کہیو
که بیجاں هو رهی هی جا خبر لی
سکھی اودو کوں سبهه قصه سنایا
نمانی هوں کہو کیا جس کیجی
نقل مشہور هے ''جب وقت لوبی
ربعره[2] هجر سبهه دہی[3] جری ری

دل و جاں تجھ اوپر قرباں کروں ری
جو مجھ کوں کوجہه سہاویکا[1] سہوں
کی
مکھ اپناں تک مجھی دکھلاوای ری
که تا امروز تم اجھوں نیاهئی
نمانی چه دیوانی هو رهی هوں
عبس دوں . . . .
کرم کرکی کئی سوں گل لگاوو
کہا میری سنو اپنی سناوو
نہیں اورک مجہی کب لگ دکوں
ری
پکی پر سس دھر کر لای کہیو
مت اپنی دوں نمانی کا صبر لی
تپ سمجھایکی دوکہرا جبایا
اری اپنی کرم کوں دوس دیجی
پہنچی سبهه جویں احوال سب کہوبی''
نیاهی کنت کر هوری جری ری

چیت

سکھی ری چیت رت آهی نواهی[4]
بعالم پھولباں پھولواریاں ری
رهی هیں پھور پھولوں کی کئی لاک
سکھی یه رت مجھی ناکس دست هی
میری[5] کلموں پری پریم پھاسی
(کذا)

اجھوں امید میری بر نیاهی
کری سیراں پیا سنگ ناریاں ری
میری سینه جدائی کا لگا داغ
پھروں بوری نمانی جگ هست هی
پیا مرنا مجھی اوروں کی هانسی

---

۱ - سہنے کا متعدی هے - ۲ - غالباً 'بار هجر' مراد هے - (مرتب)
۳ - جسم - ۴ - گرم - ۵ - میر حسن نے اس شعر کو یوں لکھا هے :
پڑی هے گل میں میرے ہم پھانسی مرن اپنا هے اور لوگوں کی هانسی

اری میں عشق سوں درتی پروں تھی
نصیحت میں اپن سوں یوں کروں تھی

کہ پنچھی سوں لگن ھر کر نکیجئی
اری دلدی ھزاراں غم نہ لیجئی

کہ بس نسدن ھووی چلتا رھے کا
سدا غم سوں جگرا جلتا رھے کا

جنوں نی دل مسافر سوں لگایا
انھوں نے سبھ جنم روتی گوایا

اری یہ نیں برجی نا رھی ری
مجھی سنگی[1] پراھی بس برھی ری

پراھئی سنگ لی چلتی رھی ری
. . . . جلتی رھی ری

یہ بیں عالم صبا بھری خدا ری
پیا کوں جا سنا پاتی ھماری

کہ تجھ کوں لاج جگ کی کوچھ نیا ھی
کرت ھس دل سوں ھم سین بیوفا ھی

اگر باشد خطا ھم بخش لیجو
حسر میری سویرا آء دیجو

اری یہ جیب رب جلتی رھی ری
تمی بن برھنی جلتی۔ رھی ری

بیساکھ

سنوں بیساکھ ماس آیا سکھی ری
کرم میری نجانوں کیا لکھی ری

نہایت درد دوکھ ھم ناسمی[2] ری
غم ھجراں مجھی ھر دم دھی ری

اری احان[3] میں کھایا دغا ری
کہ تجھ سے سنگ دلکوں دلدیا ری

سجن اب آو کہر کی لاج کر ری
مروں ھوں در غمب تک لاوکر ری (کذا)

میری جیو کا بھروسا دم نہ کیجو
شتابی آیکی دیدار دیجو

کہاں ساون کہاں بھادوں کہاں ھی
ملو تک آی یہ فانی جہاں ھی

ھماری پیھ اجھوں کہر ناوری ری
اری کن دونیاں کی وس پریری

سکھی کیسی سکھی رھی پیھ نیایا
کویل نی انب پر چہر شور لایا

اری اس ماس سبھ عشرت کرینری
ھمن سی خوار سرگرداں پھریں ری

پیا انند سوکھ در جملہ عالم
پیا بن بر خدا معلوم حالم

میرا سوکھرا پیا کی سنگ کیاری
نم بے خواب خور پیرا پہاری

---

۱ ۔ سنگ لے کر ۔ ۲ ۔ ھم نے ۔ ۳ ۔ نادانستہ ۔

کہی کو او کہا میری سجن سوں ملی آکر چھوتی جام جلن سوں

جیٹھ

لوکاں اپنے جہے اب دھوپاں بریری همن جمراں سرکرداں پھریں ری
همن یوں آک غم کی موں جلت ہیں صمیمہ دوسرا لویاں چلت ہیں
بسایہ تحت اوپر ناریاں ری پیا کی نال بیٹھی ساریاں ری
علاوہ دوسرا جھرکاو کیجئی فراشی بادکس کی یاد لیجئی
جنہوں کی هیں سکھی اس رت سا نبہر انہوں کوں سردخانہ هیں میسر

ھاری پسانو پکی دھوپ بر سر پھروں ہوں دورتی پیٹھ ناچیہ در در
دوپہری تہنک میں کیا دوکہہ بھرت ہوں پیا کی جستجو بن بن سرتا ہوں

پھپولی سر اوپر جہالی پکوں سوں ہی اوھر جوھی ساری بدن سوں
اری اس لاکی بہسا جھکاھی پیاکی جستجو میں اب تہکاھی
اوتہں بیہن کی طاقت ناں رهی ری خابوں حال بن کب لک رهی ری
اری ای مرکت بری لیون بلاں بر حال ار یم پھری کو سال
سکہی ری حا کہی کو دلربا سوں سمکر بوفا سوں پر جفا سوں
تمامی درد بوکہہ اس باوریکہ که سارد فکر کجھہ دل داوریکہ
کہ یاراں ماس میں روی کواھی اری ظالم کہو تم کیوں نیاھی
تری غم نے بہت همکوں دھاھی سسکتا جیو لبوں پر آرہا ھی
غمت کر حال رتن باھر کریکہ دکھو یہ جون کس کی گل پریکہ
جو آہی عاقبت کی جمر حاھو رح حال بجس اپی کوں دکھا او
و الا اختیار سب بو داں نگیرم دامت را پیس یزداں

اسہار

سنوں اسہار ماس آیا سکہی ری کرم مری بجانوں کیا لکھی ری
سنوں ری ریں کی میری کہانی کمر کوں مور کر بیٹھی نمانی

---

۱ - پھرتی ہوں ۔

پیا کی چاہ نی علمہ کیاری — نئی سرسوں همکنوں دوکھہ دیاری
ز دیده اشک افشاندن گرفتم — حدیث دوست را خواندن گرفتم
ندیدم هیچکس را یار غم خوار — بجز حق خواستم رو وصل دلدار
علاج کس خدایا زود مارا — بکس گلرنگ روهی[1] زرد مارا
بجز درگاه تو دیگر پناهم — نبود و نیست سود بارگاهم
بمقصودم رسان با جان سلامت — برون آرم ز اندوه ملامت
جمال رحمت خود کن وصالم — برون آور ازین کنج ملالم

سکہی مس سو کہی اندر مناجات — گشاده شد همه ابواب حاجات
جه می بینم که منگل گاوتی هیں — میری کہر ناریاں سبهہ آوتی هیں
ندی دیوان موں هی شمع سوراں — نئی هی روشنی ساری مندر ماں
یکایک اکہہ میری کہولگئی ری — ندیکہا کوجہہ اوری حیران بیتہی ری
مہی تعبیر اس کی یوں سمائی — که آخر گشت ایام جدائی
سکہی یه بات سن شادی بہی ری — سنا کی بات دیکہن میں کہی ری
چه می بینم لنکا[2] آوتا هی — بحسن ماه را شرماوتا هی
بحمد الله رها جیو یار پایا — تمامی عمر کا دوکہرا بہولایا
چه خوش وقتی و خورم روزگاری — که یاری برخورد از وصل یاری
اری میں، دور کر پائیں[3] پری جای — بہائی پکر کر لئی گلی لای
بر افروزد چراغ آشنائی — رها هی بانه از داغ جدائی

. . . .

اری ای بوالهوس یه عشق باری — نمانوں چوپر و شطرنج ساری
اری آسان نمانوں عشق کرنا — بمن اس اک موں هرگز نسر نان[4]
هماری بات یوں هاسی نه جانوں — محبت خاله و ماسی نه جانوں
اگر سبهہ عیش عشرت کوں بحوری — پیا کا نام سب من موں بهجوری
والا کیوں بناحق دوکہہ بهرت هو — اپس[5] کیوں مرکب غم موں کیوں پرت هو

درین ره نیم دم آسودگی نیست — بجز اندوه و غم پالودگی نیست

۱- روئے - ۲ - جھومتا جھامتا - ۳ - پاؤں - ۴ - نه سڑنا ، نه جلنا -
۵ - عبث -

اری یہ عشق کا پینندا نکٹ ھی نپٹ مسکل ہے مشکل نت ھی
اری میں اولاً جانان سوھیلا مہاھی یک دم محبہ پر دوھیلا
تمامی روز شب جب سر دو کہایا عجائب صندلی ہے یار پایا
اگر بر دار باشی ھمچو منصور تماشی ار در دلدار مہجور
حموش افضل ازیں مشکل کہانی کسوں حد اس دوکہہ کی عجانی

بساد دلربا حوس جمال مماس
کبہی افضل کبہی کوپال مماس

پنجاب میں اردو کی سرگزشت کا ایک فراموش شدہ ورق

(از سالنامہ 'کارواں' بابت ۱۹۳۴ء مرتبہ مجید ملک)

بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں ہمارے اسلاف نے جو لٹریچر تیار کیا تھا ، اس کا ایک شعبہ کتب نصاب کے نام سے موسوم ہے۔ نصابی لٹریچر سے مراد ایسی منظوم مگر مختصر فرہنگیں ہیں ، جن میں ضروریات زندگی اور عام معلومات کے الفاظ اور معانی نوآموزوں کی تعلیم کی غرض سے آسان اور عام فہم زبان میں بیان کیے جاتے ہیں ، ان میں اختصار کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھا جاتا ہے۔ چناں چہ ایک نصاب کی طوالت بالعموم دو سو اشعار تک محدود ہوا کرتی ہے۔ بلکہ یہ دو سو کی تعداد ہے جس کی بنا پر اس لٹریچر کا نام بالآخر نصاب قرار پایا۔ فقہی اعتبار سے دو سو درہم وہ رقم ہے جس پر حول گزر جانے کی صورت میں زکواۃ لازم آیا کرتی ہے۔ چناں چہ یہ رقم 'نصاب' اور اس کا مالک 'صاحب نصاب' کہلاتا ہے۔ ابو نصر فراہی نے جو فارسی نصابی ادب کے ابوالبشر مانے جاتے ہیں ، اپنی مشہور عالم تصنیف 'نصاب الصبیان' کا نام اسی رعایت سے رکھا کیوں کہ اس کے اشعار کی تعداد فقہی نصاب کے مساوی ہے۔ ابو نصر کے مقلدوں نے بھی عام طور پر اپنے پیش رو کی سنت پر عمل جاری رکھا۔ چناں چہ اکثر ایسی تالیفات کا نام نصاب کے لفظ سے شروع ہونے لگا۔ مثلاً 'نصاب خسرو' ، 'نصاب بدیعی' ، 'نصاب ضیائی' ، 'نصاب کمال الدین'

'نصاب معلوب' و 'نصاب مبراب' وغیرہ ، حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس شاخ کا نام ہی نصاب ہو گیا ۔

'نصاب الصبیان' کی تکمیل کے بعد جس کا سال تالیف ۶۱۷ھ بیان کیا جاتا ہے ، نصابی لٹریچر نے بے حد ترقی کی ہے اور کئی نصاب ایسے ممالک میں جہاں عربی مدعای تحصیل اور فارسی ذریعۂ تعلیم رہی ہے ؛ بکثرت لکھی گئی ہیں ، لیکن یہاں ان کی تاریخ و تفصیل قلم بند کرنا مقصود نہیں ہے ۔ عہد مغلیہ سے پیش تر ہندوستان میں جہاں فارسی بھی عربی زبان کی طرح لسانی زبان رہی ہے ، یہ نصاب حسب رواج وقت فارسی میں لکھے جاتے تھے اور دیگر ممالک کے نصاب بھی شامل درس تھے ، لیکن عہد اکبری میں جدید تعلیمی نظام کے باعث عربی زبان سرکاری طور پر تعلیمات سے خارج کر دی گئی ؛ اس کی جگہ فارسی کو دے دی گئی ، یعنی فارسی کی تحصیل مقصد خاص مانی گئی ، اور میں سمجھتا ہوں (اگرچہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے) کہ یہ کسی ایسی زبردست تحریک کا اثر ہے کہ ہندوستان میں دیرینہ نصابوں کے علاوہ ایسے جدید نصاب تیار ہونے لگے جن میں فارسی کے ساتھ دیسی زبانوں کو بھی ذریعۂ تعلیم تسلیم کر لیا گیا ۔ ان جدید نصابوں میں سب سے اقدم نصاب 'مظوع الصبیان' ہے جو 'خالق باری' کے نام سے مشہور ہے اور جس کی تصنیف عام طور پر امیر خسرو دہلوی کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن بعض نقطۂ نظر سے یہ عقیدہ ناقابل قبول ہے ۔ خود اس نسخے میں جو قرائنی شہادت موجود ہے وہ ہمیں دسویں صدی ہجری سے آگے نہیں بڑھاتی ۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ 'خالق باری' اردو کا سب سے قدیم نصاب ہے جس سے ہم واقف ہیں ۔ علیٰ ہذا دیگر دیسی زبانوں کے نصابوں میں بھی اسے اولیت کا فخر حاصل ہے ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیسی زبانوں میں نصاب لکھے جانے کی تحریک تقریباً ایک ہی زمانے میں نمودار ہوتی ہے ۔ سب سے پہلے یہ نصاب اردو زبان میں شروع ہوئے ۔ اس کے بعد ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی زبانوں میں لکھے جانے لگے ۔ پنجاب نے اس تحریک کو

بے حد فروغ دیا اور ایسے نصاب جن میں ذریعۂ تعلیم پنجابی تھی ، کثرت کے ساتھ لکھے گئے ۔ ان میں سب سے قدیم 'واحد باری' ہے جو ۱۶۷۹ یا ۱۶۸۳ بکرمی میں جو ۱۰۳۰ و ۱۰۳۴ ہجری کے مطابق ہے ، تالیف ہوتی ہے ۔ واحد باری کے بعد ایک لمبا سلسلہ ان نصابوں کا چلتا ہے ، جن میں ایسے نصابوں کے نام جن تک میری رسائی ہوئی ہے ، حسب ذیل ہیں :

(۱) 'رازق باری' از اسماعیل ، تالیف ۱۰۷۱ھ (۲) 'رازق باری' از مصطفیٰ ۱۰۸۵ھ ، (۳) 'ایزد باری' از کھرمل ، ۱۱۰۵ھ (۴) 'اللہ باری' از امید ، ۱۱۹۶ھ (۵) 'ناصرباری' از مفتی شمس‌الدین ، ۱۲۰۸ھ (۶)'صنعت باری' از گنیش داس بڈھرہ قانون گوئی ، ۱۲۲۰ھ (۷) 'قادر باری' از مظفر ، ۱۲۲۳ھ (۸) 'واسع باری' از یکدل ، ۱۲۳۱ھ (۹)'رحمت باری' از مولوی رحمت اللہ ، ۱۲۳۲ھ ۔

(۱۰) 'فارسی نامہ' از عبدالرحمان قصوری (۱۱) 'نصاب ضروری' از خدا بخش (۱۲) 'اللہ باری' (دیگر) (۱۳) 'باد سہل' (۱۴) 'اعظم باری' (۱۵) 'صادق باری' (۱۶) 'فارسی نامہ' از شیخ محمد ، اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں جن کے زمانۂ تالیف سے ہم ناواقف ہیں ۔

بہر حال یہ فہرست ہے اس نصاب کی جو فارسی کے اکتساب کے خیال سے بہ زبان پنجابی تیار کیا گیا ہے ۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ میری فہرست مکمل نہیں ہے ۔ خدا وہ دن جلد لائے جب اہل وطن اسلاف کے ان بقیۃ الصالحات کی تلاش اور حفاظت کے واسطے کوئی جنبش کریں ۔

آمدم بر سر قصہ ؛ پنجابی زبان کے نصابی لٹریچر کا جائزہ لیتے وقت ہم ایک نہایت غیر متوقع صورت حال سے دو چار ہوتے ہیں ، اور وہ یہ ہے کہ جہاں بچوں کے لیے پنجابی زبان ذریعۂ تعلیم ہے وہاں اردو بھی یہی حیثیت رکھتی ہے ۔ ہم یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد کے بعد کے زمانے کا ذکر نہیں کر رہے ہیں بلکہ سکھا شاہی اور مغلیہ دور کا ۔ یہ امر موجودہ نسل کے لیے باعث حیرت ہو ، مگر مجھ کو اس صداقت

کے اظہار میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اور صوبوں سے قطع نظر اردو زبان پنجاب میں قدیم سے ملکی زبان مان لی گئی ہے ۔ ہمارے اسلاف کا رویہ اس مسئلے کے متعلق بالکل واضح اور قطعی تھا ۔ انھوں نے پنجاب میں پنجابی کے ساتھ اردو کو فراموش نہیں کیا تھا ۔ گویا پنجاب میں دو زبانیں ذریعۂ تعلیم بنی رہیں ۔ اس نقطۂ نظر سے انھوں نے ابتدا ہی سے بچوں کو دونوں زبانوں سے واقف کرنا ضروری سمجھا تھا اور ان کی تعلیم میں دونوں قسم کے نصاب شامل کر لیے تھے ۔ چناں چہ پنجابی زبان کے مشہور نصاب 'واحد باری' اور 'رازق باری' کے ساتھ ساتھ اردو کے نصاب 'خالق باری' اور 'حمد باری' بھی درس میں پڑھائے جاتے تھے ۔

'خالق باری' پنجاب میں بے حد مقبول رہی ہے اور مکتبوں میں کثرت کے ساتھ پڑھائی گئی ہے ۔ چناں چہ وارث شاہ بھی اپنی تالیف 'ہیر و رانجھا' میں اس کا ذکر کرتے ہیں :

اک نظم دے درس ہر کرن پڑھدے نام حق تے خالق باریاں نی
گلستاں ، بوستان نال بہار دانش ، طوطی نامہ تے رازق باریاں نی

ہیر رانجھا ۱۱۸۰ھ میں نظم ہوتی ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ خالق باری ، وارث شاہ کے عہد میں پنجاب کے مکاتب میں عام طور پر پڑھائی جا رہی ہے ۔ خالق باری کے متعدد نسخے نوشتہ پنجاب میری نظر سے گزرے ہیں جو سو ڈیڑھ سو سال پہلے کے نوشتہ ہیں ۔ اس صوبے میں 'خالق باری' کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ پنجاب کے نصابی لٹریچر پر اس کا بے حد اثر ہے ۔ اس کی تقلید میں نصاب لکھے جاتے ہیں ، بلکہ نام بھی اسی طرز کے اختیار کئے جاتے ہیں ۔ چناں چہ ذیل کی کتب کے نام بہ تقلید 'خالق باری' رکھے گئے ہیں :

(۱) 'واحد باری' (۲) 'رازق باری' (۳) 'ایزد باری' (۴) 'اللہ باری' (۵) 'ناصر باری' (۶) صنعت باری' (۷) 'قدر باری' (۸) 'واسع باری' (۹) 'رحمت باری' (۱۰) 'اعظم باری' (۱۱) 'صادق باری' (۱۲) 'اللہ باری' (دیگر) (۱۳) رازق باری' (دیگر) ۔

پنجابی زبان کے سب سے پہلے نصاب یعنی 'واحد باری' میں ایسے

آثار موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب 'خالق باری' کی ممنون ہے ، حتیٰ کہ 'خالق باری' کے مصرعے اور شعر تک اس میں داخل کر لیے گئے ہیں ۔ میں ایک دو مثالیں دیتا ہوں :

'خالق باری' :

آتس آگ آب ہے پانی   خاک دھول جو باد اوڑانی

'واحد باری' :

عمہ پھوپھی نتوعہ نانی   آتش آگ آب ہے پانی

'خالق باری' :

دیگ ہانڈی کفچہ ڈوئی بیخطا   تابہ کزگان است کڑاھی و توا

'واحد باری' :

دیگ ہانڈی کفچہ ڈوئی بیخط   تاب و کزغاں ہے کڑاھی جو توا

'خالق باری' :

چالنی غربال چاکی آسیا   دیگ داں چولھا و کندو کوٹھیا

'واحد باری' :

چھاننی غربال چکی آسیا   چھنی سرپوش چلھا دیگیا

خالق باری کے مخطوطات میں جو نوشتۂ پنجاب ہیں ، ایک امر اور دیکھا جاتا ہے ؛ وہ یہ ہے کہ اس کے ہندوستانی تلفظ کو پنجابی رنگ کے تلفظ میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب عرصۂ دراز تک اس صوبے میں داخل درس رہی ہے ۔

خالق باری کے بعد مجھے 'نصاب سہ زبان' عرف 'صمد باری' یا 'جان پچھان' کا ذکر کرنا چاہئے جو بہ زبان ہریانی لکھا گیا ہے ۔ یہ زبان بعض امور میں اردو سے کسی قدر مختلف ہے ورنہ دونوں ایک ہی ہیں ۔ بلکہ جن ایام میں یہ نصاب تالیف ہوا ہے اس وقت کی اردو اور ہریانی میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ عبدالواسع عہد عالمگیر کے بزرگ ہیں اور کئی تالیفات مثلاً 'شرح بوستاں' و 'شرح زلیخا' ، 'رسالۂ عبدالواسع' اور 'غرائب اللغات' کے مصنف ہیں ۔ ان کا نصاب پنجاب کے مکتبوں میں

بڑے شوق و ذوق کے ساتھ پڑھایا جاتا تھا ۔ اس نصاب کے متعدد نسخے نوشتۂ پنجاب میری نظر سے گزر چکے ہیں ۔ اور اس قدر مقبول ہے کہ پنجابی زبان کے مجموعۂ نصاب یعنی 'فارسی نامہ'، 'واحد باری' اور 'اللہ باری' کے ساتھ بیسیوں مرتبہ لاہور کے مطبعوں میں چھپ چکا ہے ۔

اردو زبان اس صوبے میں اس قدر مقبول رہی ہے کہ خود اہل پنجاب نے اس زبان میں نصاب تیار کئے ہیں ۔ ان میں سب سے قدیم مولوی اسحاق لاہوری کا ایک نصاب ہے جو بہ عہد شاہ جہان ۱۰۵۷ھ کے قریب تالیف ہوتا ہے ۔ مولوی اسحاق نے دو نصاب لکھے ہیں اور دونوں 'فرح الصبیان' کے نام سے موسوم ہیں ۔ ان رسالوں میں اگرچہ پنجابی زبان کا چھینٹا بعض موقعوں پر نظر آتا ہے، لیکن اردو الفاظ کی کثرت ہے، اور تشریحی زبان فارسی ہے ۔ میں بعض مثالیں دیتا ہوں :

جراح رگ زن آمد مجروح بداں سو گھائل
حق راستی تبختر در ہندوی است مائل

طاؤس مور رغنک کویل سیاہ کالی
جنب بھنٔ سرگ است داں نخل بد مالی

درگستواں پاکھر زریں بداں سونہری
شق پارہ موس ہراں در ہندوی گلہری

زاغ و کلاغ کویا گوسپند شاط بکری
چوں دیوچہ است اجی جوک عنکبوت مکڑی

خمیازہ فازہ باشد در ہندوی اوباسی
ہکہک فواق ہدکی ضحک است خندہ ہاسی

اشجار دان تو سجی خف موزہ موز کیلا
بعرہ چہ پشک میگن مدور کلوخ ڈھیلا

مسمار میخ آہن مہمہ سنان برچھی؟
کفگیر کفچہ ڈوئی چوں پنغطو اسب کرچھی؟

ذیل میں اسی تالیف سے بعض الفاظ درج کئے جاتے ہیں جن سے ناظرین اس کی زبان اور اردو و پنجابی الفاظ کا تناسب معلوم کر سکیں گے :

(۱) اٹی (۲) ایڑن (۳) چوری (چونری) (۴) مجیٹھ (۵) بھیڈا (مینڈھا) (۶) اٹکل (۷) ناد (ناقوس) (۸) گولا (۹) کولا (کوئلہ) (۱۰) انگیٹھی (۱۱) بجلی (۱۲) سونڈ (۱۳) منگنا (مانگنا) (۱۴) چھجا (۱۵) پکھا (پنکھا) (۱۶) کابجی (۱۷) پھٹکری (۱۸) ہولاں (ہولے) (۱۹) ستو (۲۰) دھوپ (۲۱) مچان (۲۲) چھکا (چھینکا) (۲۳) ٹیکا (۲۴) وگالی (جگالی) (۲۵) کنوار (۲۶) کالی کنگنی (۲۷) کوٹھی (۲۸) السی (۲۹) میتھی (۳۰) سرسوں (۳۱) ڈوئی (۳۲) ھنگ (ھینگ) (۳۳) سنگ (سینگ) (۳۴) جوار (۳۵) مسر (مسور) (۳۶) باڑی (۳۷) املی (۳۸) نالیر (ناریل) (۳۹) پنڈ (کھجور) (۴۰) سپاری (۴۱) اکھروٹ (اخروٹ) (۴۲) ھدکی (ھچکی) (۴۳) ڈیکار (ڈکار) (۴۴) ککری (۴۵) کھیرا (۴۶) پھٹ (پھوٹ خیار برشکالی) (۴۷) بیگن (۴۸) توری (ترئی) (۴۹) نوھر (نھوھر) (۵۰) پھلسا (۵۱) کسنبہ (۵۲) جواھا (جواسا) (۵۳) گھٹلی (گٹھلی) (۵۴) سکہ (۵۵) پیتل (۵۶) لوھا (۵۷) کھان (۵۸) کھوٹا (۵۹) دیور (۶۰) ھنس (۶۱) بانجھ (۶۲) سالہ (۶۳) پھوپھی (۶۴) جوڑا (۶۵) ھاسی (۶۶) پالک (لے پالک) (۶۷) سانڈھو (ساڑھو) (۶۸) سسرا (۶۹) ماکھی (مکھی) (۷۰) جالی (جال) (۷۱) سوکن (۷۲) ماموں (۷۳) چاچا (چچا) (۷۴) کاچا (کچا) (۷۵) سمدھن (۷۶) گنگا (گونگا) (۷۷) دھی (۷۸) مسکہ (۷۹) مکھن (۸۰) رائی (۸۱) ملائی (۸۲) چھاچھ (۸۳) مدھانی (رئی) (۸۴) سرمدانی (سرمہ دانی) (۸۵) تیل (۸۶) ہلی (۸۷) کولھو (۸۸) کھل (۸۹) آٹا (۹۰) گالا (۹۱) گاڈی (گاڑی) (۹۲) بھڈیا (بھیڑیا) (۹۳) چیتا (۹۴) سہا (خرگوش) (۹۵) مینا (۹۶) سندیسہ (۹۷) گوہ (۹۸) کویل (۹۹) تیترا (تیتر) (۱۰۰) جوک (جونک) (۱۰۱) گھڑا (۱۰۲) نیول

(نیولا) (۱۰۳) بچھو (۱۰۴) کچھو (کچھوا) (۱۰۵) چھپکلی (۱۰۶) ڈھکلی (منجنیق)۔

یہ کل ایک سو چھ الفاظ ھیں جن میں الفاظ ذیل بہ تفاوت لہجہ پنجابی مانے جا سکتے ھیں :

(۱) بھیڈا (مینڈھا) (۲) کولا (کوئلہ) (۳) منگنا (مانگنا) (۴) پکھا (پنکھا) (۵) ھولاں (ھولا) (۶) چھکا (چھینکا) (۷) ھنگ (ھینگ) (۸) سنگ (سینگ) (۹) مسر (مسور) (۱۰) وکالی (جکالی) (۱۱) ھدکی (ھچکی) (۱۲) بھٹ (بھوٹ) (۱۳) جواھا (جواسا) (۱۴) سانڈھو (ساڑھو) (۱۵) گنگا (گونگا) (۱۶) کچھو (کچھوا)

ان سولہ لفظوں میں اکثر ایسے ھیں جن کو صرف لہجے کے فرق نے پنجابی بنا دیا ھے ۔ مثلاً ھینگ ، سینگ ، بھوٹ اور گونگا وغیرہ ، اور میں سمجھتا ھوں کہ مصنف کے مقابلے میں کاتب اس ترمیم کا زیادہ ذمہ دار ھے ۔

کئی ایسے نصاب ملتے ھیں جن میں آدھی اردو اور آدھی پنجابی ھے ۔ لیکن میں ان سب سے قطع نظر کر کے 'اللہ باری' یا 'ذوق الصبیان' کا ذکر کرتا ھوں جو ۱۲۰۷ھ کی تالیف ھے ۔ اس کے مصنف حافظ احسن اللہ بن حافظ ھدایت اللہ بن حافظ عنایت اللہ لاھوری ھیں ۔ حافظ صاحب کا پیشہ معلمی ھے ؛ اس کے ساتھ کتابت اور مہر کنی بھی کرتے ھیں ؛ نہایت زود نویس ھیں اور کتابیں کثرت کے ساتھ نقل کی ھیں ۔ ان کی ایک ضخیم تالیف ' مفتاح الافواہ ' ھے ۔ اس کے صفحوں کی تعداد ۹۰۳ اور فی صفحہ ۱۹ سطریں ھیں ۔ اس حساب سے اشعار کی تعداد سترہ ھزار کے قریب ھوگی ۔ 'مفتاح الافواہ' کی زبان فارسی ھے ؛ مصنف کی توجہ عربی الفاظ کی طرف تمام تر مبذول ھے لیکن ایک دل چسپ پہلو اس تالیف کا یہ ھے کہ اس میں اردو الفاظ بھی کثرت سے لائے گئے ھیں ۔ مگر 'مفتاح الافواہ' پر تبصرے کا یہ موقع نہیں ھے اس لیے میں اس ضخیم تالیف سے دست کش ھو کر حافظ صاحب کی دوسری تالیف 'ذوق الصبیان' کے متعلق چند الفاظ کہنا چاھتا ھوں ۔

ایک معلم سب سے زیادہ بچوں کی ضروریات سمجھنے کا اہل ہے۔
جب لاہور میں بیٹھ کر حافظ احسن اللہ اردو کا نصاب تیار کرتے ہیں
تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس کی از حد ضرورت ہو گی ۔ 'ذوق الصبیان'
کی تشریحی زبان اردو ہے ۔ حافظ صاحب اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں
کہ اس سے قبل میں نے اس مضمون پر ایک بڑی کتاب تیار کی ہے
لیکن وہ بچوں کے لیے دقیق و دشوار ہے ، اس لیے نصاب ہذا کو
آسان ہندی زبان میں تیار کیا ہے ، سال تصنیف ۱۲۰۷ھ ہے ۔ اردو زبان
کے متعلق حافظ صاحب فرماتے ہیں ، یہ ہندی زبان بہت آسان ہے ؛
بچے بڑی خوشی کے ساتھ اسے پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں ۔
اب میں نمونۂ کلام دکھانے کے لیے 'ذوق الصبیان' کے دیباچے سے
ایک اقتباس دیتا ہوں :

احسن نام اک عاجز بندہ ملاں ، کاتب ، مہر کنندہ
احسن اللہ کی ہے یہ رعایت اس کی ہدایت اس کی عنایت
اس کا وطن لاہور نگر ہے کمتر ، کہتر اور احقر ہے
اوسکی داتا خطا کو بخشے اوسکے ماتا پتا کو بخشے
کہیاں ہیں یہ کیتیاں بیتاں فارسی عربی ہندی باتاں
لڑکے میرے پاس ہیں پڑھتے لوگ ہیں مجھ کو ملاں کہتے
آگے ایک کتاب لکھی ہے اس پر محنت بہت کٹی ہے
پر وہ بہت دراز و کلاں ہے لڑکوں کی ابھی کند زباں ہے
یہ آساں اور ہندی بولی لڑکوں کوایک کھیل ہے کھولی
خوشی خوشی وہ پڑھتے ہیں اوسکو چشم و سر او پر دھرتے ہیں اوسکو
ذوق الصبیاں نام رکھا ہے سال اوس در باغ کہا ہے
جو کوئی اوسکو پڑھے پڑھاوے عیب سنوارے اور بناوے
دے اصلاح جو ہووے بھلائی مجھ کو دے دعا وہ بھائی
بحر فروغ تقارب میزاں فعلن فعلن فعلن فعلاں

ذیل کا اقتباس اصل نصاب سے دیا جاتا ہے :

دل و جگر ہے ہیا کابجہ کلا پر ہے مغز ہے بھیجا

امہ کنیز ہے لونڈی باندی
جیتل نقرہ فضہ چاندی
رپا سونا سیم و زر ہے
ڈبا کوپا ڈھال سپر ہے
عاشق مترا بندہ چیرا
خیمہ تنبو منزل ڈیرا
حلقہ دورہ گروہ گھیرا
گشت و گزار گزر ہے پھیرا
بار بوجھ انبار ہے تودہ
بھیڑ انبوھی آنتر رودہ
لوھو خون سیاھی سودا
طحال سپرز تلی مغ گودا
پتہ زھرہ تلخہ صفرا
دشت و بر بیابان صحرا
گھیا کدو گونگلو شلغم
لیس لعاب کف و جھگ بلغم
بیچ ہے اندر بیرون باھر
باگھ غضنفر شیر ہے ناھر

مصنف کا طرز بیان شگفتہ اور زبان نہایت صاف ہے۔ بعض بعض موقعوں پر پنجابی لہجہ نظر آتا ہے۔ میں چند شعر ایک اور مقام سے نقل کرتا ہوں:

سجن دوست ہے یار خلیل
تھوڑا اندک کم و قلیل
بہتا بیش بس و بسیار
افزوں زیادہ وافر دار
فیل اور پیل اور مکنا ھاتھی
ھم دم ھمرہ بیلی ساتھی
سنگ و سنگت قافلہ کاروان
سوداگر تاجر بازرگان
پتھر سنگ رتن ہے جوھر
مروارید موتی در و گوھر
مربع چورس گرد ہے گول
نرخ بہا اور قیمت مول
اجر و اجرت مزد و مزدوری
روغن گھیو ملیدہ چوری
مرجان بسد کلی اور مونگا
صم و بکم ہے ڈورا گونگا
غریب مسافر ماندہ تھکا
پرندہ پنکھی بادکش پنکھا
سگ ہے کتا گربہ بلی
جہان آباد شہر ہے دلی
باگھ بگھیلہ شیر اسد ہے
سباع درندہ دام و دد ہے
ماھی مچھلی سینسار نہنگ
ھندی چیتا یوز پلنگ
آھو ھرن سہا خرگوش
کھال رات جو گزری دوش
دے و پری جو گزرا کھل پرسوں
کنجد تل ستشف ہے سرسوں
کھل پرسوں آینده جو آوے
فردا اور پس فردا بھاوے

اوپر کے اقتباسوں میں آنتر (آنت) کھل (کل) گونگلو (شلغم)، گھیو

(گھی) چوری (ملیدہ) کلی (مونگا) ڈورا (ہرا) وغیرہ پنجابی زبان کے ذخیرے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ آنب ، جھاگ اور کل وغیرہ کا صحیح ترجمہ یہی ہو سکتا ہے ۔ گونگلو آج کل پنجابی مانا جاتا ہے اور اردو میں غیر مستعمل ہے لیکن مغلیہ عہد سے قبل کے اہل لغات اس لفظ سے واقف ہیں اور قدیم تلفظ وہی ہے جو آج پنجاب میں رائج ہے ۔ چناں چہ 'اداب الفضلا' (تالیف ۸۲۲ھ) میں چقندر کا مرادف گونگلو دیا گیا ہے ۔ 'شرف نامۂ احمد منیری،' (۸۷۷ھ) میں گانگلو اور 'مؤید الفضلا' (۹۲۵ھ) میں گنگلو لکھا ہے ۔

خاتمہ :

ختم مرتب پورا سارا	آخر اوڑک عجب نسارا
تکا خس ہے پیچھے پس ہے	پورا سارا قانع بس ہے
تو بھی بس اب بس کر احسن	پھڑ درود اور حمد ذوالمن
مانگ خدا سے یہی سدامی	بخشے رب گناہ تمامی
بندہ منگتا کرے دعائیں	مولیٰ صاحب داتا سائیں

'در باغ' اس تالیف کا مادۂ تاریخ ہے جس سے ۱۲۰۷ھ برآمد ہوتا ہے اور ۱۷۹۳ء کے برابر ہے ۔ اس سال تیمور شاہ درانی کا انتقال ہوتا ہے اور شاہ زمان تخت نشین ہوتا ہے ۔ لاہور میں سکھوں کا قبضہ ہے ؛ سوبھا سنگھ اور لہنا سنگھ کی حکومت ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ پنجاب میں اردو نصابوں کا رواج ، نیز اردو نصابوں کی اس صوبے میں تصنیف و تالیف ہمیں اس نظریے کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ پنجابی زبان کی طرح اردو زبان بھی اس صوبے میں قدیم سے ذریعۂ تعلیم رہی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ اردو پنجاب میں بہ عہد شاہان مغلیہ بولی اور سمجھی جاتی رہی ہے ، لیکن ہم کو یہ علم نہیں تھا کہ بچوں کی تعلیم میں بھی اس سے کام لیا جا رہا ہے ۔ 'خالق باری' کے بعد اردو کا سب سے قدیم نصاب 'فرح الصبیان' پنجاب میں لکھا جاتا ہے ۔ یہ امر شاید ان بزرگوں کی آنکھیں کھولے جو آج پنجاب میں اردو کے استحقاق کو نظر انداز کرتے ہیں اور پنجابی کے لیے اصرار کرتے ہیں ۔ ہم پنجاب کے ساتھ اردو کے قدیم تعلقات کی داستان سے بالکل بے خبر ہیں

لیکن اس سلسلے میں جو بعض واقعات گزشتہ چند سالوں میں روشنی میں آئے ھیں ، ان سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ھے کہ اردو کے روابط اس صوبے کے ساتھ نہایت قدیم اور گہرے ھیں ۔ اردو اور پنجابی کی صرف و نحو ان زبانوں کے اتحاد اور قرابت کی طرف دلالت کرتی ھے ۔ اردو کا سب سے قدیم فقرہ جو ھمیں معلوم ھے ، پنجاب ھی کے ایک شیخ حضرت فرید الدین گنج شکر کی یادگار ھے ۔ مسلمانوں میں سب سے اول جس شاعر نے ھندی دیوان لکھا ، وہ لاھور کے مشہور شاعر خواجہ مسعود سعد سلمان ھیں ۔ سب سے پہلے جس شخص نے دوھرہ لکھا ، وہ یہی شیخ فرید الدین مذکورہ بالا ھیں ۔

گجرات و دکن میں اگرچہ اردو تالیفات دسویں صدی ھجری سے شروع ھو جاتی ھیں ، لیکن شمالی ھندوستان میں دو صدی بعد تک ان کا پتا نہیں چلتا ۔ دھلی میں ابھی اردو دبستان قائم بھی نہیں ھو چکتا ھے کہ پنجاب میں لوگ اردو زبان میں مثنویاں لکھنی شروع کر دیتے ھیں ۔ میر پور (کشمیر) کے شیخ غلام محی الدین تصوف مثنوی 'گلزار فقر' ۱۱۳۱ھ میں ختم کرتے ھیں ؛ بٹالے کے مشہور شیخ غلام قادر ۱۱۵۱ھ سے قبل مثنوی 'رمز العشق' لکھتے ھیں ۔ اسی بٹالے کے ایک اور مصنف عاجز تخلص ھیں جو سیف الملوک و بدیع الجمال کا قصہ فارسی سے اردو میں نظم کرتے ھیں ۔ ایک اور بزرگ تحسین ھیں ، جو ایک نظم موسوم بہ 'وارداب' کے مالک ھیں ، جس میں مصنف ایک شاگرد کی دعوت پر ، جو دیوان زادوں میں سے ھے ، اپنے میر پور کے سفر راہ کی مشقت و صعوبت ، میزبان کی بے اعتنائی ، وھاں سے واپسی اور گھوڑے کی مذمت و دیگر واقعات بیان کرتا ھے ۔ یہ تالیفات جوانہ کے از بسیارے و مشتے نمونہ از خروارے کا حکم رکھتی ھیں ، خالص پنجاب کی پیداوار ھیں جن پر ھندوستان کا اثر مطلق نہیں ھے ۔ یہ لوگ نہ ھندوستان گئے اور نہ اردو دانوں سے تعلق میں آئے لیکن اردو میں اپنی تالیفات لکھ رھے ھیں ۔ ھمیں ستائش کرنی چاھیے ان بزرگوں کی جو دلی درکنار خود پنجاب کے دارالسلطنت لاھور سے

بھی فاصلے پر رہ کر ان دور افتادہ مقامات میں جہاں اردو بولنے والا مہینوں کیا بلکہ برسوں بھی ان سے تعلق میں نہیں آ سکتا ہو گا، اردو زبان کی تحریک کو زندہ رکھتے ہیں ۔ اب تاوقتیکہ ان تالیفات کے پڑھنے والے پنجاب میں موجود نہ ہوں ان کا منصۂ شہود پر آنا ممکن نہیں ۔ اس لیے اس لٹریچر کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ پنجاب میں کم و بیش ہر عہد میں اردو کے لیے سرگرمی رہی ہے ۔

محمد شاہ کے عہد میں پنجابی جفت فروشوں کے فساد پر بے نوا سنامی کا مخمس

یہ آخری مضمون ہے جو حافظ صاحب مرحوم نے "اورینٹل کالج میگزین" کے لیے (ٹونک سے) روانہ کیا تھا اور اگست ۱۹۴۵ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس پر میگزین کے اس زمانے کے ایڈیٹر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے مندرجہ ذیل نوٹ دیا تھا :

"مضمون ذیل ہمارے دیرینہ مخدوم حافظ محمود خان صاحب شیرانی مدظلہ کا تازہ ترین نتیجۂ طبع ہے۔ موصوف کے محققانہ مضامین کی بدولت اورینٹل کالج میگزین کو جو اہمیت نصیب ہوئی وہ کسی توضیح کی محتاج نہیں۔ افسوس ہے کہ ان کی مسلسل علالت اور ضعف پیری نے انہیں ایک عرصے سے علمی مشاغل سے باز رکھا ہوا ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس حالت میں بھی وہ اپنے دیرینہ احسان مندوں کو نہیں بھولے ہیں۔ ہم اس مضمون کو بہ صد افتخار ان کی جانب سے تبرک کے طور پر ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں آئندہ ایسے تبرکات عطا کرنے پر قادر رکھے۔"

مضمون کے حواشی میں روشن الدولہ پر نوٹ بھی پروفیسر اقبال صاحب کا دیا ہوا ہے۔ (مرتب)

سنام۱ فی زمانہ ریاست پٹیالہ میں ایک معمولی قصبہ اور ریلوے اسٹیشن ہے ، لیکن مسلمانی روایات میں اپنے علما و فضلا و شعرا کی بنا پر کسی قدر شہرت کا مالک ہے ۔ سنام کا ذکر غالباً پہلی مرتبہ عثمان مختاری عزنوی کے ایک قصیدے میں آتا ہے ، جب مسعود ثالث (۴۹۲ و ۵۰۸ھ) اس کے قریب کوئی نیا قلعہ فتح کرتا ہے ۔ حوالہ شعر ذیل میں آتا ہے :

خبر رسید کہ اندر نواحئی سنـــام
سر حصارے کو داشت با ستارہ قران

عمید سنامی یہاں کا مشہور شاعر ہے ۔ 'عرفات العاشقین' 'منتخب التواریخ' اور 'گل رعنا' میں اس کا نمونۂ کلام محفوظ ہے ۔ وہ ان شعرا میں سے ہے جو امیر خسرو سے پیشتر اس ملک میں گزرے ہیں ۔ اس کا سال ولادت ۶۰۱ھ ہے ۔ ضیا سنامی تین مشہور ضیاؤں میں سے ایک ہیں جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرے ہیں ۔ 'نصاب الاحساب' ان کی مشہور تالیف ہے ۔ عنایت اللہ سنامی 'احکام الموتی برای مردم سکنۂ سنام' تالیف کرتے ہیں ۔ یہی قصبہ بے نوا کا وطن ہے ۔ محمد شاہ کے ابتدائی دور میں بے نوا سنام سے دھلی آتا ہے ۔ اپنی خوش طبعی اور شاعری کی بنا پر یہاں کے لوگوں میں اچھا اثر پیدا کرتا ہے ۔ اگرچہ نووارد ہے مگر قبول عام حاصل کر لیتا ہے ۔ بے نوا کا ذکر 'نکات الشعرا' 'مخزن نکات' 'طبقات الشعرا' از قدرت اللہ شوق ، 'تذکرۂ میر حسن' ، 'چمنستان شعرا' اور 'تذکرۂ گلزار ابراھیم' میں ملتا ہے ۔ ان میں سے میر قائم اور شوق کے بیانات ہماری توجہ کے مستحق ہیں ۔

میر صاحب کہتے ہیں کہ مجھے اس کا حال تحقیق معلوم نہیں ۔ محمد شاہ کے عہد میں سنکرن۲ جوھری نے کسی جوئے فروش کو قتل

---

۱ ۔ قدیم تلفظ بہ تشدید دوم اور موجودہ بہ تخفیف تشدید ہے ۔

۲ ۔ سنکرن کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ، صحیح نام سبکرن بلکہ سبھکرن ہے جیسا کہ اصل مخمس اور شوق و اوروں کے ہاں درج ہے ۔

کر دیا تھا ؛ اس پر بلوہ ہو گیا ۔ جوتے فروشوں نے جامع مسجد میں جا کر خطبہ رو ک دیا ۔ ظفر خاں روشن الدولہ[1] نے کہ طرہ دار کرکے مشہور تھے ، جوہری مذکور کو پناہ دی ۔ آخر بڑا فساد ہوا اور امرائے عظام میں جنگ ہوئی ۔ طرفین سے بہت آدمی مارے گئے ۔ ظفر خاں تاب نہ لا کر بھاگ نکلا ۔ اس واقعے سے امیر موصوف کو اس قدر خجالت ہوئی کہ مدت العمر گھر سے باہر کبھی قدم نہ رکھا ۔ اس قصے کو شاعر مذکور نے ایک مخمس میں نظم کر دیا ہے جو اب تک لوگوں کی زبان پر ہے ۔

قائم لکھتے ہیں نے ہوا کسی تمام شاعر سا کن قصبۂ سام کا معاصر ہے ، جو شوخ جسم اور ظریف تھا ؛ کبھی کبھی لطیفے کے طور پر ہجویہ شعر کہتا تھا ؛ محمد شاہ کی سلطنت کے ابتدائی ایام میں دہلی آیا اور ہر شخص سے ، جو قابل ملاقات تھا ، ملا ۔ ایک روز مجلس مشاعرہ میں وارد ہوا ؛ میاں مبارک آبرو نے اس کی طرف توجہ نہ کی ؛ کچھ دیر کے بعد جب ملاقات ہوئی ، بولا ''میاں آبرو آپ اپنے مخلصوں سے اس قدر تغافل کرتے ہیں گویا کبھی دو آنکھ نہ ہوئے تھے ۔'' چوں کہ آبرو کے ایک آنکھ نہ تھی یہ لطیفہ بہت با موقع ثابت ہوا اور حاضرین جلسہ خوب ہنسے ۔ الغرض اپنے عہد کا مسخرہ انسان تھا ۔

قدرت اللہ شوق نے میر صاحب کے بیان کی نقل کے علاوہ اس میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے ۔ کہتا ہے مجھے اس کا حال بتحقیق معلوم نہیں ؛ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جن کا لقب اب فردوس آرام گاہ ہے ، سبھ کرن جوہری نے کسی حرمسرا عروس کو ہولی کے دن قتل

---

۱ ۔ نواب روشن الدولہ ظفر خاں محمد شاہی عہد کے امرا میں سے ہیں ؛ نواب قمرالدین خاں کے بعد کچھ عرصہ وزیر بھی رہے ، بالآخر غبن کے الزام میں معزول کر دیے گئے ۔ دہلی کی دو مشہور مسجدیں ان کی بنوائی ہوئی ہیں ۔ ایک تو سنہری مسجد جو کوتوالی چبوترے کے پاس ہے اور دوسری روشن الدولہ کی مسجد جو فیض بازار میں ہے ۔ ۱۱۴۵ھ (مطابق ۱۷۳۲ء) میں انتقال کیا ۔ (ایڈیٹر)

کر ڈالا ؛ اس پر عام بلوہ ہو گیا ۔ حفت فروشوں نے جمع ہو کر جامع مسجد میں خطبہ نہ ہونے دیا ۔ نواب ظفرخاں روشن الدولہ نے ، طرہ باز خاں جن کا لقب تھا ، جوہری مذکور کو پناہ دی ۔ نواب وزیر الممالک قمر الدین خان بہادر حفت فروشوں کے طرف دار تھے ؛ بالآخر بڑے امرا میں زبردست فساد ہوا ؛ طرفین کے بہت لوگ مارے گئے اور تمام مسجد خون سے بھر گئی ۔ ظفر خاں تقرب پابوس زنی کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا ۔ خان، چہ ایک شاعر کہتا ہے :

آں چہ بر فرق ظفر خاں از خدا افتادہ است
من چہ گویم معنی آں پس پا افتادہ است

شاعر مذکور نے اس قصے کو ایک مخمس میں نظم کیا ہے جو اب تک لوگوں کی زبان پر ہے ۔

میر صاحب کی طرح پہلا اور آخری مخمس شوق نے بھی نقل کر دیا ہے ، لیکن میر صاحب کے ہاں پہلے مخمس کا دوسرا مصرع یوں ہے :

مریخ پر ہو تیز کی خنجر کی اپنے دھار

شوق نے 'مریخ پر' کی جگہ 'مریخ پھر' تحریر کیا ہے اور یہی صحیح ہے ۔ یہ غلطی طباعت کی معلوم ہوتی ہے ۔

بے نوا کے نمونۂ کلام میں تذکرۂ گلزار ابراہیمی میں دو شعر ملتے ہیں :

تم ہو بوس و کنار کی صورت
میں ہوں امیدوار کی صورت

بے نوا ہوں زکواہ حسن کی دے
او میاں مالدار کی صورت (صفحہ ٦٥)

صاحب تذکرہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شعر ایک بیاض میں خان آرزو کے نام پر بھی دیے ہیں ؛ میں اضافہ کرتا ہوں کہ آخری شعر قائم اور میر حسن نے بے نوا ہی کی طرف منسوب کیا ہے ۔

جوتی فروشوں کا فساد محمد شاہ کے عہد کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اکثر کتب تاریخ میں اس کا مذکور آتا ہے لیکن میں اپنی نارسائی[1] کی بنا پر اصل تاریخوں کے بیانات قلم بند کرنے سے معذور ہوں۔ اس کی تلافی میں ولیم اروِن کی تالیف 'لیٹر مغل' کی ایک عبارت کا ترجمہ دیتا ہوں جس میں واقعۂ مذکور کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ مگر یاد رہے کہ اروِن ہندوستان کی آئی۔ سی۔ ایس جماعت سے تعلق رکھتا ہے جس کا نقطۂ نظر عموماً نوکر شاہی اور سرکاری ہوا کرتا ہے۔ یہ جماعت ہر چیز کو حکومت کی عینک سے دیکھتی ہے۔ اروِن پرانے تاریخی واقعات کے سلسلے میں بھی جو اس کے عہد سے دو سو سال قبل گزرے ہیں اپنی روش خاص بدل نہ سکا۔ چناں چہ مسلمانوں کے ذکر میں، جیسا کہ انگریزوں کا عام دستور ہے، چوٹیں کرنے اور چٹکیاں لینے کا موقع نہیں چھوڑتا؛ طعن اور استہزا سے بھی کام لیتا ہے۔ اس حصے کو میں نے اپنے ترجمے میں بڑی حد تک دبا دیا ہے۔

اروِن ایک معتبر اور محتاط مصنف ہونے کے باوجود بعض بازاری مصنفین کی دھوکے بازی کا آسان شکار بن گیا ہے۔ چناں چہ جعفر زٹلی کے حالات جو اس نے ہندوستانی اینٹیکیویریٹر کے رسالۂ رز کامل عیار سے دیے ہیں، بالکل بے سرو پا اور غیر تاریخی ہیں۔ سطور آئندہ میں اروِن کا بیان دیا جاتا ہے۔

از لیٹر مغل تالیف ولیم اروِن' جلد دوم، باب دہم، صفحہ ۲۵۷' فصل ۸۴۔ دہلی کے جفت فروشوں کا بلوہ:

محمد شاہ بادشاہ (۱۱۳۱ و ۱۱۶۱ھ) کے گیارھویں سال جلوس میں جوتے فروشوں کے بلوے کو اس عہد کی تمام تاریخوں میں ایک

---

[1] ۔ یہ مضمون قبلہ حافظ صاحب نے ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے وطن ٹونک کے قیام کے دوران میں لکھا تھا۔ کیوں کہ لاہور چھوڑتے وقت اپنے کتب خانے کا غالب حصہ یونیورسٹی لائبریری کے حوالے کر آئے تھے اس لیے یہاں 'نارسائی' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (مرتب)

قابل لحاظ جگہ دی گئی ہے ۔ مسلمانوں کے ادنیٰ طبقے کے عام دستور کے مطابق ماہ شعبان کا نصف اول طرح طرح کے تیوہار اور خوشیاں منانے میں بسر کیا جاتا ہے ۔ ان میں قابل ذکر شبرات[۱] ہے جس میں چراغاں کرتے ہیں اور آتش بازی گلی کوچوں میں چھوڑی جاتی ہے ۔ اس مہینے کی آٹھویں تاریخ کی شام کو ایک صراف سبھکرن نامی جس کا شاہی محلات سے تعلق تھا ، حافظ خدمت گار[۲] خاں خواجہ سرا ، داروغۂ جواہرات خزانہ کے مکان سے اپنے گھر لوٹ رہا تھا ۔ یہ شخص ایک عرصے سے نواب روشن الدولہ پانی پتی کے خاص آدمیوں میں تھا اور اسی کی امداد سے اس کو کوئی منصب بھی مل گیا تھا نیز خانساماں شاہی کے ماتحت اس کو کوئی بڑا عہدہ بھی ملا ہوا تھا ۔ اس کا گھر جوہری بازار کے عقب میں واقع تھا ، جہاں پہنچنے کے لیے سبھکرن کو جفت فروشوں کی دوکانوں سے جو چوک سعد اللہ خاں میں تھیں ، گزرنا تھا ۔ یہ جفت فروش سب کے سب پنجابی تھے اور ان کی دوکانیں بڑی تعداد میں تھیں جو سڑک کے دونوں طرف کھڑی تھیں ۔ یہ سب کے سب متعصب قسم کے مسلمان تھے اور اپنی عبادات کے سختی سے پابند تھے ۔ ان کے بوڑھے بڑے باوقار اور سن رسیدہ معلوم ہوتے تھے ۔ ان کی ڈاڑھیاں لمبی اور لباس ستھرا تھا ۔ ان میں سے اکثر حافظ قرآن تھے اور محراب سناتے تھے ۔ جب منشی سبھکرن کی پالکی وہاں پہنچی ، اس وقت ہندو اور مسلمان آتش بازی چھوڑنے میں مشغول تھے ۔ جیسا کہ ایسے موقعوں پر ہوا کرتا ہے ، اتفاق سے ایک ہوائی جوہری کی پالکی میں جا گری جس سے اس کے درباری لباس میں سوراخ پڑ گیا ۔ جوہری کے ملازمین نے جو اردلی میں تھے ، دوکان داروں کو

---

۱ ۔ شبرات منانے میں تمام مسلمان شریک ہیں ، ادنیٰ و اعلیٰ کی تفریق غلط ہے ۔

۲ ۔ آبرو نے اسی خواجہ سرا کے حق میں لکھا ہے :

یارو خدمت گار خاں خوجوں کے بیچ ہے تو مستثنیٰ و لیکن منقطع

سخت سست کہا ۔ اس پر دونوں جماعتوں میں مار پیٹ تک نوبت
پہنچ گئی ۔ جوھری کے نوکر مسلح تھے اور موچیوں کے پاس
ان کی رانپیوں کے سوا کچھ نہ تھا ۔ چوں کہ زیادہ تعداد میں تھے ،
انھوں نے ایک سپاھی کی ڈھال اور تلوار چھین لی ۔ سبھکرن طیش
کی حالت میں اپنے گھر پہنچا اور اس آدمی کو جس کی ڈھال اور
تلوار چھین لی گئی تھی ، دشمنوں سے بدلہ لینے کی غرض سے فوراً
واپس بھیجا ۔ رات کے وقت دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ یہ شخص
جوتے فروشوں کے محلے میں پہنچا ۔ ایک نو عمر لڑکا ان کے ھاتھ
آ گیا جس کو مارے مارے انھوں نے ادھ موا کر ڈالا ۔ لڑکے کی
چیخیں سن کر ایک بوڑھا آدمی حاجی حافظ اپنی چارپائی سے اٹھ کر
ننگے پاؤں دوڑا آیا اور لڑکے کے بدلے میں تلوار کا زخم کھا کر
مارا گیا ۔ حملہ آور حاجی کو اسی جگہ چھوڑ کر جہاں وہ گرا تھا
اپنے گھر چل دیے ۔ صبح کے وقت تمام موچی اور ان کے پیچھے تمام
شہری لاش کے گرد اکٹھے ہو گئے ۔ انھوں نے قسم کھا لی کہ جب تک
قاتل اور قاتل کے آقا کو ان کی بداعمالی کی سزا نہیں ملے گی وہ
میت دفن نہیں کریں گے ۔ تمام ادنیٰ طبقے کے مسلمان ان کے شریک
ہو گئے ۔ اب انھوں نے لاش کو گاڑی پر ڈالا اور دین دین کے نعرے
لگاتے سبھکرن کے دروازے پر پہنچ گئے ۔ راتوں رات سبھکرن نے
شمیر افگن خاں[1] پانی پتی خانساماں شاہی کے ھاں جو اس کا افسر تھا
پناہ لی ۔ یہ جوھری جیسا کہ اس سے قبل اشارہ ھو چکا ھے ،

---

۱ ۔ شمیر افگن خاں عرف الدولہ نواب بندہ علی خاں ناسطی مخلص
محمد افضل ثابت الہ آبادی کے مرید اور ممدوح ھیں ۔ ثابت کا دیوان
نواب موصوف نے مرتب دیا ھے ۔ اس کا ایک نسخہ میرے کتب
خانے میں موجود ھے جس پر چند سطریں بندہ علی خاں نے اپنے قلم
سے لکھی ھیں ۔ ان کے حالات شفیق اورنگ آبادی نے اپنے فارسی
تذکرۂ گل رعنا میں مفصل دیے ھیں ۔ میرے کتب خانے میں نواب
(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

روشن الدوله ظفر خاں کا متوسل تھا جس کے ساتھ شیر افگن خاں کی رشتے داری بھی تھی ۔ ہم وطنی اور رشتے داری کی بنا پر دونوں سردار ایک دوسرے کے دلی دوست تھے ۔ شیر افگن خاں ایک اور طاقتور سردار لطف اللہ خاں صادق کا چھوٹا بھائی بھی تھا ۔ ان دو وجوہ سے کہ (۱) پناہ گزین اس کا ماعت تھا اور (۲) دوست خاص کا متوسل تھا ، شیر افگن خاں نے گناہ گار کو بلوائیوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا ؛ بلکہ شد و مد کے ساتھ اس امر کی تردید کی کہ مجرم اس کے گھر میں موجود تھا ۔ مردے کو سبھکرن کے گھر پر چھوڑ کر یہ انبوہ بہ غرض داد خواہی شاہی محل کی طرف روانہ ہوا ۔

محمد شاہ بادشاہ اپنی والدہ قدسیہ بیگم کی معیت میں باغ جعفر خاں کی سیر سے واپس آ رہا تھا ؛ جیسے ہی قریب پہنچا ، بلوائیوں کے ہجوم نے فریاد کی اور انصاف انصاف کے نعرے لگائے ۔ بادشاہ نے نزدیک بلا کر ان کی رام کہانی سنی اور قمرالدین خاں وزیر کو حکم دیا کہ سزاول بھیج کر مجرم کو جہاں کہیں موجود ہو ، گرفتار کرا لے ۔ شیر افگن خاں نے جس کے ہاں مجرم پناہ گزیں تھا ، تعمیل حکم سے صاف انکار کر دیا ۔ جمعرات کا دن اس حالت میں ختم ہوا ۔

جمعے کے دن ۱۱ شعبان ۱۱۴۱ھ (۱۱ مارچ ۱۷۲۹ء) کو جوتی فروشوں نے شہر میں جلوس نکالا اور مسلمانوں کو دین کی حفاظت کے واسطے عام دعوت دی ۔ جامع مسجد دھلی محل اجتماع قرار پائی ۔ جمعے کی نماز کے وقت تک مسجد کا وسیع صحن آدمیوں سے کھچا کھچ بھر گیا تھا ۔ فریادیوں نے مسجد کی محراب و منبر پر اس طرح قبضہ

(صفحۂ گزشتۂ کا باقی حاشیہ)

ممدوح کی یادگار دو بیاضیں ہیں جن پر کچھ عبارت خود نواب کی نوشتہ ہے ۔ ان میں بڑی بیاض نہایت اہم ہے ۔ اس کے مختلف ابواب و فصول میں مشائخ ، علماء ، وزرا ، سلاطین ، امرا اور اساتذۂ قدیم و جدید کا کلام کثرت کے ساتھ نقل ہوا ہے ۔

کر لیا کہ نہ امامت کی جا سکتی تھی اور نہ خطبہ ادا ہو سکتا تھا ۔ ان میں پیش پیش عرب ، حبشی اور قسطنطیہ کے ترک تھے جو رومی خاں سے متعلق تھے ، نیز سید عرب علی خان بغدادی کے تابعین میں سے تھے جو شاہی توپ خانے میں حیدر قلی خاں سابق میر آتش کے عہد سے ملازم تھے ۔ یہ لوگ غیر مسلح ہونے کے باوجود سرغنہ بن گئے اور حلقہ باندھ کر منبر کے قریب آ گئے ۔ نمازی رکوع و سجود نہ کر سکے ؛ امام جماعت نہ کرا سکا : قاضی کی جس کو کافر کا طرفدار بتایا گیا ، گھونسوں اور مکوں سے تواضع کی گئی ۔ نہ تلوار چلی نہ خونریزی ہوئی مگر قاضی اور اس کے فرزند پر اس قدر گھونسے اور لاتیں پڑیں کہ دونوں قریب المرگ ہو گئے ۔ خطیب کو منبر سے اتار کر زمین پر گرا دیا اور اتنا پیٹا کہ بے ہوش ہو گیا ۔ فساد کی اطلاع قلعۂ معلیٰ میں پہنچی ؛ شاہی حکم سے وزیر اور روشن الدولہ[1] اپنی اپنی فوج کے ساتھ ہنگامہ فرو کرنے کے لیے بھیجے گئے ۔ سب سے پہلے وزیر پہنچا جو اپنی جماعت کے ساتھ مسجد کے شمالی دروازے سے داخل ہوا ۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کے وعدے کیے اور اپنی چرب زبانی سے فی الوقت قاضی اور اس کے عملے کو مار پیٹ سے بچا لیا ۔ لیکن اس جلیل القدر امیر کی ملاقات نے بلوائیوں کو اپنی انتقامی جد و جہد میں اور بھی مضبوط کر دیا ۔ بد قسمتی سے عین اس موقع پر نواب روشن الدولہ اپنی فوج کے ساتھ مسجد کے شرقی دروازے سے نمودار ہوا جس سے بادشاہ سلامت داخل ہوا کرتے تھے ۔ اس کی فوج زیادہ تر جاہل افغانوں پر شامل تھی جنھیں اپنی بہادری پر بے حد ناز تھا ۔ یہ لوگ خورجہ ، سکندرہ اور دہلی کے دیگر پرگنات سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کے افسر شاہجہاں پور ، مئو ، شمس آباد ، فرخ آباد (ہندوستان کا افغانستان) اور تھانیسر (واقع سرکار سرھند) کے رہنے والے تھے ۔ جنوبی سمت سے شیر افگن خان نمودار

۱ - اروِن کا یہ قول کہ روشن الدولہ شاہی حکم سے گیا تھا ، بے نوا کے بیان کی روشنی میں غلط معلوم ہوتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ روشن الدولہ اور شیرافگن خان از خود آئے تھے ۔

ہوا جس نے مقتول کے ورثا کو خون بہا لینے پر راضی کرنے کی کوشش کی تھی اب یہ سن کر کہ وزیر اور روشن الدولہ پہنچ چکے ہیں ، اپنی مسلح جماعت کے ساتھ جو ہندوستانیوں پر شامل تھی ، آ موجود ہوا ۔ مسجد میں ہجوم کی زیادتی روکنے کے خیال سے روشن الدولہ نے اپنے افغانوں کو تمام دروازے بند کر دینے کا حکم دیا ۔ روشن الدولہ اور شیر افگن خاں کو دیکھ کر مجمع کے غیض و غضب کا پارہ اور بھی چڑھ گیا ۔ دین دین کے ساتھ انہوں نے 'کافروں کو مارو' کا نعرہ بلند کیا ؛ نعل دار جوتیاں سنبھالیں اور اینٹ پتھر جو اپنے ساتھ لائے تھے، دونوں برابر پھینکنے شروع کیے ۔ اس حملے کی پہلی شدت شیر افگن خاں کو سہنی پڑی ۔ اس کی بے حد بے عزتی ہوئی ۔ اس پر جوتے پھینکے گئے اور اس کی پگڑی پر پتھر پڑے ۔ روشن الدولہ کی طلائی مندیل پر بھی وار ہوئے ۔ بلوائی ان پٹھانوں پر جو اپنے اپنے آقا کے پیچھے صف بستہ کھڑے تھے، ٹوٹ پڑے ۔ اس وقت تک وزیر محض تماشائی بنا رہا ۔

بالآخر ان امرا کی خطرناک حالت اور اپنے افسروں کے زخمی اور خون میں لتھڑے چہرے دیکھ کر افغانوں میں تاب نہ رہی ، انہوں نے ڈھالیں کندھوں پر لیں اور تلواروں سے فسادیوں پر حملہ بول دیا ۔ دکان داروں کا بے حد نقصان جان ہوتا لیکن توپ خانے کے ملازمین نے جو ان کے طرف دار تھے، اپنی توڑے دار بندوقوں اور فرنگی طپنچوں کے ساتھ ان کے حملے کا جواب دیا ۔ مغل پورے کے مغلوں کی ایک جماعت بھی ان کی شریک ہو گئی ۔ ایک حبشی نے منبر کے پاس سے دونوں امیروں پر اپنا طپنچہ داغ دیا ۔ اس پر افغان جو غصے سے دیوانے ہو رہے تھے، نہایت جوش و خروش میں لپکے ؛ متخاصم جماعتیں ایک دوسرے سے بھڑ گئیں ؛ افغانوں کی تعداد توپ خانے والوں سے بہت زیادہ تھی اور جوتی فروش بالکل نہتے تھے ۔ اس وقت تک وزیر کے ہمراہیوں نے جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے ہم وطنوں پر بری آ بنی ہے انہوں نے وزیر کے حکم کی مطلق پروا نہ کی اور

اپنے ہتھیار سنبھال کر فوراً لڑائی کی آگ میں کود پڑے ۔ باقی مغلیہ فوج مسجد کے باہر اپنے گھوڑوں پر وزیر کو واپس پہنچانے کے انتظار میں صف بستہ کھڑی تھی ، اس رونما ہونے والے واقعے سے مشتعل ہو کر مسجد کی سڑھیوں پر گھوڑوں سے اتر کر آگے بڑھی اور ان پٹھانوں کو جو دروازوں پر نگہبانی کر رہے تھے ، منتشر کرکے مسجد کے دروازے کھول دیے اور نعرے مارتے بڑی تیری کے ساتھ مسجد میں گھس گئے ۔ پیچھے سے وزیر کا ھاتھی اور اس کے اونٹ جن پر ضرب زن اور بان لدے تھے آ پہنچے ۔ بہت جانیں ضائع ہوئیں ۔ پٹھانوں نے جہاں تک ممکن تھا اپنی جگہ نہ چھوڑی مگر کہاں تک مقابلہ کرتے ۔ شیر افگن خان کے سیدھے ھاتھ کی کلائی پر زخم آیا ، تلوار اس کے ھاتھ سے گر گئی ، اس کے کئی آدمی مارے گئے ، کئی زخمی ہوئے ۔ شمہ السیف نے بھاگ کر جان بچائی چاھی ۔ پٹھان اس وقت تک روشن الدولہ کے گرد سپر سے کھڑے تھے ، شیر افگن خان کی پسپائی پر انھوں نے روشن الدولہ کو بھی لوٹنے پر مجبور کیا ۔ اس کا بھاری جسم اور فربہی پھرتی کے ساتھ مراجعت میں مزاحم ثابت ہوئے ، لہذا اس کے آدمیوں نے اسے اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور لڑتے بھڑتے خستہ اور چکنا چور دروازے کو جا لیا ۔ مسجد سے نکل کر انھوں نے شیر افگن خان کے بھائی دل دلیر خاں کی حویلی میں جو مسجد سے چند قدم کے فاصلے پر تھی ، بھاگ کر پناہ لی ۔ جب مسجد کے پٹھانوں کو معلوم ہوا کہ دونوں سردار حفاظت کے مقام پر پہنچ گئے ہیں ، انھوں نے بھی مسجد سے مراجعت کی اور اسی پناہ گاہ میں چلے آئے ۔ فسادیوں نے قمر الدین خان وزیر کے احکام کی پروا نہ کر کے ان کا تعاقب کیا اور لڑائی جاری رکھی ؛ دل دلیر خاں کی حویلی کا محاصرہ کر لیا اور مجرموں پر اپنا انتقام توڑنے اور حویلی کو جلا دینے کی ٹھان لی ۔ آخر سمجھا بجھا کر ان کو اس ارادے سے باز رکھا گیا ۔ امرا کی ایک تعداد جو روشن الدولہ کے تابینوں میں تھی اور جنھیں لڑائی میں کوئی دلچسپی نہ تھی ، مسجد کے زاویوں ، محرابوں اور گمٹیوں میں چھپ گئی ۔ یہ لوگ گولیوں کی بوچھاڑ سے مجبور ہو کر

بازار کی طرف کے کھمبوں میں رینگ گئے اور جس طرح بھی ممکن ہوا گلی میں لٹک لٹک کر اتر گئے۔ اس طرح سے بھاگنے میں ایک امیر اعظم خاں پر بری بیتی۔ جس جگہ وہ چڑھا ہوا تھا اس کے نیچے مٹی کے برتن بیچنے والے کی دکان تھی جس پر چھپر پڑا تھا۔ چھپر مضبوط تھا، پھر بھی لٹکنے میں اس کی ٹانگیں چھپر کے اندر اتر گئیں اور ہانڈی اور اڑواڑ میں پھنس کر رہ گئیں۔ دکاندار نے غصے میں آ کر اور ایک بانس لے کر خاں صاحب کی ٹانگوں کی خوب ہی مرمت کی، حتیٰ کہ وہ سوج گئیں اور جگہ جگہ سے زخمی ہو گئیں۔ خاں صاحب ایک عرصے تک پاؤں پر کھڑے ہونے سے معذور رہے۔

دن بھر کی کارروائی کے نتیجے کے طور پر وزیر[1] بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مقبول عوام اور محافظ اسلام بن گیا۔ ادھر بادشاہ خوش تھے کہ یہ مہم ان کا وبال دوش بنے بغیر آپ سے آپ فیصل ہو گئی۔ اسی وقت سر کی پگڑی اتار کر شاہی انعام کے طور پر وزیر کے پاس لے جانے کے لیے ایک خواجہ سرا کے حوالے کی اور حکم دیا کہ وزیر فوراً حاضر خدمت ہو۔ وزیر نے اپنے آدمیوں کو فسادیوں سے مسجد خالی کرانے اور دروازوں پر مضبوط پہرہ رکھنے کا حکم دیا اور قدم رسول میں جا کر نماز پڑھی، شکرانے کے نفل ادا کیے، مجاورں کو انعام دیا اور خواجہ سرا کے ساتھ دیوان خاص میں حاضر ہوا اور تمام کیفیت گوش‌گزار کی۔ شمس الدولہ بخشی اول تمام دن محل سرا پر حاضر رہا۔ دونوں وزیروں کو انعام مرحمت ہوا اور پھر رخصت ہوگئے۔ بادشاہ محل میں تشریف لے گئے۔ مقتول جفت فروش جوہری کے مکان میں جسے لوگوں نے گرا کر میدان بنا دیا تھا، دفن کیا گیا۔ بعد میں وہاں ایک مسجد بنا دی گئی۔ یہ واقعہ ایک عرصے تک فارسی اور ہندی نظموں کا موضوع بنا رہا۔"

۱۔ وزیر کے حق میں اروِن کی یہ رائے خود اس کے ذکر کردہ واقعات کی روشنی میں غیر منصفانہ ٹھہرتی ہے۔

بے نوا کا مخمس دھلی میں اردو شاعری کے ابتدائی دور سے
ملق رکھتا ھے ۔ اس کی تصنیف کی تاریخ ھم کو معلوم ھے کیوں کہ
س واقعے یعنی جوتی فروشوں کے بلوے کی روداد اس کا موضوع
ھے ، وہ گیارھویں سال جلوس محمد شاھی میں رونما ھوتا ھے ۔ اردو
ماعری کے دبستان دھلی میں تاریخی واقعات کے شعر کے ذریعے
ے بیان کی غالباً یہ پہلی مثال ھے اور اسی لیے اس مخمس کو کسی قدر
همیت حاصل ھے ۔ تذکرہ نگار میر صاحب کے زمانے سے اس کا حوالہ
یتے آئے ھیں ، لیکن کسی نے اس کو تمام و کمال نقل نہیں کیا ۔ البتہ
یر صاحب اور ان کی تقلید میں شوق نے اس کے پہلے اور آخری بند
قل کرنے پر قناعت کی ھے ۔ مخمس فی ذاتہ اچھی شاعری کا نمونہ نہیں ،
ماھم بعد کے شعرا کے واسطے وہ ایک مثال بن گیا ھے ۔ ناجی نے
انی ہٹ میں نادر کی آمد ، دھلی کے لشکر کے انتشار ، امرا کی منافقت اور
پاھیوں کی آرام طلبی کے متعلق جو اپنا مخمس لکھا ھے ، بے نوا کی تقلید
علوم ھوتا ھے ۔ میر و سودا نے متعدد شہر آشوب لکھے ھیں ، ان میں
ہایت مشہور سودا کا وہ مخمس ھے جس کی ابتدا ھے :

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانواں ڈول

بے نوا کا مخمس ان ایام میں بہت مشہور ھو گا اور ھندوستان کے
لول و عرض میں اس کی کافی اشاعت ھوئی ھو گی ۔ جس بیاض سے میں
س کو نقل کر رھا ھوں اس کا نمبر میرے مجموعۂ کتب میں جو اب
نجاب یونیورسٹی کی ملک ھے ، ۲۱۶۳ ھے اور مخمس یہ ھے :

مخمس در مذمت طرہ باز خاں

یہ کیا ستم ھے اے فلک ھرزہ نابکار
سرج بھر کے تیز کیا ھے خنجر کی دھار
جوتی فروش مرد مسلمان دین دار
سیکرن جوھری نے لیا ھے ستم سے مار
سنگ جفا سے چور کیا لعل آبدار

موچی و لچے ایکٹھے اللہ کوں کر کے یاد
قاضی و کوتوال سوں کرتے بھریں فریاد
کہتے ہیں بادشاہ سیں دلاؤ ہماری داد
ایکٹھے ہو جور[1] باندھ کفر پر کریں جہاد
تا حشر دین دین محمد ہو برقرار

لچے و موچی ایکٹھے مسجد میں جا کے پیٹھ
حبشی عربی ایکٹھے ہو منبر کوں گھیر بیٹھ
تروار تیر ترکش بندوق سب سمیٹھ
قاضی کا کاڈا[2] حلوہ مفتی کا کچلا پیٹھ
مانع ہوئے نماز کوں اڑ بیٹھے کئی ہزار

نواب طرہ باز نے سن کر یہ ماجرا
مسجد کوں ہو سوار شتابی سیں آ چھڑا (چڑھا)
بولا پڑھو نماز کرو طاعت خدا
قاضی نبی کا نائب حرمت رکھو روا
دنگل میں خاص و عام سیں جب یہ کہا پکار

جوتی فروش بیچ پڑی آ کے کھلبلی
کیتوں کے کنے ڈھیلے ہوے اور عقل ٹلی
بے حد شمار مرحلہ سے جوتیاں چلی (کذا)
کیا نئی کیا پرانی گنوارو[3] (و) گھیتلی[4]
لاہوری[5] سیف خانی[6] چرن مندہ[7] بھتہ دار[8]

تب زر لباس بولا ابس کوٹ چھاتی ہے
یارو برے سمیں کا نہ کوئی سنگاتی[1] ہے

۱- یعنی زور (مرتب) ۲ - کاڈا یعنی نکالا - یہ راجستھانی انداز ہے، پنجابی صورت 'کڈیا' ہے (مرتب) - ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸ : جوتیوں کی مختلف قسمیں ہیں (مرتب) ۸ - ساتھی - (مرتب)

عزت گئی تو جوتی سیں اب جان جاتی ہے
اب بات کچھ نہ بنی ہے اور بن نہ آتی ہے
اب مجھکو سیڈھیوں سیں شتابی لیئو اوتار

دستور بادشاہ نے پیل و پیادہ ساتھ
نواب طرہ باز کے اوپر چلائے ہاتھ
دوسر پڑی لڑائی (و) چھوٹے فتح کے ہاتھ
بندوق لاگی باجنے ہوئی دن کو چاند رات
مسجد میں آ پکارے فرشتے کہ مار مار

بھڑ گئے اس کے بیچ مغل اور پٹھان سب
باجی نفر سپاہی (و) نواب و خان سب
لے کر سلاح ہاتھ میں دھائے ندھان[1] سب
تلوار تیر ترکس جمدھر کوں باندھ سب
گرجا گگن لڑائی کا برسی لہو کی دھار

للکار کھیت بیچ پڑے جو عجیب تھے
کیتے ہوئے شہید جو حق کے حبیب تھے
زخمی ہوئے پٹھان جو جنگ کے نجیب تھے
کھٹ گئے لنبے شان لڑے جو غریب تھے (کذا)
یہ فتح داد حق سیں جسے دیوے کردگار

کیتے غریب غربا تماشے میں پھنس گئے
کیتے نمک حرام لڑائی میں کھنس[2] گئے
کیتے ہی کود پھاند وہاں کاند[3] کھنس گئے
مردوں پہ بوجھ ڈال کے نامرد جس گئے
افسوس کیتے ضائع ہوئے مرد اہل کار

---

۱ ۔ بمعنی آخر ۔ دکنی کا مخصوص لفظ ہے ۔ (مرتب)
۲ ۔ کھنسنا ۔ کھسنا ؛ بھاگ جانا ؟ (مرتب)
۳ ۔ کاند ؛ دیوار ۔ پنجابی میں 'کند' ۔ (مرتب)

کیتوں کو جیو سیں سار قضا نے گرا دیا
سارج بے نوا نیں رقم پر چڑھا دیا
بلوائے عام ملک ظفر خاں اٹھا دیا
لکھتا ہے سار جوبیاں طرہ اوڑا دیا

سا حشر ہر زباں پہ رہے گا یہ یاد گار

دائرہ کے مہدویوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ

(از 'اورینٹل کالج میگزین' بابت ماہ نومبر ۱۹۴۰ و فروری ۱۹۴۱)

ریاست جےپور کی توراواٹی نظامت میں کھنڈیلہ کے نام سے ایک قصبہ ہے جو جےپور سے تیس میل شمال میں مغرب کی طرف ہٹا ہوا واقع ہے۔ یہ ریاستہا کھنڈیلے کے دو حق دار ہیں، دونوں راجا کہلاتے ہیں اور مقامی طور پر بڑا پانا اور چھوٹا پانا کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ راجے ریاست جےپور کو چھ ہزار پانسو پچاس روپے سالانہ خراج میں ادا کرتے ہیں۔ کھنڈیلے سے مشرق میں دس میل پرتاب کے فاصلے پر ایک بستی ہے جو دائرہ کے نام سے موسوم ہے اور ۹۹۹ھ (۱۵۹۰ء) میں بہ عہد جلال الدین اکبر بادشاہ آباد ہوتی ہے اور میاں مصطفیٰ کے گروہ کے مہدویوں کی خالص آبادی ہے۔ اہل دائرہ کو مذہب کے ساتھ ہمیشہ شغل رہا۔ ایک الگ تھلگ مقام میں آباد رہنے اور بعض اخلاقی معتقدات پر یقین لانے کی وجہ سے ان میں مذہبی جوش ہر عہد میں برقرار اور قائم نظر آتا ہے، وہ اپنی روایات زندہ رکھے ہیں؛ جب تک فارسی میں لکھا سکے فارسی سے کام لیتے رہے، جب اردو کا ستارہ چمکا اور محمد شاہ کے عہد سے شمالی ہند میں ادبی تحریک شروع ہوئی، انہوں نے اردو اختیار کر لی اور اپنے مطالعے کے لیے اپنا علاحدہ لٹریچر جو زیادہ تر مذہبی قسم کا تھا، تیار کرتے رہے۔ یہ صرف لٹریچر تیار کیا بلکہ اس کے حفظ میں بھی ساعی رہے۔ ہمارے اپنے دل چسپی کا موجب

یہ امر ہے کہ اس جماعت کے ذریعے سے راجپوتانے میں ہمیں اردو لٹریچر کے وجود کا سراغ لگتا ہے اور اس کے کافی نمونے حاصل ہو جاتے ہیں جن سے اس علاقے میں اردو زبان کی عام حالت اور کیفیت کے مطالعہ کرنے کا ایک غیرمعروف موقع ہم پہنچ جاتا ہے۔ ہم اپنی موجودہ معلومات کی رو سے کہہ سکتے ہیں کہ اہل دائرہ میں اردو زبان کی تصنیفات کا سلسلہ ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ء) سے شروع ہو کر ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ء) کے قریب ختم ہو جاتا ہے۔ اس چوالیس سال کے عرصے میں انہوں نے بیس کے قریب جدید تالیفات مہیا کیں جو ایسی چھوٹی جماعت کے لیے، بالخصوص ان ایام میں، ایک قابل ستائش اور یادگاری کارنامہ ہے۔ یہ تالیفات سب کی سب نظم میں ہیں، نثر کا کوئی نمونہ موجود نہیں۔

ان میں اولیت کا فخر مثنوی 'فیض عام' کو ملتا ہے جو ۱۱۴۱ھ میں لکھی جاتی ہے؛ اس کے بعد 'تاریخ عرسی' کا نمبر ہے جو ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۰ء) میں آغاز پاکر ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶ء) میں ختم ہوتی ہے۔ 'شہادت نامہ' اور 'وفات نامہ' ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ء) کے مصنف آدھیں مہدوی ہیں۔ 'زینت المصلی' اور 'رسالۂ راگ' تالیف ۱۱۸۱ھ (۱۷۶۷ء) بھی انہی کی ملک ہیں۔ 'رسالہ در حجت دلیل بے واسطہ' یا 'خلاصۂ عقیدہ میاں مصطفیٰ' ۱۱۶۵ھ (۱۷۵۱ء) کی یادگار ہے۔ ۱۱۸۰ھ (۱۷۶۶ء) میں محمد جی میاں اماموں کا فتح نامہ تیار کرتے ہیں۔ 'بحرالمعانی' عرف 'معراج نامہ' ۱۱۸۱ھ (۱۷۶۷ء) میں شائع ہوتا ہے۔

یہاں وہ تصانیف مذکور ہوتی ہیں جن کی تاریخ معلوم نہیں۔ مثلاً (۱) 'گناہ کبیرہ' (۲) 'عقائد مہدویان' از محمد جی میاں (۳) 'رسالہ در تائید گروہ میاں مصطفیٰ' از سید مرتضیٰ بن سید شریف (۴) ایک نظم 'حق حاضر ہے حق ناظر ہے' (۵) 'عرس و تاریخ میران علیہ السلام' (۶) 'نقل ہرزم فروس' از ظہور مطہر (۷) 'شمائل نامہ' از ابدال برین (۸) 'نقل مردے کہ چہار چیزش آمدہ بود' (۹) 'اثبات مہدویت' (۱۰) 'شہادت نامہ' سید خوند میر (۱۱) رسالہ نظم 'سپاس اور منت خدا راست بس' (۱۲) 'درویش نامہ'

(۱۳) رسالہ : اولاً وصف ہے سجان جو ہے صاحب سلطان
(۱۴) ریختہ 'عقائد مہدویان' ۔

صفحات آئندہ میں انھی کتابوں اور رسالوں پر تبصرہ پیش کیا جاتا ہے ۔ لیکن تبصرے سے بیشتر ہمیں مہدویوں کی تحریک کے بانی اعظم حضرت سید محمد جونپوری سر بندگی میاں مصطفیٰ پیشوائے اہل دائرہ کے حالات جاننے نہایت ضروری ہیں ۔ اس حصے کو میں نے حتی الامکان مختصر کر دیا ہے اور ایسے عنصر کو جو ان کی کرامتوں سے تعلق رکھتا ہے ، بالکل حذف کر دیا ہے ۔ تا ہم میں دیکھتا ہوں کہ مضمون بہت لمبا ہوگیا ہے اور مجبوراً مجھ کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا ہے ۔

پیشتر اس کے کہ اس پیش نامے کو ختم کروں ، میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ سید خیرالدین صاحب وکیل ٹھکانجات جےپور کی خدمت با برکت میں اس مجموعۂ تصانیف اہل دائرہ کے واسطے جو انھوں نے نہایت مہربانی اور فیاضی سے کام لے کر مجھے مستعار دی ہیں ، اپنی دلی ممنونیت کا اظہار کروں ۔ اہل دائرہ کی ادبی تحریک میرے نزدیک اردو کی تاریخ کا ایک نا معلوم ورق ہے اور اس ورق کو منظر عام پر لانے میں سید صاحب ممدوح کی علم دوستی اور فیاضی میری شریک غالب ہے ۔

حضرت سید محمد جون پوری بانی فرقۂ مہدویہ

نویں صدی ہجری مذہبی اعتبار سے نہایت انقلاب انگیز اور یادگار صدی ہے جس میں کئی جدید تحریکیں بروئے کار آئیں ۔ مخلوق کو اپنے خالق کی تلاش میں زبردست انہاک رہا ۔ جدید پیشوا اور مصلح پیدا ہوئے جو بھولی دنیا کو بیدار کرنے اور پیغام حق سنانے میں کامیاب ہوئے ۔ نئے مذہب اور نئے فرقے پیدا ہوئے اور پروان چڑھے ۔ مداری و جلالی فرقے ، کبیر پنتھی ، دادو پنتھی ، ست نامی ، اسی صدی کی یادگار ہیں اور سید محمد جونپوری بھی جو فرقۂ مہدویہ کے بانی ہیں ، اسی صدی کی پیداوار ہیں ۔ مہدویت کے خروج سے نہ صرف ایک نیا فرقہ وجود میں آیا بلکہ اس نے اپنے پیروؤں میں

ایک تازہ روح اور دینی جوش پھونک دیا ؛ ایک نئی قسم کی رہبانیت کی ترویج کی ؛ نئی جماعت بندی ہوئی اور نیا لٹریچر وجود میں آیا ؛ نئے فدائی اور شہدا پیدا ہوئے جو عقیدے کی خاطر اپنا جان و مال ہر وقت قربان کرنے کے لیے مستعد تھے ۔ قید و بند ، قتل و غارت ، اخراج اور دنیوی لالچ انھیں اپنے معتقدات سے متزلزل نہیں کر سکتا تھا ۔ دنیا ترک کی اور مہدی کی خاطر طرح طرح کے عذاب سہے ، مگر اس سے غداری نہیں کی ۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس مہدی کی زندگی کے مختصر حالات اپنے سامعین کی خدمت میں پیش کریں ۔

۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) میں حضرت سید محمد بانی فرقہ مہدویہ شہر جونپور میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد کا نام سید عبداللہ عرف سید خاں ہے ۔ والدہ کا نام بی بی آمنہ عرف آغا ملک ہے ۔ سات برس کی عمر میں حفظ قرآن کر کے بارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے ۔ چوں کہ موسیقی میں دلیر اور مباحثے میں شیر تھے شیخ دانیال جونپوری و دیگر علماء نے آپ کا لقب اسد العلماء قرار دیا ۔ انیس سال کی عمر میں یعنی ۸۶۶ھ (۱۴۶۱ء) میں آپ کی چچا زاد بہن بی بی الہ دادی دختر سید جلال الدین بن سید عثمان سے آپ کا نکاح ہوا ۔

سید محمد نے عنفوان شباب سے عالم درویشی میں قدم رکھا اور دنیا ان کی معتقد ہونے لگی ۔ جب آپ کی ولایت کا زیادہ چرچا ہوا سلطان حسین شرقی [۸۶۳ھ (۱۴۵۸ء) و ۸۸۵ھ (۱۴۸۰ء) متوفی ۹۰۵ھ (۱۴۹۹ء)] اس وقت جون پور کے تخت پر جلوہ فرما تھا ؛ وہ خود آپ کی مجالس وعظ میں حاضر ہوا ۔ مہدویوں کی روایت ہے کہ ان ایام میں سلطان حسین راؤ دلپت[۱] والئی گوڑ کا خراج گزار تھا ۔ آپ نے

---

۱ ۔ یہ قصہ تاریخی نقطۂ نظر سے محل تامل ہے کیوں کہ تاریخ میں کوئی ایسا راجا نظر نہیں آتا ۔ گوڑ (بنگال) ان ایام میں مسلمانوں کے زیر نگیں ہے اور حسین کا سب سے بڑا دشمن راؤ دلپت نہیں بلکہ بہلول لودھی ہے جو متواتر جنگوں کے بعد ۸۸۵ھ میں حسین کی سلطنت پر قابض ہو جاتا ہے اور حسین بنگالے میں جا کر پناہ لیتا ہے اور ۹۰۵ھ میں وہیں مرتا ہے ۔

اثنائے وعظ میں فرمایا کہ مسلمان جا کر تو چاھیے کہ مطیع الاسلام رھے ۔ سلطان نے کہا جب ھندو فوج ھو تو کیا کیا جائے ؟ اگر میں فوت پر خراج ادا نہ کروں تو ھندو راجا میرا ملک شاہ و تاراج کر دے گا ۔ آپ نے جواب دیا خدا دین حق کا ناصر ہے ، ہمت شرط ہے ۔ اس جواب سے سلطان کی حوصلہ افزائی ھوئی ۔ اس نے ایک بڑی رقم مجاھدین کے صرفے کے لیے بھیج دی ۔ آپ نے اس رقم سے سترہ سو جوان عراقی ملازم رکھ لیے ۔ جب خراج دینے کا وقت آیا ، سلطان نے اس کی ادائگی سے صاف انکار کر دیا ۔ والئی گوڑ راجہ دلپت رائے ستر ہزار فوج لے کر چڑھ دوڑا ۔ سلطان نے آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اب وقت آ پہنچا ہے کہ مسلمان ستم کیوں کے ہاتھ سے شہید ہوں ۔ آپ نے جواب میں فرمایا خدا پر بھروسہ رکھو ، میں میدان میں آتا ھوں ، تم بھی تیار ھو کر آؤ ۔ الغرض آپ ستر سو سترہ آدمی لے کر میدان میں آ دھمکے ۔ سلطان نے عراقی سواروں کو حضرت کے مطیع فرمان کر دیا ۔ سلطانی فوج راجا کی ٹڈی دل فوج کے مقابلے میں بہت کم تھی ؛ جنگ شروع ھوئی اور گھمسان کا رن پڑا ؛ راجا کے لشکر نے شاھی فوج کو ایسا دبایا کہ اس کے پاؤں اکھڑ گئے مگر آپ حضرت اپنے دستے کے ساتھ میدان میں قدم گاڑے کھڑے رھے ۔ سلطان نے بمعام بھی بھیجا کہ پلٹ آئیے ۔ جب راجا نے دیکھا کہ ایک مختصر جماعت ابھی تک جنگ میں ڈٹی ھوئی ہے ، اس نے اپنے ایک مست ہاتھی کو ان پر ریل دیا ۔ حضرت نے ہاتھی کی طرف گھوڑا بڑھایا اور ایک تیر اس کی مستک پر اس زور سے مارا کہ سوفار تک غرق ھو گیا ۔ ہاتھی زخمی ھو کر پلٹ پڑا اور اپنی فوج کو روندنے لگا ۔ راجا کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی ۔ راجا آگے بڑھا ، اس نے آپ پر تلوار کا ہاتھ چھوڑا ، تلوار گھوڑے کی گردن پر پڑی مگر کارگر نہ ھوئی ۔ اب آپ نے اس پر وار کیا اور تلوار سر کاٹتی ھوئی سینے تک پہنچی ۔ راجا وھیں ڈھیر ھو گیا اور مسلمانوں کی فتح ھو گئی ۔ میاں دلاور حضرت سید محمد کے خلیفہ اسی راجا کے بھانجے ھیں اور لڑائی میں اسیر ھو کر آپ کی خدمت میں پہنچے ۔ اس جنگ کے بعد بارہ سال آپ پر جذبے کی حالت میں گزرتے ھیں ۔

۸۸۷ھ (۱۴۸۲ء) میں حب آپ کی عمر حالیس سال کی تھی آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا ؛ سلطان حسین[1] نے بھی سلطنت چھوڑ کر ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر تم ہمارے ساتھ رہو گے تو کفار پھر سر اٹھائیں گے اور مسلمان تباہ ہو جائیں گے ۔ یہ کہہ کر سلطان کو اس کے ایمان کی سلامتی کی بشارت دی اور داناپور روانہ ہو گئے ۔ وہاں سے کالپی ، چندیری ہوتے ہوئے چانپانیر پہنچے اور جامع مسجد میں قیام فرمایا ۔ سلطان محمود ۸۶۳ھ (۱۴۵۸ء) و ۹۱۷ھ (۱۵۱۱ء) ان دنوں گجرات کا بادشاہ تھا ، جب اس نے آپ کی مجلس وعظ کا چرچا سنا اپنے دو معتمد فرہادالملک اور سلیم خان کو دریافت حال کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا ۔ یہ لوگ آپ کا بیان وعظ سن کر اس قدر گرویدہ ہوئے کہ مرید ہو گئے ۔ اسی مقام پر آپ کی حرم محترم یعنی بی بی الہ دادی ۲ ذی‌الحجہ کو انتقال فرماتی ہیں ۔ چانپانیر میں آپ کا قیام ڈیڑھ سال رہا ؛ اس اثنا میں ہزاروں نے آپ سے فیض پایا ۔ اب آپ مانڈو تشریف لائے ۔ لیکن بعض سوانح نگار لکھتے ہیں کہ آپ حیدری سے پہلے مانڈو گئے اور پھر چانپانیر پہنچے ۔ ہمارے خیال میں یہ بیان زیادہ صحیح ہے ۔ بہرحال حضرت کی تشریف آوری کے وقت مانڈو کا حاکم سلطان نصیرالدین[2] تھا ۔ اس نے اپنے باپ سلطان غیاث الدین کو قید کرکے اپنی حکمرانی کا سکہ جمایا تھا ۔ غیاث الدین نے آپ کی خدمت میں ساٹھ توڑے روپے ، اشرفی و زر و جواہر کے اور ایک تسبیح موتیوں کی جس کی قیمت ایک کروڑ محمودی تھی بھجوائے اور دعا کا طالب ہوا ۔ دولت آباد میں آپ نے

۱ ۔ سلطان حسین تو اس زمانے سے دو سال پہلے اپنا ملک بہلول لودھی کے ہاتھ پر کھو کر بنگالے میں پناہ گزیں ہو جاتا ہے ۔ اس لیے اس سفر میں حضرت سید محمد مہدی کے ساتھ اس کو شرف معیت کی خواہش کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکتا ۔

۲ ۔ دونوں نام درست نہیں ۔ غیاث شاہ خلجی والئی مانڈو ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) سے ۹۰۶ھ (۱۵۰۰ء) تک اور ناصر شاہ ۹۰۶ھ (۱۵۰۰ء) سے ۹۱۶ھ (۱۵۱۰ء) تک حکومت کرتا ہے ۔

مزارات اولیاء اللہ کی زیارت کی ۔ احمد نگر میں احمد نظام شاہ بن نظام الملک بحری کے اولاد نہ ہوتی تھی ۔ خدا نے آپ کی دعا قبول کی اور اس کے اولاد ہوئی ۔ بیدر میں جب پہنچے اس وقت ۹۰۰ھ (۱۴۹۴ء) اور وہاں کا بادشاہ قاسم برید (۸۹۷ھ - ۱۴۹۱ء و ۹۱۰ھ - ۱۵۰۴ء) تھا ۔ یہاں آپ پورے ڈیڑھ سال قیام فرماتے ہیں اور بڑے بڑے علماء اور شیخ زادے مثلاً جناب شیخ مومن نوہی ، قاضی علاؤالدین ، مولانا ضیاء الدین عاشق اللہ اور قاضی منتجب الدین جونپری آپ کی تصدیق کرتے ہیں ۔ بیدر سے رخصت کے وقت آپ کے ساتھ تین سو ساٹھ یار و احباب کی جماعت تھی ۔ اب ارادہ ہوا کہ بیجاپور ہوتے ہوئے ڈابول سے جہاز پر بیٹھ کر برائے حج بیت اللہ شریف لے جائیں مگر کسی شرارت کی بنا پر آپ کو گلبرگہ جانا پڑا ۔ زیارتوں سے فارغ ہو کر براہ بیجاپور و چیماپور ڈابول بندر پہنچے اور جہاز میں سوار ہو کر جدہ ہوتے ہوئے مکۂ معظمہ پہنچے۔ یہ ۹۰۱ھ (۱۴۹۵ء) تھا ۔ آپ کی عمر اس وقت چون سال تھی ۔ طواف کے بعد آپ نے درمیان رکن و حجر اسود مجمع کثیر میں دعوت مہدویت کی ۔ واپسی کے وقت آپ بقولے دیو بندر اور بقولے بندر کھمبایت میں جہاز سے اترے ۔ کھمبایت میں اکثر بورے آپ کے مرید ہو گئے ۔

احمد آباد پہنچ کر آپ نے تاج خان سالار کی مسجد میں جمال پور کے قریب اقامت فرمائی ۔ یہاں آپ کی شہرت اس کثرت سے ہوئی کہ ہزارہا آدمی آپ کی مجالس وعظ میں شریک ہونے لگے اور باوجود مسجد کی وسعت کے دل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی ۔ آپ کے بیان کا ایک اعجاز یہ تھا کہ وعظ نزدیک اور دور کے آدمیوں کو یکساں سنائی دیتا ۔ ایک دن جب آپ آیۂ ”لن تنا لوالبر حتی تنفقوا“ پر وعظ کر رہے تھے ، ملک برھان الدین جو بڑےعالم اور جلیل القدر امرائے احمدآباد سے تھے ، ترک دنیا کرکے آپ کے مصدق ہو گئے ۔ امیر ملک گوھر خزانہ دار بادشاہ بنگالہ ، سلطان محمود بیگڑہ کا بد چلن بھانجا اور حاجی مالی آپ پر ایمان لاتے ہیں ۔ قاضی بڈھن صاحب ، شاہ عبدالمجید نوری ، امین محمد صاحب اور ابو محمد صاحب فرزندان شاہ سعداللہ ، مولانا یوسف ،

مولانا احمد شاہ قدن جو جماعت علماء و مشائخ سے تعلق رکھتے ہیں ، آپ کی تصدیق کرتے ہیں ۔ بالآخر علمائے احمد آباد آپ کے روز افزوں اثر اور خلق اللہ کے عام رجوع کی حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور چنانچہ اس مضمون کی عرضی بھیجی کہ سید محمد جونپوری کے وعظ و تلقین میں تجرد اور ترک دنیا کی ترغیب ہوتی ہے ۔ تمام شہر کے علماء و سپاہ و رعیت و مسائخ چند ہی روز میں ان کے معتقد و گرویدہ ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں ؛ سب کے سب دنیا چھوڑ کر اگر فقیر بن گئے تو ریاست کے کل پرزے بیکار ہو جائیں گے ۔ اگر کچھ دنوں یہ سید یہاں اور رہا تو تمام شہر اس کا مطیع ہو جائے گا اور ریاست ہاتھ سے جاتی رہے گی ؛ بہتر ہے کہ ابھی سے انسداد کیا جائے ۔ اس درخواست پر آپ کے اخراج کا حکم ہوا اور آپ نے پٹن کا رخ کیا ۔

مرآت سکندری میں یہ واقعہ کسی قدر مختلف بیان ہوا ہے ، جو یوں ہے کہ ایک روز سید (محمد مہدی) نے کہا کہ میں خدا کو اسی سر کی آنکھ سے دکھا سکتا ہوں ۔ اس پر علمائے احمد آباد نے ان کے قتل پر فتویٰ دے دیا مگر مولانا محمد تاج کہ اعلم العلماء و استاد الاساتذہ تھے ، مفتیوں کو خطاب کرکے کہتے ہیں کہ ہم نے علم کیا اسی غرض سے سیکھا تھا کہ سید کے قتل پر فتویٰ دو؟ :

''همه فتویٰ نوشتند الا مولانا محمد تاج که اعلم علمائے عصر بود و اوستاد اوستادان شهر ، بعلما گفت که شما علم را برائے همین آموخته اید که بر قتل سید فتویٰ بدهید ۔''

الغرض سید احمد آباد سے پٹن کو روانہ ہوئے ۔ بڑلی پٹن سے تین کوس پر ایک گاؤں ہے ، وہاں قیام کیا اور مہدویت کی دعوت دی ۔ (مرآت سکندری ، بہ‌حوالۂ سوانح مہدی موعود ، صفحہ ۵۲) جب پٹن پہنچے ۹۰۳ھ (۱۴۹۷ء) یا ۹۰۴ھ (۱۴۹۸ء) تھا ، یہاں بھی مرجع خلق اللہ بن گئے ۔ ملک نجن نے تصدیق کی اور اجازت لے کر سید خوند میر کو خدمت میں لے گئے ۔ انھوں نے بھی تصدیق کی ۔ ملک یعقوب صوبے دار پٹن ، ان کے فرزند اور لواحق سب کے سب آپ کی تلقین میں آ گئے ۔

اسی طرح شہر کے مشہور علماء مولانا یوسف سہت اور ان کے بھائی مولانا محمد تاج جو سرآمد طبقۂ علماء تھے ، نیز مولانا عبدالرشید پٹنی آپ کے مصدق ہوئے ۔ ملک معروف اور ملک برہان الدین بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے ہیں ۔ اسی شہر میں مولانا لاڑشہ کی دختر بی بی ملکاں سے آپ کا نکاح ہوا ۔ سید صاحب نے یہاں اپنے فرزند سید محمود ثانی مہدی کو جو آپ کے بعد آپ کے خلیفۂ اول بنتے ہیں ، کسب معاش کے لیے ملازمت کی اجازت دی جو ملک عثمان باڑیوال کی معرفت سلطان محمود بیگڑہ کی خدمت میں کسی منصب پر سرفراز ہوئے ۔

پٹن میں جب آپ کے معتقدین کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی اور علماء کی بے قدری ہونے لگی ، سب نے متفق ہو کر سرکار شاہی میں آپ کے خلاف درخواست ارسال کی ؛ شاہی کی طرح اخراج کا حکم صادر ہوا ۔ آپ اس سے قبل پٹن سے کوچ کا عزم کر چکے تھے ؛ پٹن سے بڑلی پہنچے جہاں آپ نے مہدی موعود بننے کا دعویٰ کیا ۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھاون سال کی ہو چکی تھی اور ۹۰۵ھ (۱۴۹۹ء) تھا ۔ آپ نے سلطان محمود والئی گجرات و دیگر سلاطین کو تبلیغی خطوط بھیجے اور چار ماہ تک ان کے جواب کی امید میں بڑلی قیام پذیر رہے ۔ اس اثنا میں پٹن کے علماء ملا معین الدین کی قیادت میں آپ سے مباحثہ و مناظرہ کرنے کے لیے بڑلی آئے اور مغلوب ہو کر واپس گئے ۔

بڑلی سے چل کر آپ جالور پہنچے ۔ زندۂ الملک حاکم جالور آپ کی مجلس میں آیا اور مرید صادق بن گیا ۔ جالوری ہزاروں کی تعداد میں آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے ۔ چار مہینے جالور میں رہ کر نصیرپور ہوتے ہوئے ناگور پہنچے ۔ ملک جی حاکم ناگور علماء کو جمع کرکے مناظرے کی نیت سے آیا مگر جیسے ہی اس کی نگاہ آں حضرت پر پڑی آپ کی تلقین پر ایمان لے آیا ۔ ناگور کے دیگر اشراف و اعیان اور علماء آپ کی تصدیق سے مشرف ہوئے ۔ یہاں سے آپ جیسلمیر ہوتے ہوئے ٹھٹھے وارد ہوئے ۔ جام نظام الدین والئی ٹھٹھہ نے ، جس کو جام نندا بھی کہتے ہیں ، علمائے وقت کو آپ کے ساتھ بحث و مناظرے کے واسطے بھیجا ۔ انھوں نے واپس آکر آپ کی شکایت کی اور جام نندا کو آپ

کے قتل کی ترغیب دی - جام نے اپنے میر لشکر دریا خاں کو آپ کے اخراج کا حکم دیا اور کہا کہ اگر عدول حکمی کریں تو قتل کر دینا - دریا خان نے فوج ساتھ لی اور جب قریب پہنچا ، چند آدمیوں کو ساتھ لے کر آپ کی اقامت گاہ میں آ پہنچا - جیسے ہی آن حضرت کی نظر دریا خاں پر پڑی ، گھوڑے سے گر کر بے خود ہو گیا ؛ آپ کی تصدیق کر کے اور تلقین پا کر واپس ہو گیا - جام اس خبر سے بڑا پریشان ہوا - آخر اس نے اپنے پیر شیخ صدر الدین سندھی کو جو اپنے وقت کے فاضل اور نامور شیخ تھے ، طلب کر کے بہ غرض مناظرہ بھیجا ؛ شیخ آئے اور بحث کے بعد آپ کے معتقد ہو گئے ، اور دنیا ترک کر کے آپ کے گروہ مہاجریں میں شامل ہو گئے - اب سندھی کثرت سے آنے اور مصدق ہونے لگے - ان میں مرزا شاہ بیگ بھکر کے امیر اور شیخ الیاس مولوی اور جناب قاضی قاضن قاضی سندھ قابل ذکر ہیں - مؤخرالذکر مشرکوں کا لباس پہنے اور زنار گلے میں ڈالے حاضر خدمت ہوئے - آپ نے دیکھتے ہی فرمایا ''قاضی قاضن یہ کیا سوانگ ہے ؟'' اس لطیفے پر قاضی صاحب ایمان لے آئے - ٹھٹھے میں ایک سال ٹھہرنے کے بعد آپ براہ دریا کاھہ شریف لے گئے - حاکم کاھہ اشرف خاں آپ کے مصدقین میں شامل ہو گیا - یہاں آپ کے اصحاب کو بھوک اور فاقوں سے بڑی تکلیف اٹھانی پڑی اور آپ کی جماعت کے چوراسی بندگان خدا نذر اجل ہوئے - مشکر خاتون اور قاضی خاں فاقوں کی تاب نہ لا کر گجرات کو چلے گئے - اس وقت آپ کی جماعت میں نو سو نفوس تھے ؛ ان میں عیالدار تین سو ساٹھ تھے - ایک روایت کی رو سے بائیس سو تھے ، جن میں نو سو عیالدار اور باقی تیرہ سو مجرد تھے - اسی مقام پر بی بی بون آپ کے نکاح میں آئیں -

کاھہ سے قندھار کی طرف کوچ ہوا ؛ راستہ بڑا خطرناک تھا ؛ موذی جانور ، حشرات الارض اور درندوں کے علاوہ زھریلے سانپ بہ کثرت تھے ، مگر آن حضرت مع اپنے مہاجرین کے بخیر و عافیت قندھار پہنچ گئے - قندھار میں اول اول آپ پر سختیاں ہوئیں لیکن جب شاہ بیگ حاکم قندھار آپ پر ایمان لے آیا ، وہاں کے شرفا اور

معززین کثرت سے آنے اور تصدیق کرنے لگے ۔ منجملہ ان کے جناب محمد کاشانی ، میاں اشرف ھانسوی ، میاں دانس خراسانی ، جناب حاجی محمد عبداللہ ، عبدالہاشم ، عبد القادر ، کبیر خاں ، شریف محمد ، کمال خان و چالاک خان ترک دنیا کر کے آپ کے ہمراہ ہو لئے ۔ قندھار سے روانہ ہو کر منزل بہ منزل موضع دلارام ہوتے ہوئے قصبہ کوہ پہنچے ۔ یہاں متعدد علماء و اکابرین آپ کے معتقدوں میں داخل ہوئے ۔ قندھار سے فراہ پورا دس منزل ہے ، یہاں پہنچ کر حضرت سید محمد مہدی ملک اسکندر کی سرائے میں جو شہر کے باہر ہے ، قیام پذیر ہوئے ۔ فراہ میں آپ کے کلام و بیان و دعوت مہدیت کی بڑی شہرت ہوئی ۔ قاضی کے حکم سے اگرچہ فوج نے آپ سے ہتھیار و سامان لے لیا مگر سردار فوج سرور خاں بہت جلد آپ کا معتقد بن گیا ۔ ادھر میر ذوالنون عامل فراہ بھی ارادت لے آیا ۔ علما کا ایک گروہ بھی مناظرے میں شکست پا کر آپ کے مریدان با اخلاص میں شامل ہو جاتا ہے ۔ عامل نے آپ کے دعوے کی تصدیق کرتے ہوئے ایک عرضی سلطان حسین (بایقرا) (۸۷۸ھ ، ۱۴۷۳ء و ۹۱۲ھ ، ۱۵۰۶ء) والی ہرات کی خدمت میں بھیجی ۔ سلطان نے آپ سے مناظرے کے لیے علماء کو بلایا ؛ جب یہ علماء آئے ، وہ بھی آپ کے پیرو بن گئے ۔ سلطان خود آ کر آپ کی تصدیق کرنا چاہتا تھا ، مگر بہ وجہ شیخوخت و پیرانہ سالی سفر کرنے کے قابل نہ تھا ، تاہم ہمت کر کے وہ چند منزل چلا تھا کہ پیام اجل آپہنچا اور وفات پائی[۱] ۔

جب آپ کی عمر تریسٹھ سال کی ہوئی ، آپ ایک روز جمعہ پڑھنے موضع رچ میں جو فراہ کے قریب ہے ، تشریف لے گئے ۔ راستے میں ایک مقام پر ٹھہرے اور فرمایا کہ ملائکہ نور کے طبقات لے کر اس مقام پر آئے ہیں اور خدائے تعالیٰ کا حکم ہے کہ یہ مقام

---

۱ ۔ سلطان حسین ۹۱۲ھ میں یعنی حضرت سید محمد مہدی کی وفات سے جو ۹۱۰ھ میں واقع ہوتی ہے ، دو سال بعد انتقال کرتا ہے ، اس لیے اس قصے کا ضعف ظاہر ہے ۔

متبرک ہے ''یہاں ٹھہر جا۔'' بالآخر آپ اسی مقام پر دفن ہوئے۔ آپ کی وفات ۱۹ ذی قعدہ ۹۱۰ھ کو یوم دو شنبہ ڈیڑھ پہر دن چڑھے واقع ہوئی۔ لفظ 'فضل' سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ دفن کے لیے اہل فراہ اور اہل رح میں جھگڑا ہوا۔ فراہ والے اپنے علاقے میں، اور رح والے اپنے علاقے میں دفن کرنے کے خواہش مند تھے۔ آخر آپ کو فراہ اور رح کے مابین ایک باغ میں دفن کیا گیا جہاں آخری جمعہ پڑھتے وقت آپ ایک مرتبہ ٹھہرے تھے۔ قبر میں رکھنے کے بعد جب سید محمود نے کفن میں آپ کو ٹٹولا تو آپ کی میت کا نشان نہیں ملا۔ اس واقعے پر سب حیرت زدہ رہ گئے۔

حضرت سید محمد مہدی کے یہ وہ حالات ہیں جو میں نے مولانا سید ولی صاحب سکندر آبادی کی تصنیف ''سوانح مہدی موعود'' سے اخذ کیے ہیں۔ یہ کتاب اگرچہ اپنے مضمون پر نہایت قابل قدر مانی جا سکتی ہے، مگر مصنف نے اپنے پیشوا کی شخصیت کو خوش عقیدگی اور کرامت کے پردوں میں اس قدر چھپا دیا ہے کہ ان کے اصلی خط و حال کی شناخت دشوار ہو گئی ہے۔ سید صاحب کی شان اس میں شک نہیں کہ نہایت اعلیٰ و ارفع ہے؛ خود ان کے مخالف ان کی بزرگی کو تسلیم کرتے ہیں؛ تمام دسویں صدی میں ان کا نام مخالف و موافق حلقوں میں گونجتا رہا ہے۔ وہ ایک زبردست عالم اور فاضل کامل تھے؛ علوم ظاہری و باطنی میں ان کو کامل دستگاہ تھی۔ ان کی زندگی میں ان کے معتقدین کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر گئی تھی۔ نہ صرف عامی و جاہل ان کے حلقہ بہ گوش تھے بلکہ علما و فضلا، امرا و شرفاء ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ کمالات علمی کے ساتھ ساتھ خدا نے ان کی زبان میں جادو اور بیان میں تاثیر دی تھی۔ ان کی آنکھ میں تسخیر کرنے کی بڑی طاقت تھی۔ دشمن بھی ان کے سامنے آ کر موم ہو جاتے تھے۔ بحث و مباحثے میں بے نظیر تھے۔ زبردست سے زبردست حریف کو بھی ان کے مقابلے میں اپنی شکست تسلیم کرنی پڑتی تھی۔ بایں ہمہ تقدس وہ ظرافت کی چاشنی سے بھی خالی نہ تھے، بلکہ بعض اوقات اپنی اس استعداد سے انہوں

نے اپنی شکست کو فتح میں بدل دیا ہے ۔ ان کے ایک کامیاب ریفارمر
اور اعلیٰ مصلح ہونے میں کوئی شک نہیں ۔ مہدویت کے علاوہ انہوں
نے کوئی بدعت روشناس نہیں کی ، بلکہ تقویت دین اسلام و اعلائے شریعت
رسول سے کام رکھا ۔ دین کی بادشاہی کی بجائے اگر کہیں دنیاوی بادشاہت
قائم کرنے کا ان کو خیال آ جاتا تو آج ہندوستان کی تاریخ میں ایک کی
جگہ سادات کی دو سلطنتوں کا حال ہم پڑھتے ۔

مہدویوں کا عقیدہ

مہدویوں کا عقیدہ ہے کہ فرائض و واجبات قرآنی دو قسم کے
ہیں ۔ پہلی قسم میں وہ احکام شامل ہیں جن کا تعلق نبوت و شریعت
سے ہے ۔ ان احکام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلسان شریعت
مفصل بیان فرما دیا ۔ دوسری قسم میں وہ احکام ہیں ، جن کا تعلق
خاص ولایت محمدیہ سے ہے ۔ اب مشیت الٰہی کو منظور ہوا کہ ان
احکام کی بھی تبلیغ ہو جائے ، لہٰذا حضرت سید محمد مہدی موعود
مبعوث ہوئے ، جو دافع ہلاکت امت محمدیہ اور ناصر شریعت محمدی و
مبلغ احکام ولایت محمدی ہیں ۔ مقام ولایت میں جو امور فرض ہیں ،
یہ ہیں :

(۱) ترک دنیا (۲) صحبت صادقاں (۳) عزلت از خلق (۴)
ذکر کثیر (۵) ہجرت و توکل (۶) طلب دیدار خدا (۷) عسر ۔

سید محمد مہدی کے جانشین

حضرت سید محمد مہدی کے جانشین ان کے فرزند سید محمود ثانی مہدی
ہوتے ہیں ، جو ۸٦۷ھ یا ۸٦۹ھ میں پیدا ہوتے ہیں ۔ وہ ایک سال
کے بعد اپنی جماعت کو لے کر گجرات آ جاتے ہیں اور موضع بھلوٹ
میں جو رادھن پور سے تین کوس مغرب میں ہے ، قیام کرتے ہیں ۔ جب
ان کی شہرت عام ہوئی خلق اللہ کا ہجوم ہونے لگا ، مخلوق کثرت
سے آتی اور گھربار ترک کر کے آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل
ہو جاتی ۔ مہدویت کی اس روز افزوں ترقی کو دیکھ کر حکومت کو

اندیشہ ہوا ، علمائے اسلام کو خوف ہوا ؛ چناں چہ علماء نے متفق ہو کر بادشاہ کی خدمت میں چانپانیر شکایت بھیجی ؛ شاہی حکم پر پولیس آئی اور سید محمود ثانی مہدی کو قید کر کے لے گئی - آپ چالیس روز برابر قید میں رہے اور بادشاہ کی بہنوں کی سفارش سے جو آپ کی معتقد تھیں ، قید سے رہائی پائی - آپ نے ۴ رمضان ۹۱۹ھ ، (۱۵۱۳ء) یا ۹۲۰ھ ، (۱۵۱۴ء) کو وفات پائی -

سید خوند میر ان کے قائم مقام ہوتے ہیں - یہ مہدی موعود کے داماد بھی ہیں - اس وقت تک حکومت گجرات مہدویوں سے کافی بد ظن ہو چکی تھی - سید خوند میر کا پیس محلف مقامات سے اخراج کیا گیا - علمائے احمد آباد نے مہدویوں کے قتل کے فتوے دے دیے اور ان کی پیشانیوں کو ایک لوہے سے جس کا سرا کوے کے پنجے کے مشابہ تھا ، داغنے لگے - دو مہدوی رنگریز لڑکوں کو قتل کیا گیا - ملا حمید اور ملا انارالدین ؟ پر قتل کا فتویٰ لگا اور حد جاری ہوئی - جب دیکھا کہ مہدوی تحریک سیاسی اہمیت حاصل کر رہی ہے ، ان کے قتل عام کے لیے سولہ ہزار فوج بہ سرکردگی عین الملک روانہ کی - یہ مظفر شاہ گجراتی (۹۱۷ھ ، ۱۵۱۱ء و ۹۳۲ھ ، ۱۵۲۵ء) کا زمانہ ہے - شاہی فوج ۱۲ شوال ۹۳۰ھ کو جماعت مہدویہ کے مقابلے پر آتی ہے ؛ کھاسل یا کھاریال میں پڑاؤ تھا ؛ سید خوند میر صرف ساٹھ جان باز لے کر مقابلے میں نکلے - ان مٹھی بھر فدائیوں نے شاہی فوج میں قیامت مچا دی - چھ سات سو سپاہیوں کو میدان جنگ میں موت کی نیند سلا دیا - شاہی فوج نے بری طرح شکست کھائی - فاتحین نے ڈیڑھ میل تک دشمن کا تعاقب کیا - سید خوند میر اس معرکے میں زخمی ہوئے - ۱۴ شوال سنہ مذکور کو شاہی فوج پھر بڑھی اور معرکۂ کار زار ازسرنو گرم ہوا - مہدوی نہایت بے جگری سے لڑے اور جب تک کہ ان میں کا ایک ایک شخص قتل نہ ہو لیا ، جنگ سے منہ نہ پھیرا -

شاہ نعمت مہدویوں کے خلفۂ سویم ہیں - ان کے والد کا نام شیخ بڑے ہے ، جو شیخ بیانی صدیقی تھے - شاہ نعمت گھر کے رئیس

تھے ، سپہ گری اور پہلوانی کا بڑا دم بھرتے تھے ۔ ایک دفعہ کہیں تکرار ہو گئی ، آپ نے طیش میں آ کر سات آدمیوں کو قتل کر دیا اور پچیس تیس آدمی اپنے همراہ لے کر احمد آباد کی اطراف میں لوٹ مار شروع کر دی ۔ شاهی فوج ان کے تعاقب میں نکلی ۔ ایک روز انھوں نے جنگل میں اذان کی آواز سنی ، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سید محمد مہدی مع اپنی جماعت متوکلین کے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔ احمد آباد سے ان کا اخراج ہو گیا ہے ۔ ان کو سید صاحب سے ملاقات کا اشتیاق ہوا ، جب سامنے پہنچے ، ایک هی نگاہ میں مسخر ہو گئے ، دوڑ کر قدموں پر گر گئے ، توبہ کی اور ترک دنیا کر کے مہدی کے خدمت گزاروں میں شامل ہو گئے ۔ مہدی کی وفات کے بعد ثانی مہدی کے ساتھ گجرات آ گئے ۔ آپ کا دائرہ پٹن ، جالور ، احمد آباد ، احمد نگر ، خاندیس وغیرہ مختلف مقامات میں رہا ہے ۔ جب آپ کا مقام موضع منولی میں قریب قلعہ لوہ گڑھ تھا ، نماز عشا کے بعد آپ کے دائرہ سے آواز تسبیح و تہلیل بلند ہوئی یعنی "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اللہ الہنا محمد نبینا القرآن والمہدی امامنا آمنا و صدقنا" کفشدار خاں خواجہ سرائے حرم نظام شاہ کو جو اس وقت بیگمات کی حفاظت کے لیے قلعہ لوہ گڑھ میں متعین تھا ، مہدوی مذهب سے سخت عداوت تھی ؛ تسبیح کی آواز جو سنی ، غصے میں چند لوگوں کو ساتھ لے کر چلا آیا ؛ شاہ نعمت کو مع دیگر سولہ طالبان حق کے ناحق قتل کر ڈالا ۔ شاہ نعمت اکسٹھ برس کی عمر میں ۲۲ شعبان ۹۳۵ھ ، (۱۵۲۸ء) کو شہید ہوتے ہیں ۔

شاہ نظام خلیفہ چہارم مانے جاتے ہیں ؛ سلسلۂ نسب حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر سے ملتا ہے ۔ آپ کے والد شاہ خداوند پوورب میں بلدۂ جایس کے حاکم تھے ۔ ان کی وفات کے بعد شاہ نظام وارث بنے مگر ان کی طبیعت خدا طلبی اور ترک دنیا کی طرف مائل تھی ؛ عین شباب میں ریاست اپنے چھوٹے بھائی کے حوالے کر کے مکہ معظمہ گئے ۔ ستائیس برس کی عمر میں جناب مہدی کی تلقین سے فیضیاب ہوئے ؛ گیارہ برس آپ کی خدمت میں رہے اور بعد وفات مہدی تیس سال

خلافت کرکے موضع انوندرا میں جو قصبہ کڑی ضلع احمد آباد سے قریب ہے، ۶۸ یا ۶۹ برس کی عمر میں ۸ ذیقعدہ ۹۴۰ھ (۱۵۳۳ء) کو رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔

شاہ دلاور خلیفۂ پنجم دلپت رائے والی گوڑ کے بھانجے ہیں۔ جب سلطان حسین شرقی نے حضرت سید محمد کی مدد سے ولایت گوڑ فتح کی، آپ غنیمت کے ساتھ گرفتار ہو کر آئے۔ اس وقت آپ کی عمر گیارہ بارہ سال کی تھی۔ سلطان کی بہن سلیمہ خاتون نے جو لاولد تھیں، ان کو اپنا متبنیٰ کر لیا۔ ان کو جب سے کلمۂ لا الہ الا اللہ کا الہام ہوا تھا، تب ھی سے آپ مجذوب رہتے تھے۔ جب آپ مہدی کے حضور میں پہنچے ہیں اس وقت آپ وضو کر رہے تھے؛ ان کو دیکھتے ہی فرمایا ”یہ دلاور نہیں شاہ دلاور ہے؛ یہ میرا مقبول اور خدا کا مقبول ہے۔“ اسی روز سے آپ شاہ دلاور کے نام سے پکارے جانے لگے۔ جب مہدی اپنے سفروں میں دانا پور سے آگے بڑھے، شاہ دلاور کے پاؤں ٹھہر نہ سکتے تھے، اس لیے آپ کو میاں دراج کی مسجد میں چھوڑ دیا گیا۔ میاں دراج ان کی خبرگیری کرتے۔ جب مہدی حج سے فارغ ہو کر احمد آباد تشریف لائے، اس وقت شاہ دلاور ہوش میں آئے اور سولہ سال کے بعد احمد آباد پہنچ کر آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اس کے بعد تا وفات مہدی ساتھ رہے اور ایک ساعت کے واسطے بھی جدا نہ ہوئے۔ مہدی نے بہت بشارتیں آپ کے حق میں کی ہیں اور بی‌بی راجمی کا نکاح آپ کے ساتھ کیا۔ شاہ دلاور ۲ ذیقعدہ ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) کو بورکھیڑہ میں جو اورنگ آباد سے تین میل شمال و مغرب میں کنٹر گھاٹ کے اس پار ہے، انتقال کرتے ہیں۔

سید محمد کے بعد مہدوی فرقہ ان کے خلفا و دیگر تابعین کی مساعی سے برابر ترقی کرتا رہا۔ خصوصاً شیخ علائی کے ذریعے سے جو بڑی جوشیلی طبیعت اور تیز زبان کے بزرگ تھے اور اسلام شاہ کے عہد میں ۹۵۵ھ (۱۵۴۸ء) میں شہید ہوتے ہیں۔ جمال خان مہدوی کے اثر میں نظام شاہی خاندان کا چھٹا بادشاہ اسماعیل بن برھان نظام شاہ ثانی

(۹۹۷ھ، ۱۵۸۸ء و ۹۹۹ھ، ۱۵۹۰ء) مذہب مہدویہ قبول کر لیتا
ہے ۔ اس زمانے میں مہدوی فرقے کو بڑا فروغ ہوا ۔ شہزادہ
اورنگ زیب کے ساتھ ایک مہدوی سردار مع اپنی جماعت کے متعین
تھا ؛ کسی مذہبی بحث کی بنا پر آپس میں فساد ہو گیا اور آخر
شہزادے کی فوج کے ہاتھ سے مع اپنے متبعین کے مارا گیا ۔ سلطان ٹیپو
کے پاس بہت سے مہدوی افغان ملازم تھے ؛ ایک بار عدول حکمی کی
بنا پر کئی سو مارے گئے اور باقی کا اخراج کر دیا گیا ۔ سردار
غڑے رنی مہدوی ملازم باجی راؤ والی پونا اپنے آقا کی ممانعت کے
باوجود انگریزی چھاؤنی پر حملہ کرتا ہے ، جس سے باجی راؤ کا
علاقہ ضبط ہوتا ہے اور انگریز باجی راؤ کو ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۶ء) میں
گرفتار کرکے بٹھور پہنچا دیتے ہیں ۔ راجا چندو لال کے دور میں
حیدر آباد مہدوی گروہ کا مرکز بن جاتا ہے ۔ وہ دس بارہ ہزار کی
تعداد میں بہ مشاہرۂ پیش قرار ملازم رکھ لیے جاتے ہیں اور اتنا
اقتدار حاصل کر لیتے ہیں کہ بے باکانہ مذہبی بحثیں شروع کر
دیتے ہیں ، یہاں تک کہ ۱۲۳۷ھ میں مولوی عبدالکریم کو مذہبی
بحث کی بنا پر میر عالم بہادر کی مسجد میں قتل کر ڈالتے ہیں ، جس
کی بنا پر شہر میں فساد برپا ہو گیا اور بہت سے سنی اور مہدوی مارے
گئے ۔ نواب سکندر جاہ نے انگریزی فوج کی امداد سے ان کو ملک
سے نکالا ۔

فی زمانہ اس فرقے کے پیروؤں کی تعداد لاکھوں تک پہنچی
ہوگی ۔ گجرات تو گویا اس جماعت کا دار و بوم ہے ، اس لیے گجرات
اور بمبئی احاطے میں بڑی تعداد میں موجود ہیں ۔ راجپوتانہ و ممالک
متوسط میں ان کی متعدد بستیاں ملتی ہیں ۔ ریاست پالن پور کا مذہب
کئی پشتوں سے مہدوی ہے اور اس کے علاقے میں ہزاروں مہدوی
آباد ہیں ۔ مدراس پریسیڈنسی ، دکن و کرناٹک ، مرہٹہ و تلنگانہ ،
ملیبار وغیرہ علاقوں میں بڑی تعداد میں پائے جاتے اور شاید بیرون ہند
بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں ۔

اب ہم مرکزی شاخ سے قطع نظر کرکے اس کی ایک دور افتادہ شاخ کا ذکر کرتے ہیں ، جو ریاست جے پور کے جاگیرداران ، راجا صاحبان کھنڈیلہ کے علاوہ میں آباد ہے اور دائرہ کے نام سے مشہور ہے ۔ فقرا کے تکیوں اور خانقاہوں کو دائرہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں ۔ مہدوی جو اپنے آپ کو فقرائے مہدوی کہتے ہیں ، اپنی قیام گاہوں کو بھی اسی مناسبت سے دائرہ کے نام سے یاد کرنے لگے ۔ اہل دائرہ کی مرکزی شخصیت میاں مصطفیٰ ہیں جن کے حالات سوائے بدایونی کے ایک مختصر بیان کے عام طور پر نا معلوم ہیں اور شاید یہ پہلا موقع ہے جو اردو میں شائع ہو رہے ہیں ۔ میں سب سے پہلے بدایونی کا بیان دیتا ہوں ، اس کے بعد عبدالصمد کی مثنوی 'فیض عام' (۱۱۳۱ھ) سے جو مولانا شیخ آدم کی ایک فارسی تالیف پر مبنی ہے ، مختصر حالات یہاں درج کرتا ہوں ۔

میاں مصطفیٰ گجراتی (از منتخب التواریخ)

اصلاً بوہروں کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں ، جو صوبہ گجرات میں تجارت میں مشغول ہیں ۔ میر سید محمد جونپوری کے ایک بے واسطہ مرید سے طریق فقرو فنا سیکھا اور آخر عمر تک اسی پر راسخ رہے ۔ جب (اکبر) بادشاہ تسخیر بنگالہ کے بعد پٹنہ سے مراجعت فرمائے اجمیر ہوئے ، آصف خاں ثانی میر بخشی حسب فرمان شاہی انہیں گجرات سے اپنے ہمراہ لایا ۔ ایک رات صحن دیوان خانہ میں علماء کو بلوا کر شیخ مصطفیٰ سے مسئلۂ مہدویت کے متعلق تحقیقات شروع کی ، وہ جواب دیتے رہے ؛ مناظرے میں دیر لگی اور حاجی ابراہیم سرہندی بحث کے وقت اپنی مذموم عادت کی بنا پر تحکم کرتا اور شیخ کو آزار دیتا ۔ بندہ نے جو کچھ شرح گلشن راز میں پڑھا تھا ، تفصیلاً نقل کیا ۔ شرح ہذا شیخ محمد لاہجی کی تصنیف ہے جو میر سید محمد نور بخش کے بالواسطہ مرید ہیں ۔ میر نے بھی اپنے زمانے میں مہدویت کا دعویٰ کرکے بہت فتنے کھڑے کیے تھے ۔ چوں کہ یہ امر شیخ کے مدعا کے خلاف تھا ، اس سے شاید ان کو ملال پہنچا ہو ،

فتح پور پہنچنے پر حکم دیا کہ شیخ چند روز خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے مکان پر رہیں ۔ میں اپنی اس تقصیر کی عذر خواہی کے واسطے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی مانگی ۔ ان کو بے حد ضعف تھا ، اسی مجلس میں طشت منگوایا اور بہت خون ان کے منہ سے گرا ؛ جب گجرات جانے کی اجازت ملی ، غالباً راستے میں یا اپنے وطن پہنچ کر اس دار فانی سے رحلت فرما ہوئے ۔ یہ واقعہ ۹۸۳ھ میں پیش آیا ۔ شیخ کے مکتوبات موجود ہیں ، جن سے غربت و فنا کی بو آتی ہے ، عامله الله بلطفه ۔

(صفحه ۱۵۱-۵۰ ، منتخب التواریخ ، جزو سوم طبع ایشیاٹک سوسائٹی بنگال)

از فیض عام

جب میراں مہدی بڈہلی میں مقیم تھے ، آپ کی خدمت میں ایک بزرگ اویس نامی حاضر ہوئے ؛ یہ میاں مصطفیٰ کے دادا تھے ؛ آ کر مہدی پر ایمان لے آئے ۔ جب مہدی کی وفات کے بعد جماعت مہدویہ مختلف دائروں میں تقسیم ہو گئی ، ان دائروں میں ایک دائرے کے پیشوا سید خوند میر تھے ۔ اویس کے بھائی قطب جہاں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ میاں مصطفیٰ ان کے نواسے ہیں ۔ میاں اویس کے فرزند کا نام عبدالرشید تھا ۔ شہر پٹن میں آپ بہ حیثیت ایک فاضل متبحر کے مشہور تھے ۔ قطب جہاں اور میاں عبدالرشید سید خوند میر کی خدمت میں آنے جانے لگے ۔ شیخ قطب جہاں نے اپنی دختر بلند اختر میاں عبدالرشید کے نکاح میں دے دیں جن کے پیٹ سے میاں مصطفیٰ پیدا ہوئے ۔

جب میاں مصطفیٰ بالغ ہوئے ، ان کو خدا کا حکم ہوا کہ تم سید خوند میر کی پیروی کرو ۔ چناں چہ ان کا دستور تھا کہ تلقین دیتے وقت ''بحرمت سید خوند میر'' ضرور فرماتے ۔ گویا ان کا سلسلہ میاں خوند میر سے چلتا ہے ۔ میاں مصطفیٰ کے چھ بھائی تھے (۱) میاں ملتجیٰ (۲) میاں مرتضیٰ (۳) میاں مجتبیٰ (۴) شیخ آدم (۵) حضرت عماد (۶) شاکر تھے ۔

میاں بڑے خدا والے اور توکل پیشہ تھے - ان کے والدین کے پاس کچھ جائیداد بوجہ میراث تھی ، میاں نے ان سے تقاضے پر تقاضہ کرنا شروع کیا کہ آپ اس جائداد کو برائے خدا ترک کر دیں ، کیوں کہ حضرت مہدی نے اپنی جاعت کو یہی ہدایت کی ہے کہ 'تم پر ملک و میراث حرام ہے -' رسول اللہ نے بھی دنیا کو مردار کہا ہے جس کا طالب ہمیشہ ذلیل و خوار ہے - دنیا گناہوں کا راز ہے ، اور ترک دنیا بندگی کا راز ہے - مہدی کا قول ہے کہ ایمان بغیر ترک دنیا حاصل نہیں ہوتا - ان کی یہ باتیں سن کر والدین نے جواب دیا ، کہ ہم میں دنیا چھوڑ دینے کی بالکل ہمت نہیں اور نہ ہم توکل پر قادر ہیں ، ہمیں ان امور سے معاف کرو - آخر میاں کو کہنا پڑا کہ اگر آپ میری عاجزانہ درخواست قبول نہیں کریں گے تو میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکوں گا - والدین کا جواب تھا کہ اگر ہمارے ساتھ رہو تو ہمارے سر آنکھوں پر ، اگر جاؤ تو فضل خدا تمھارا حافظ و ناصر ہو - الغرض میاں مصطفیٰ والدین سے جدا ہو پٹن سے کوچ کر کے اندری گاؤں میں آ بسے - یہ ایک چھوٹا سا موضع تھا - طالبان خدا آ آ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے - ایک مدت کے بعد میاں عبدالرشید ان سے ملنے آئے ، اور بیٹے کی موجودہ زندگی سے متاثر ہو کر ترک دنیا پر عازم ہو گئے اور فقیری لے کر بیٹے کے پاس آ کر رہنے لگے - ایک عرصے کے بعد انھوں نے میاں مصطفیٰ سے کہا کہ اندری نہایت چھوٹا موضع ہے ، یہاں فقیروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے ، مناسب سمجھو تو پٹن چل رہیں ، کیوں کہ جو امور تمھاری نا خوشی کے موجب تھے ، خدا نے اپنے فضل سے رفع کر دیے - تجویز معقول تھی میاں مان گئے ؛ سب کو ساتھ لے کر پٹن شہر میں آ گئے اور تالاب سہسلنگ پر دائرہ باندھ کر رہنے لگے - ان کے دائرے میں پندرہ سو فقیر تھے -

جب میاں مصطفیٰ کی شہرت ہوئی اور ان کے پاس مریدوں کی رجوعات ہونے لگی ، اس عہد کے علماء نے ان پر حسد کرنا شروع کیا اور بادشاہ کو لکھا کہ ملک میں کامل فساد ہونے والا ہے - شیخ زادہ

نے مہدوی مذهب اختیار کر لیا هے اور اپنے عقیدے کی دوسروں کو دعوت دیتا هے ۔ چناں چه پولادت قوم اور پٹھانوں بلکه بعض علما اور بے شمار دیگر اشخاص نے یه مذهب اختیار کر لیا هے ۔ بادشاہ پر فرض هے که اس کی جلد تدبیر کریں ۔ جب یه خط بادشاہ کے پاس پہنچا ، اس نے کہا که مصطفیٰ مہدی نے مخلوق خدا کو گمراہ کیا هے ، میں خود اپنے هاتھ سے اس کو قتل کر کے دین کی خدمت بجا لاؤں گا ۔ اور یه جواب دینے کا حکم دیا که میں خود آتا هوں ۔ شاهی لشکر میں کئی اشخاص میاں کے مرید تھے ، انھوں نے فی الفور ایک خط کے ذریعے سے اطلاع دی که بادشاہ وقت نے کہا هے که میں مصطفیٰ مہدی کو قتل کروں گا ، اس لیے آپ کی خدمت میں گزارش هے که آپ شہر پٹن کی سکونت ترک کر کے کسی اور جگه تشریف لے جائیں ، ظالم سے کنارہ کرنا بھلا هے ۔ میاں نے یه مکتوب پڑھ کر اپنے تمام مریدوں اور فقیروں کو بلوایا اور وہ خط سنایا ۔ پھر کہا که میرا ارادہ تو یہی هے که میں اپنی جگه پر قائم رهوں ؛ اگر بادشاہ نے دلیل و حجت مانگی ، میں جواب دوں گا ۔ اگر وہ میری جان کا طالب هے تو میں مسرت کے ساتھ اپنی جان دینے کو تیار هوں ۔ مریدوں کا جواب تھا که هم سب آپ کے فرمان کے تابع هیں ، جس طرح آپ کی مرضی هو کیجئے ؛ هم اپنی جانیں آپ پر قربان کرنے کے واسطے مستعد هیں ۔ اکبر بادشاہ[۱] کوچ در کوچ فتح پور سیکری سے گجرات پہنچے ۔ شیر خاں ایک امیر پٹن میں رهتا تھا جو میاں کا مرید تھا ، اس کو جب بادشاہ کی آمد کی اطلاع ملی ، اس نے میاں کی خدمت میں حاضر هو کر ان کو ایک مرتبه اور سمجھانے کی کوشش کی اور کہا که آپ یہاں سے کنارہ کر جائیں ، مگر میاں کا فیصله اٹل تھا ۔ ان کے عزم

۱ ۔ یه اشارہ هے اکبر کی دوبارہ روانگی گجرات کی طرف جو میرزاؤں کی بغاوت اور خان اعظم کے احمد آباد میں محصور هو جانے کی بنا پر وقوع پذیر هوئی ۔ جس کو عبدل محمد نے اپنے پیشوا کے قتل کی مہم سازی سے تعبیر کیا هے ۔ اکبر سنیچر کے دن ۲۴ ربیع الآخر ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) کو فتح پور سے روانه هو کر نو روز میں احمد آباد پہنچتا هے ۔

میں کوئی جنبش نہیں ہوئی - شیر خاں تو پٹن چھوڑ کر چلا گیا ، جب اکبر کو اس کے جانے کا واقعہ معلوم ہوا ، اس نے فوراً دریا خاں کو شہر پر قبضہ جانے کے لیے بھیج دیا اور حکم دیا کہ ہمارے نام کا خطبہ پڑھا جائے - دریا خاں میاں کی خدمت میں حاضر ہوا ، قدم بوسی کی اور بولا کہ بادشاہ آپ کے قتل کے لیے آ رہے ہیں ، بہتر ہے کہ آپ اس وقت ٹل جائیں میاں نے جواب دیا ، "نواب! تمھاری محبت مجھ کو معلوم ہو گئی مگر میں متوکل ہوں ، اور خدا پر میرا آسرا ہے -" اکبر ڈیسے آ پہنچے ، جو پٹن سے بین فرسنگ ہے - اس جگہ تمام علماء بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ؛ ان کے پیشوا نے جسے میاں سے قدیمی عداوت تھی ، بادشاہ کے سامنے اپنی پگڑی اتار کر پھینک دی اور بولا کہ مصطفیٰ مہدوی نے ہماری پگڑیاں اتار دی ہیں - بادشاہ نے اسے تسلی دی اور اپنی کمر کا پٹکا کھول کر اس کے سر پر بندھوایا اور بولا کہ بس اب میں اسے مارتا ہوں - عثمان خاں ایک نیازی پٹھان تھا ، وہ میاں کا بھی معتقد تھا ، بادشاہ نے اسے پٹن رعیت کی تسلی کے لیے بھیجا ؛ وہ بڑی دھوم سے آیا اور شہر میں ڈیرہ لگا دیا ؛ آدھی رات کو نوکروں کے ساتھ میاں کی خدمت میں حاضر ہوا - ایک کوتل گھوڑا ساتھ لایا اور عرض کی "خدارا آپ اسی وقت کسی طرف نکل جائیں ، یہ گھوڑا سواری کو حاضر ہے -" مگر میاں کے ارادے میں کوئی فرق نہیں آیا - اکبر پٹن پہنچ گئے - علماء نے عرض کی کہ مصطفیٰ مہدوی اسی شہر میں مقیم ہے ؛ بادشاہ نے کہا "اچھا! کل ما بدولت اسے بلائیں گے -" انھوں نے پھر عرض کی کہ اس کا حضور میں بلایا جانا درست نہیں ؛ اس کے بے شمار معتقد ہیں ، اگر سب کے سب قلعے میں آ گھسے تو ان سے عہدہ برآ ہونا بہت دشوار ہو جائے گا ؛ مناسب یہی ہے کہ وہیں فوج بھیج کر اسے قتل کرا دیا جائے - اکبر نے خفا ہو کر کہا "تمھارا مذہب تحقیقات کیے جانے کے بغیر قتل کا حکم دیتا ہے ؟" اس پر علماء نے سکوت اختیار کیا -

دوسرے روز صبح کو چوبدار بھیج کر بادشاہ نے میاں مصطفیٰ کو بلایا ؛ میاں فوراً عصا لے کر روانہ ہو گئے اور پیچھے مریدوں کا

ایک جم غفیر ہو لیا ۔ بادشاہ جھروکے میں بیٹھ کر دیکھ رہے تھے ؛ اتنے بڑے ہجوم کو دیکھ کر سوچ میں پڑ گئے ، دل میں کہنے لگے کہ علماء سچ کہہ رہے تھے ، اگر یہ لوگ قلعے میں گھس آئے تو ان کا سنبھالنا مشکل ہو گا ۔ اسی وقت چوب دار سے کہا کہ جاؤ ، کہہ دو ، سب واپس جائیں ، شاہی حکم ہے ۔ میاں کو جب یہ حکم ملا ، مع اپنے مریدوں کے لوٹ گئے ۔ اب عالموں کو موقع مل گیا ، بولے ! ہم نے کل درست عرض کی تھی ؛ مصطفیٰ محض درویش نہیں ہے ، بلکہ اس کا مرتبہ امراء سے بھی بڑھا ہوا ہے ۔ دوسرے دن بادشاہ نے چوب دار بھیج کر میاں کو کہلا بھیجا کہ اکیلے آئیں ۔ میاں بلا عذر اٹھ کھڑے ہوئے اور فوراً چوب دار کے ساتھ ہو لیے ۔

جب قریب پہنچے ، بادشاہ کے ہاتھ میں ایک بڑا سا نیبو تھا ؛ جب اس نے میاں پر نظر ڈالی ، اسے بیٹھے کی تاب نہ رہی ، نیبو کو اچھالا اور اسے جھیلنے کے بہانے فوراً کھڑا ہو گیا اور یوں میاں کی تعظیم کی ۔ ساتھ والے چوب دار نے میاں سے کہا ''یہ جو فرش پر کھڑے ہیں ، بادشاہ سلامت یہی ہیں ، تم تسلیمات بجا لاؤ !'' میاں نے کہا ''ابھی تو آگے بڑھو ۔'' جب دوسری ڈیوڑھی پر پہنچے ، چوب دار نے پھر کہا ''اب کورنش بجا لاؤ ، سامنے بادشاہ سلامت کھڑے ہیں !'' میاں بولے ''اور آگے بڑھو ۔'' جب تیسری ڈیوڑھی آئی ، چوب دار پھر بولا ''فرش پر جو ایستادہ ہیں ، اعلیٰ حضرت ہیں ، آپ بندگی بجا لائیے ۔'' یہ کہنا ہوا وہ تو اپنی جگہ جا کھڑا ہوا اور میاں آگے بڑھ گئے ۔

جب بادشاہ کے بالکل قریب پہنچے ، بولے ''میں سلاطین کے ادب آداب سے ناواقف محض ہوں ، درویش ہوں ، سنت ہی جانتا ہوں ، اس لیے سلام علیکم کہتا ہوں اے نیک نام بادشاہ !'' اکبر نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور وعلیکم السلام جواب دیا ، اور کہا آگے آؤ ؛ جب فرش کے پاس پہنچے ، جوتا اتارنے لگے ؛ بادشاہ نے کہا ''کوئی مضائقہ نہیں ، جوتے پہنے چلے آؤ ؛ دیکھو نا میں نے بھی تو جوتے پہن رکھے ہیں ۔'' چناں چہ میاں جوتوں سمیت فرش پر پہنچ گئے ۔

اب بادشاہ نے کہا کہ آپ کی طرف جادو ٹونا نسبت کیا جاتا ہے۔ میاں نے جواب دیا ''رسول اللہ پر بھی یہی تہمت لگائی گئی تھی؛ مخلوق کی زبان سے نہ خدا بچا ہے نہ خدا کا رسول بچا ہے، میں تو ایک ادنیٰ انسان ہوں۔'' بادشاہ کو یہ جواب پسند آیا؛ پھر سوال کیا کہ مجھے علماء کے ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ تم مہدویوں کا یہ دستور ہے کہ جب تمہارے دائرے میں کسی کی بہو بیٹی آ جاتی ہے تم اپنے ہاں اس کا نکاح کر لیتے ہو اور کہتے ہو کہ خدا کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی بھینس، بکری یا بیل، اونٹ، گھوڑا بھولے سے تمہارے دائرے میں آ جاتا ہے، تم فوراً اسے پکڑ لیتے ہو اور کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے ملی ہے۔ میاں نے جواب دیا ''ایسے امور تو مخفی نہیں رہ سکتے؛ اگر ہم ایسے عملوں کے مرتکب ہوتے ہیں، شہر دلی میں ایک چھوڑ دو قاضی موجود ہیں، ان سے تو نہیں چھپ سکے، اعلیٰ حضرت ان سے دریافت کریں۔'' اتفاق سے دونوں قاضی بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ بادشاہ نے ایک قاضی سے پوچھا، وہ میاں کا حاسد تھا، اس نے کہا ''مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ ان کے خلاف بات کر سکوں، نہ کسی اور کی تاب ہے۔'' یہ سن کر بادشاہ نے جواب کے لیے میاں کی طرف دیکھا؛ انھوں نے کہا ''دوسرا قاضی اور ہے، اس سے بھی تو دریافت کیا جائے۔'' یہ قاضی راست گو اور عادل تھا، اس نے عرض کی کہ اے بادشاہ! یہ تو نامی گرامی میاں مصطفیٰ ہیں، میرا منہ نہیں کہ ان کی تعریف کر سکوں۔ ان کے سبب سے بے شمار مخلوق نے ترک دنیا کر کے راہ مولیٰ لی ہے، بلکہ بارہ ہزاری، شش ہزاری، پانصدی اور دو صدی امراء اپنا اپنا منصب چھوڑ کر ان کے پیرو ہو گئے ہیں اور یک اسپی، دو اسپی تو بے تعداد ہیں جو ان کو اپنا ہادی سمجھتے ہیں۔ جس شخص نے فقر لے لیا ہو اور توکل پر عامل ہو، اس سے نا واجب افعال کیوں کر سرزد ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ میاں مصطفیٰ کی شکایت کرتے ہیں، اعلیٰ حضرت یقین رکھیں کہ مفتری ہیں۔ بادشاہ بولے ''میں سمجھ گیا، علماء آپ پر حسد کرتے ہیں۔'' میاں نے برادران یوسف کے حسد کا

ذکر کیا ؛ اس پر بادشاہ نے کہا ''میں نے یہ قصہ تو سنا ہے لیکن میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں ۔'' میاں نے کہا ''آپ اطمینان سے بیٹھ جائیں ، آپ کی وجہ سے تمام لوگ کھڑے ہیں ، یہ بھی بیٹھ جائیں ۔'' بادشاہ نے کہا ''پہلے آپ بیٹھیں پھر میں بیٹھوں گا ۔'' یہ سن کر میاں مصطفیٰ بیٹھ گئے ۔ بادشاہ بھی ان کے سامنے مؤدب بیٹھ گئے ۔ میاں نے اس وقت 'ولی نعمت' کو پاس بلوایا اور ان سے سورۂ یوسف پڑھوائی اور میاں تفسیر بیان کرنے لگے ؛ گویا ان کے منہ سے پھول جھڑتے تھے ۔ بادشاہ عالم سکوت میں سنتے رہے ۔ آخر ان پر اس قدر اثر ہوا کہ زار و قطار رونے لگے ۔ شیخ عبد النبی جو بادشاہ کے مرشد تھے اور قاضی یعقوب ملک القضاۃ کہیں علیحدہ بیٹھے ہوئے تھے ؛ ان کا نائب بادشاہ کے سامنے کھڑا تھا ؛ اس نے جب یہ معاملہ دیکھا فی الفور ان کے پاس پہنچا اور بولا کہ تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ قریب ہے کہ بادشاہ میاں مصطفیٰ کے معتقد ہو جائیں ۔ دونوں اٹھے ، شاہی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے کہ وقت بہت گزر چکا ہے اور میاں کو بھی آئے دیر ہو گئی ہے ، اب ان کو رخصت کر دیجیے ، وہ پھر آ سکتے ہیں ۔ بادشاہ ان کا کہنا مانتے تھے ، یہ الفاظ سن کر اٹھے اور میاں مصطفیٰ سے کہا کہ لشکر کے لوگ ظالم ہیں ، ممکن ہے کہ میرے بعد وہ آپ کو ایذا پہنچائیں ؛ بہتر ہو گا کہ آپ پٹن چھوڑ کر کسی اور گوشے میں چلے جائیں تاکہ ان کے ہاتھ سے محفوظ رہیں ؛ جب مجھ کو ذرا فرصت ملے گی میں آپ کو بلوا لوں گا ۔ میاں رخصت ہوئے اور پٹن چھوڑ کر موربی میں رہنے لگے ۔ اکبر نے گجرات فتح کر کے خان اعظم کو اس کا صوبے دار بنا دیا اور ہدایت کی کہ جس وقت میں تمھیں بلاؤں اور دوسرا صوبے دار بھیجوں ، تم میاں مصطفیٰ کو اپنے ساتھ لے کر آ جانا ۔ بادشاہ یہ ہدایت دے کر اجمیر کی طرف راہی ہوئے ۔ میاں مصطفیٰ موربی میں مع اپنے فقیروں کے فقر و فاقہ کے پنجے میں اسیر تھے ۔ گیارہ ماہ کے اندر اندر ان کے تین سو ساٹھ فقیر فاقوں سے ہلاک ہو گئے ؛ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی ۔

موربی سے تین کوس پر کنودرا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا ؛ یہاں ایک امیر فتح خان نامی رہا کرتا تھا ؛ وہ میاں کے فقیروں کو بڑا لالچ دیتا کہ اگر میرے پاس آ جاؤ تو میں تمھیں بڑے آرام سے رکھوں ، مرغ اور پلاؤ کھلاؤں ، حلوا صابونی اور دوسری لذیذ نعمتیں آگے دھروں ؛ جب تک دل چاہے رہو اور جب جانے لگو، ہر ایک کو ایک ایک اشرفی دندان مزد کے طور پر دے کر رخصت کروں ۔ لیکن میاں کے فقیروں میں سے کسی نے بھی اس کی طرف رخ نہیں کیا ۔

خان اعظم نے ایک روز امین سنجر کو حکم دیا کہ جا کر موربی پر شاہی عمل قائم کرو اور جب فارغ ہو کر آنے لگو ، میاں مصطفیٰ کو اپنے ساتھ لیتے آنا کیوں کہ بادشاہ نے بلوایا ہے ۔ امین سنجر حسب الحکم موربی پہنچا اور میاں کے پاس ایک آدمی کے ذریعے کہلا بھیجا کہ مجھے علم خاں سے لڑائی درپیش ہے ، آپ خدا کے کامل ولی ہیں ، آپ اطمینان کے ساتھ بیٹھے رہیں اور تشویش نہ کریں ۔ جب یہ پیغام میاں کے پاس پہنچا ، انھوں نے ایک معنی خیز نگاہ کے ساتھ اپنے فقیروں کی طرف دیکھا ۔ شاہی فوج بہ سر کردگی امین سنجر موربی آئی ، علم خاں سے جنگ ہوئی اور وہ میدان میں مارا گیا ، اس کے تینوں بیٹے گرفتار ہوئے ۔ فتح کے بعد امین سنجر نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ ان فقیروں کو آزار دو ۔ چناں چہ انھیں طرح طرح سے ستایا گیا ؛ مثلاً اگر کسی کے پاس بیا لباس دیکھا چھین لیا ، اگر کسی نے احتجاج کیا اسے مارا پیٹا ۔ ایک دن خود امین سنجر فوج لے کر دائرے کے قریب آ گیا ؛ مسجد میں جا کر بیٹھا اور میاں مصطفیٰ کو بلا کر بولا کہ میری سرکار کے دو غلام بھاگ آئے ہیں اور مجھے پتا چلا ہے کہ وہ تمھارے دائرے میں موجود ہیں ، تم انھیں جلد حاضر کرو ؛ ایسے موقعوں پر تمھارا کیا دستور ہے ؟ میاں نے کہا ”ہمارے ہاں اگر ایسا معاملہ پیش آتا ہے تو ہم ڈونڈی پٹوا دیتے ہیں ؛ ڈونڈی پٹنے سے تمام لوگ آ کر جمع ہو جاتے ہیں ۔“ چناں چہ ڈونڈی پٹوا دی گئی اور لوگ آ کر جمع ہونے لگے ۔ جب سب آ چکے میاں نے مغل سے کہا اگر تم اپنے غلام پہچان سکتے ہو پہچان لو ، ہمارے لوگ سب موجود ہیں ۔

امین سنجر کا مقصد کچھ اور تھا ؛ اسے دیکھنا یہ تھا کہ اہل دائرہ کی طاقت کسی ہے ۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ قلیل تعداد میں ہیں اور شاہی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے ، اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا ؛ وہ لوگ دائرے کے اندر گھس گئے اور لوگوں پر زیادتیاں کرنے لگے ۔ حضرت عماد میاں مصطفیٰ کے چھوٹے بھائی تھے ، وہ بڑے جوان مرد اور غیرت مند تھے ، انھوں نے آ کر میاں کے کان میں کہا کہ مغلوں کے طور بےطور معلوم ہوتے ہیں ، آپ ہمیں اجازت دے دیں کہ انھیں مار پیٹ کر نکال دیں ، صرف آپ کے حکم کا انتظار ہے ۔ میاں نے فرمایا ''صبر رکھو اور دیکھو خدا کو کیا منظور ہے ۔'' کچھ توقف کے بعد انھوں نے پھر عرض کی ، آپ نے وہی جواب دیا ۔ میاں کا ایک فقیر خدمت گار تھا ، اس کے پاس میاں کی تلوار رہتی تھی ؛ ایک مغل نے آ کر اس تلوار پر قبضہ کرنا چاہا ، خادم نے قبضہ نہ چھوڑا ؛ دونوں میں کشمکش ہونے لگی ؛ میاں نے دیکھا اور پوچھا کیا ماجرا ہے؟ خادم نے کہا ''یہ مغل آپ کی تلوار میرے ہاتھ سے چھیننا چاہتا ہے ۔'' آپ نے فرمایا ''تم ہی تلوار اس کے حوالے کر دو ، مجھے اس کا رکھنا منظور نہیں ۔'' خادم نے تلوار فوراً چھوڑ دی ۔ میاں عماد نے تیسری مرتبہ لڑائی کی اجازت مانگی ، آپ نے گرم ہو کر فرمایا کہ میں خدا کا کہنا مانوں کہ تمھارا ؟ تم لڑائی پر تلے ہو ، ادھر خدا کا حکم ہے کہ تسلیم سے کام لو ۔ مغل نے میاں سے کہا کہ اب تم ہمارے ساتھ چلو ۔ آپ فوراً اس کے ساتھ ہو لیے ۔ دائرے کی تمام عورتیں آپ کے پیچھے پیچھے آنے لگیں ؟ ایک شخص نے آ کر آپ کو خبر دی ؛ آپ نے فرمایا ''جاؤ ان کو روک دو اور کہہ دو کہ دائرے میں بیٹھیں ، اگر ہماری زندگی ہو گی ، آ ملیں گے ورنہ الوداع ۔ اگر تم کو کوئی آزار دے تم اس کو خدا کی عنایت سمجھو ؛ اگر کوئی تمھاری جان اس کے نام پر مانگے ، تم اپنی جان دے دو ۔ یہاں کی سختی ہنگامی ہے ، گزر جائے گی ، عاقبت میں اس کا اجر ملے گا ۔ یہاں کی تکلیف دم بھر کی ہے ، وہاں ابدالآباد تک بہشتوں میں رہنا ہو گا ۔'' یہ نصیحتیں سن کر عورتیں روتی ہوئیں دائرے میں لوٹ گئیں ۔ میاں مصطفیٰ مغل کے ساتھ روانہ ہوئے ۔

مغل نے اپنی فرودگاہ پر پہنچ کر میاں سے کہا کہ تم اپنے فقیروں کو کہہ دو کہ باھر ٹھہریں اور تم تن تنہا میرے ساتھ آؤ ۔ آپ نے مریدوں کو وھیں روک دیا اور خیموں میں داخل ہو گئے ۔ یہاں پہنچ کر مغل نے شمشیر برھنہ کی اور غصے کے لہجے میں کہا ''مہدی سے انکار کر ورنہ ابھی تیرا لاشہ زمین پر پھڑکتا ہو گا ۔'' آپ نے نہایت متانت سے کہا کہ مہدی آئے اور چلے گئے ، اور اب کوئی مہدی نہیں آئے گا ۔ دو مرتبہ مغل نے آپ سے مہدویت سے برگشتہ ہونے کے لیے کہا ۔ اتنے ھی میں آپ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور کڑک کر بولے ''دیوانے کیا بار بار بچوں کی طرح بات کی تکرار لگا دی ؛ میں جو کہتا ہوں نہیں سنتا ، تجھے جو برا کرنا ہو بسم اللہ کر ۔'' اس پر مغل نے تلوار پھینک دی اور بولا ''کیا کروں شاھی حکم نہیں ھے ورنہ یہاں سے تو زندہ نہ جاتا ۔'' یہ کہہ کر مغل باھر آیا اور میاں کے مریدوں سے بولا ''میں تمھارے پیر کو تو ھلاک کر آیا ہوں ، اب تم مہدی سے برگشتہ ہوجاؤ ، میں تمھیں بادشاہ سے منصب و مرتبہ دلواؤں گا ۔'' سب نے انکار کیا اور بولے کہ مہدی آیا اور گیا اور آئندہ نہیں آئے گا ۔ اس وقت مغل نے عثمان خاں کو اپنے پاس بلایا ؛ عثمان اپنے عقیدے میں نہایت راسخ تھا ؛ جب وہ ترک کر کے جماعت مہدویہ میں شامل ہوا تھا ، اس نے بارہ من سونا لٹایا تھا ۔ مغل نے اس سے کہا کہ تو تو شاہ و دربار شاہ کا روشناس تھا اور تمام شاھی امراء سے واقف ، خود ایک جلیل القدر امیر تھا ، تو کہاں آ کر ان بھکاریوں میں شامل ہو گیا ؟ اس عقیدے سے تائب ہو ، میں تجھے بادشاہ کی خدمت میں لے جاؤں گا اور بڑا مرتبہ دلواؤں گا ۔ عثمان نے جواب دیا ''تو مجھے دنیا کا لالچ کیا دلاتا ھے ؟ دنیا میرے پاس بہت تھی ، میں نے اسے نابکار سمجھ کر ترک کیا ؛ خدائے پاک نے میری سب مرادیں پوری کیں اور اس سے بڑی مراد کیا ہو گی کہ محمد کا کلمہ نصیب کیا ۔ دوسری نعمت مہدی کی تصدیق روزی کی ؛ خدا کا یہ کتنا بڑا احسان ھے کہ میاں مصطفیٰ سا مرشد مجھ کو دیا ۔ اب صرف ایک آرزو باقی ھے ؛ وہ یہ ھے کہ مہدی کے مقدس نام پر قربان ہوجاؤں ۔''

مغل نے بکڑ کر اپنے کسی آدمی کو اشارہ کیا ، اس نے تلوار کا
ایک ہاتھ ایسا مارا کہ عثمان جیسا صادق العقیدہ انسان شہید ہو کر
زندۂ جاوید بنا ۔ اس کے بعد مغل نے میاں ناصر ، خان موسیٰ اور عیسیٰ
کو باری باری بلایا اور مہدی سے منکر نہ ہونے پر سب کو موت کے
گھاٹ اتارا ۔ بوڑھے میاں عبدالرشید سب سے پیچھے تھے ؛ ان کی
پیرانہ سالی اور ضعف و ناتوانی دوسروں کے برابر چلنے سے مانع تھی ۔
ان کے فرزند ان کے ساتھ تھے جو ان کا ہاتھ پکڑے کھینچتے ہوئے
لا رہے تھے ۔ ان کا نام شاکر محمد تھا اور وہ میاں مصطفیٰ کے سگے
بھائی تھے ۔ شاکر نے فقیروں کے کٹے ہوئے سر دیکھ کر کہا
"باوا جان! معلوم ہوتا ہے کہ میاں مصطفیٰ کو جام شہادت پلا دیا گیا ،
اب ہمارا بھی آخری وقت آ گیا ۔" میاں عبدالرشید ضبط نہ کر سکے ۔
خواجہ سنجر کو بلند آواز میں کہنے لگے "ظالم تو بڑا کم بخت ہے کہ
تو نے ایسی ذات پر ہاتھ اٹھایا ۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور بولے
کہ مہدی تو آئے اور گئے۔ مغل نے جیسے ہی یہ الفاظ سنے بےتاب ہو کر
دوڑا اور بہ یک ضرب شمشیر آپ کو موت کی نیند سلا دیا ۔ تب شاکر محمد
بڑھے اور بولے "اب میری باری ہے ۔" مغل نے کہا "مجھے تیری جوانی پر
رحم آتا ہے" آپ بولے "اگر تو مجھے قتل کیے بغیر آگے بڑھے گا ،
میں قسم دلاتا ہوں کہ مجھ پر جو چیز حلال ہے ، حرام ہو اور
تیری ماں کا دودھ تجھ پر حرام ہو ۔" مغل پلٹا اور ایک ہاتھ چھوڑا ؛
پیشانی پر گہرا زخم آیا ۔ آپ تیورا کر زمین پر گر پڑے ؛ کوئی دو تین
گھڑی سانس چلتا رہا ، پھر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے ۔ باقی فقراء
کو قید کر دیا گیا ؛ ان میں میاں مصطفیٰ اور ان کے فرزند شاہ عبداللہ
بھی تھے ۔ سب کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں ۔ اب فوج دائرے میں
گھس گئی اور عورتوں کو گرفتار کر لیا ۔ میاں مصطفیٰ کی صاحب زادی
کی تلاش ہوئی ؛ مریدنیوں میں ایک نیک بی بی تھیں ، امتوا نام تھا ؛
وہ سمجھیں کہ مرشد زادی پر یہ لوگ زیادتیاں کریں گے ، جھٹ بول
اٹھیں کہ وہ صاحب زادی میں ہوں اور مغل سے پوچھا کہ بھیا تم
کیا چاہتے ہو ؟ امۃ الکریم ، میاں کی صاحب زادی ادھر سے بول اٹھیں

کہ میاں مصطفیٰ کی اصلی صاحب زادی یہ نہیں ، میں ہوں ۔ مغل نے کوڑا اٹھایا اور فارسی زبان میں کہا کہ مجھے روپیہ بتاؤ؟ بی بی امۃ الکریم فارسی نہیں جانتی تھیں ، اپنی ددا سے پوچھنے لگیں کہ یہ مغل کیا کہتا ہے ؟ ددا نے سمجھایا کہ وہ تو مال کے واسطے پوچھتا ہے ۔ بی بی نے مغل کو جواب دیا کہ ہمارا خزانہ اور ہماری دولت میاں مصطفیٰ ہیں ، ان کے سوا ہمارے پاس کوئی اور مال و دولت نہیں ۔ مغل کو اس جواب پر طیش آیا ، بی بی کی چٹیا پکڑ لی ، ان کی گود میں بچہ تھا ؛ آخر وہ اسی حال میں ایک ہاتھ سے بی بی کی چٹیا پکڑے ہوئے گھوڑے کو ایڑ دے کر لشکر میں پہنچ گیا ۔ کبھی بی بی کے پاؤں زمین پر گھسٹتے ، کبھی ادھر ہوجاتیں ۔ اس طرح مغل وہاں پہنچا جہاں بی بی امۃ الکریم کے بھائی قید تھے ۔ بھائی نے بہن کو اس حال میں دیکھا مگر تسلیم سے کام لیا ۔ قصہ مختصر مغل اسی طرح تمام عورتوں کو پکڑ کر لے گئے اور لے جا کر لشکر میں الگ الگ قید کر دیا ۔ میاں ، ان کے بھائی اور فرزند ایک جگہ قید تھے ؛ جب عشاء کا وقت ہوا ، میاں نے نماز عشاء ادا کی اور فارغ ہو کر تسبیح بہ آواز بلند پڑھی ۔ فقیروں اور عورتوں نے ، جو مختلف جگہ قید تھے ، میاں کی آواز پہچان لی اور تسبیح کا جواب اسی طرح بلند تسبیح سے دیا جس سے فوج میں ایک شور مچ گیا ۔ سپاہی یہ آواز سن کر حیران رہ گئے اور بولے کہ یہ مہدوی بھی عجیب قسم کے انسان ہیں ، نہ چھپانے سے چھپتے ہیں ، نہ ڈرانے سے ڈرتے ہیں ، نہ جان دینے سے ان کو خوف آتا ہے ۔ چھوٹے بڑے سب کے سب اپنے عقیدے پر ثابت قدم ہیں ۔ ہم نے ایسے لوگ نہیں دیکھے ؛ اس قدر ان کو عذاب دیا اور کتنوں کو بے دردی کے ساتھ ہلاک کیا گیا مگر ان کے حوصلے پست نہیں ہوئے ۔ اس امر کی خواجہ سنجر سے رپورٹ ہوئی ، وہ متحیر رہ گیا ۔ آخر اس نے حکم دیا ان سب کو بھاگسی[1] میں بند کر دو ۔ چناں چہ سب کو

---

۱ ۔ زمین دوز قید خانہ یا اندھا کنواں جس سے قید خانے کا کام لیا جائے ۔ (مرتب)

بھاگسی میں ڈال کر اوپر سے تالا ٹھوک دیا ۔ ایک عورت اتفاق سے باہر رہ گئی ؛ وہ دربان کی رات بھر منت سماجت کرتی رہی کہ مجھے بھی بھاگسی میں اپنی بہنوں کے پاس پہنچا دے ۔ دربان حکم کا بندہ تھا ، نہ مانا ۔ عورتوں کو تین روز برابر بھاگسی میں رکھا ، پھر ان کو رہا کر دیا گیا ۔ ان عورتوں نے میاں کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اب ہمارے لیے کیا حکم ہوتا ہے ؟ میاں نے جواب بھیجا "جہاں خدا تمھیں لے جائے ، جاؤ اور مشیت ایزدی کے خلاف کوئی حرف زبان پر نہ لاؤ ۔ میں تم کو رخصت کرتا ہوں ۔" جب یہ جواب عورتوں تک پہنچا ، زار زار روئیں اور ایک دوسرے سے رخصت ہو کر جس کے جہاں سینگ سمائے چلی گئیں ۔

ماہ رمضان کی چھبیسویں تاریخ کو خواجہ سنجر نے حضرت عماد کو بلایا ؛ وہ اپنے بھائی محمود کو ساتھ لے کر گئے ۔ مغل نے حسب معمول کہا کہ مہدی سے منکر ہو جاؤ ۔ ان کا وہی جواب تھا کہ مہدی تو آئے بھی اور چلے بھی گئے ۔ امیر سنجر یہ جواب سن کر نہایت برہم ہوا ؛ اپنے خادم کو اشارہ کیا کہ کھڑا کیا تماشہ دیکھتا ہے ، اسے قتل کر ۔ خادم تلوار لے کر ان کی طرف بڑھا مگر انھوں نے اس اندیشے سے کہ مبادا محمود مجھے قتل ہوتا دیکھ کر مہدی سے بدل جائیں ، مغل سے کہا کہ پہلے تو میرے ساتھی کو قتل کر ؛ اس نے محمود پر وار کیا ؛ ادھر سے عماد نے ان کی ہمت بندھائی اور کہا کہ یہ امتحان کا وقت ہے ، حوصلہ نہ چھوڑو اور ثابت قدم رہو ۔ یہ مصیبت ایک پل میں ختم ہو جائے گی اور عقبیٰ میں ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے تمھیں نعمتیں ملیں گی ۔ محمود نے جواب دیا "بھائی صاحب آپ یہ کیا فرماتے ہیں ؛ اگر مہدی کے واسطے میری بوٹی بوٹی جدا کر دی جائے گی تو میری بوٹی بوٹی سے 'مہدی امامنا' کی صدا نکلے گی" بالآخر دونوں بھائیوں کو شہید کر ڈالا ۔ ادھر میاں مصطفیٰ اور میاں جی مبارک کو شکنجے میں کس دیا ، جس سے ان کے بدن کا جوڑ جوڑ ٹوٹنے لگا مگر دونوں اپنے عقیدے میں راسخ رہے ۔ جب پیادوں نے دیکھا کہ ان کی حالت غیر ہو رہی ہے اور موت کے قریب پہنچ گئے ہیں ،

انھوں نے خواجہ سنجر کو خبر دی کہ یہ لوگ قریب‌المرگ ھیں ؛ اس نے حکم دیا کہ کھول دو اور معمولی قید میں رکھو ۔ چند روز کے بعد خواجہ سنجر اپنے قیدیوں کو لے کر احمد آباد آ گیا ۔ یہاں خان اعظم نے علماء کو بلایا اور میاں مصطفیٰ کو بلوایا ۔ مجلس مباحثہ گرم ھوئی ، مگر یہ مباحثہ اس مختصر مضمون میں نہیں آ سکتا اس لیے حذف کیا جاتا ھے ۔ اس کے بعد خان اعظم نے میاں کے قتل کے خیال سے فوج و لشکر آراستہ کیا ، داریں نصب کرائیں اور ھاتھی منگوائے اور میاں سے کہا کہ یہ تمھارے قتل کے سامان ھیں ۔ اس امتحان میں میں بھی میاں پورے اترے ، ان کے عقیدے میں کوئی تزلزل نہیں آیا ۔ آخر خان اعظم نے انھیں معمولی قید میں رکھا ۔ ایک روز ایک رحم دل مغل آیا ؛ اس کا دل مہر و شفقت سے معمور تھا ؛ اس نے میاں کے قید و بند ، ان کے باپ بھائیوں کی شہادت اور دائرے کی تباھی پر بڑا افسوس کیا اور بولا ''بہت برا ھوا ۔'' میاں نے اس کی ھمدردی قبول نہ کی ۔ گوجری زبان میں ذیل کا ریختہ ان کے اس وقت کے خیالات و جذبات کا آئینہ دار ھے جو دو فارسی نظموں کے ساتھ میاں نے انھی ایام میں لکھا تھا :

وے چوکیں جو کہیں برا ھوا   اب دھل جو نبیوں سیس پڑے
ھور ولیوں سوں بھی آی اڑے   ھم اس پنتھ چالیں کھڑے کھڑے
جو پیو جی ھمسوں نہیں جوا   وے چوکیں جو کہیں برا ھوا
کیا ھوا ھم جو بھرنگ ھوے   کوئی ترواراں کوئی بھوکھ موے
کوئی رھے سوپر جوئے جوئے

جو پیو جی ھمسوں نہیں جوا   وے چوکیں جو کہیں برا ھوا
کیا ھوا جو مغلوں بند پڑے   لے پکڑ جو بیڑیوں مانہہ جڑے
جوں چور سو آگل کٹی کھڑے

جو پیو جی ھمسوں نہیں جوا   وے چوکیں جو کہیں برا ھوا
کیا ھوا جو لوگوں برے کہے   کیا ھوا جو دکھ میں سوک رھے
کیا ھوا جو کروت سیس بہے

جو پیو جی همسوں نہیں جوا　　وے چوکیں جو کہیں برا ہوا
کیا ہوا جو ہالے بہت ہلے　　کیا ہوا جو ساتھی چھوڑ چلے
کیا ہوا جو اس پنتھ جلے بلے
جو پیو جی همسوں نہیں جوا　　وے چوکیں حو کہیں برا ہوا

ایسا پیمبری وقت پڑ جانے کے باوجود میاں کا دل مگن ہے ، خدا سے لو لگ رہی ہے اور نہایت شگفتہ روئی سے کہتے ہیں ''خدا دارم چہ غم دارم ۔''

نوشتۂ بالا ریختہ سے ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے جس کا میاں کے سوانح نگار نے ذکر نہیں کیا ۔ وہ یہ ہے کہ اس تباہی کے وقت ان کے مریدوں کی ایک جماعت نے ان سے بے وفائی بھی کی ہے اور جدائی اختیار کر لی ہے چنانچہ : مصرع

کیا ہوا جو ساتھی چھوڑ چلے

میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے ۔ یہی جذبہ ان کے ایک فارسی مخمس میں بھی ہے جس سے بہ خوف طوالت میں صرف دو پہلے بند یہاں نقل کرتا ہوں ۔ عبدالمحمد اس کی نسبت لکھا ہے :

غزل ریختہ کی مثل بے بدل　　میاں نیں کہی سو سنو دراصل
زباں فارسی میں جو بولے صحی　　لکھوں میں سنو کاندھر تم وہی

چہ شد گر مبتلا گشتم بہ تاریکی و تنہائی
چہ شد گر زخمہا خوردم زدست چرخ مینائی
چہ شد گر روی آوردم بہ وادی ہاے غربتہا
چہ شد کز خلق پیدا (گشت) بدخوئی و بدرائی
تو خوشنودی اگر ار من ازیں ہا ہیچ غم نبود
چو تو داری نظر سوم خوشیہا ہیچ کم نبود

چه شد گر جمع یارانم جدا گشتند در هر سو
چه شد گر دوستدارانم شده بیچاره بر هر سو
چه شد گر نیشها خوردم بهر رنگی بهر صورت
چه شد گر جمله عالمها شده درباب من بد خو
تو خوشنودی اگر ایمن ازیں ها هیچ غم نبود
چو تو داری نظر سویم خوشی‌ها هیچ کم نبود

میاں مصطفیٰ اپنی بربادی اور قید و بند کو اسی محبوب ازلی کی ایک ادا سمجھتے ھیں اور اپنے مدعیوں اور آزار دھندوں کے افعال کی اسی همه اوستی انداز میں ترجمانی کرتے ھیں ۔ میں ان کی فارسی غزل کے چند شعر جو فیض عام میں درج ھیں ، یہاں نقل کرتا ھوں ۔ ان شعروں میں بعض ایسے نام بھی ملتے ھیں جن کا مذکور ان کے سوانح نویس نے نہیں کیا ۔ و ھوھذا :

ندیده کس بدینساں دل ستانی — که هر لحظه نماید نو نشانی
گہی چوں میرزا در گفت و درهیچ — گہی در خشم چون خان کلا نی
گہی بد خوئی چون قلچی محمد — گہی شیریں زبان چون شیرخانی
گہی چون خواجه سنجر برسر قتل — گہی مرغوب شکلی میزبانی
گہی بد خلق همچون میر تولک — گہی‌خوش‌خوی چون‌حلوا نشانی(؟)
گہی چون نقطهٔ ظاهر (؟) حسینی — گہی چون مرتضای مہربانی
گہی ملاں صفت در بحث و در جنگ — گہی درویش رو شیریں زبانی
گہی‌با وحشت؟ اندرحبس و زندان — گہی همچون محبت پاسبانی

میاں کے یہ تبرک جو اشعار کی شکل میں‌اوپر درج ھیں ، سب سے بڑا وصف ان کا یہ ہے کہ حالی ھیں نہ خیالی ۔

آمدم بر سر قصه ؛ جب اکبر بادشاہ اجمیر پہنچ گئے ، نیا صوبے‌دار وھاں سے احمد آباد بھیج دیا اور خان اعظم کو بلا لیا ۔ خان اعظم میاں مصطفیٰ اور عبداللہ کو لے کر چلے ؛ جب جالور سے گزرے ، وھاں

میاں سید محمود کا دائرہ تھا ؛ ان کے ایک فقیر نے میاں مصطفیٰ اور میاں عبداللہ کو دیکھ لیا اور جا کر سید محمود کو خبر دی ۔ انھوں نے پوچھا ''ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے مشورہ دیا ''میاں کو چھڑانا چاہئیے، اگر وہ خوشی سے نہ چھوڑیں تو لڑ کر چھڑانا چاہیے یا دائرہ چھوڑ کر ہمیں بھی ان کے ساتھ چلنا چاہئیے۔'' سید محمود نے کہا ؛ ''ایسا کوئی اقدام کرنے سے پیشتر ہمیں میاں سے بھی تو پوچھ لینا ضروری ہے کہ ان کی کیا رائے ہے ۔'' چنانچہ اسی فقیر کو میاں کے پاس بھیجا گیا ، انھوں نے کہا ''اے دوست تم جا کر سید سے پوچھو کہ تمھارا یہ ارادہ تمھاری اپنی فکر کا نتیجہ ہے یا خدا کے حکم سے ؟'' سید نے کہلا بھیجا کہ یہ میری اپنی تجویز ہے ، نہ حکم الٰہی ۔ یہ جواب آنے پر میاں نے کہلوایا کہ اندریں حالات مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو اور خدا کے سپرد کرو ۔

خان اعظم مع الخیر اجمیر پہنچ گئے اور میاں مصطفیٰ کو لے کر دربار شاہی میں حاضر ہوئے ۔ بادشاہ کی نظر میاں پر پڑی ، تعظم کے لیے اٹھا ، کچھ دور بڑھا اور بڑی محبت سے میاں سے معانقہ کیا اور میاں عبدالرشید کی خیریت دریافت کی ۔ میاں نے جواب دیا کہ ان کو گجرات میں رکھا گیا ہے ۔ اسی وقت ایک راست بیان امیر پہنچا ؛ اس نے میاں عبدالرشید کی شہادت اور اہل دائرہ پر تمام جور و مظالم کی تفصیل بادشاہ کے گوش گزار کی ۔ اکبر نے غضب ناک ہو کر پوچھا کہ یہ ظلم کس کے ہاتھ سے عمل میں آیا ؟ امیر موصوف نے کہا کہ خواجہ سنجر ان مظالم کا ذمہ وار ہے ۔ اکبر نے کہا ''اوہو ، سنجر مطلق العنان ہو گیا ہے ۔'' پھر اس نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جا کر سنجر کو پکڑ لائے کہ معلوم تو ہو اس نے کس کے حکم سے یہ ستم توڑے ۔ سنجر کا وکیل دربار میں موجود تھا ، اس نے جا کر یہ اطلاع اس کو پہنچا دی ۔ سنجر یہ قصہ سن کر ایسا غائب ہوا کہ پھر اکبر کی خدمت میں نہیں گیا ۔ بادشاہ نے میاں کو (خواجہ) عبدالصمد کے حوالے کیا اور تاکید کر دی کہ نہایت احترام سے رکھنا ۔ خواجہ عبدالصمد میاں کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلے ؛ راستے

میں خیال آیا کہ شاہی حکم ہے کہ تم انھیں عزت سے رکھنا ؛ ادھر یہ حال ہے کہ میاں قیدوبند میں جکڑے ہوئے ہیں ؛ اس لیے واپس دربار میں پہنچے اور طوق و زنجیر کے کاٹنے کی اجازت حاصل کی ۔ الغرض اٹھارہ مہینوں کے بعد میاں مصطفیٰ قید سے چھوٹے۔ جب بادشاہ فتح پور سیکری پہنچے میاں کو ساتھ لے گئے ؛ وہاں پہنچ کر علماء کو بلایا اور میاں کو بلا کر مجلس مناظرہ منعقد کی ۔ مناظرہ کئی روز تک جاری رہا ؛ اس کی تفصیل ایک رسالے کی صورت میں خود میاں مصطفیٰ نے بیان کی ہے ۔

بادشاہ نے ایک روز سو اشرفیاں اور پرکالے کا تھان میاں کو دیا ؛ اشرفیاں باہر نکل کر انھوں نے لٹا دیں ۔ پھر بادشاہ نے ھنڈون کے قریب جھوٹوواره ایک گاؤں میاں کی جاگیر میں دینا چاہا ، آپ نے قبول نہیں کیا اور بولے کہ میراث تو مہدی کی ٹولی پر حرام ہے ۔ بادشاہ نے میاں کے فقیروں میں سے میاں اسماعیل اور ملک جی خضر کو بلا کر سمجھایا کہ میاں کو گاؤں قبول نہیں ہے ، تم ان سے خفیہ یہ گاؤں لے لو اور اس کا حاصل میاں کی اولاد پر صرف کرو ۔ فقیر خاموش رہے ؛ بادشاہ نے گاؤں کا پٹہ لکھ دیا ۔ یہ گاؤں اتنا بڑا تھا کہ اس میں تین سو کولھو تھے ۔ ان امور سے میاں کی شہرت بہت بڑھ گئی اور خلق اللہ کا مرجع بن گئے ۔ لوگوں کے رجوع کی یہ حالت تھی کہ جمعرات کے دن فتح پور شہر میں مٹھائی نہیں ملتی تھی ۔ لوگ حلوائی سے دریافت کرتے ، وہ کہتا آپ کو معلوم ہو آج دنیا میاں مصطفیٰ کی خدمت میں تلقین ہونے گئی ہے ، اس لیے پان اور شیرینی نہیں ملتے ۔ میاں کی یہ بڑھتی شہرت دیکھ کر عالموں کو حسد آیا اور شکایت لے کر عبدالنبی کے پاس پہنچے اور بولے ، یہ ظلم تم نے کیا ہے جو مصطفیٰ مہدوی کو یہاں بلوایا اور اسلام میں اتنا بڑا رخنہ پیدا کیا ؛ تم بادشاہ کے مرشد ہو ، اب بھی کوئی تدبیر کرو ؛ دیکھتے نہیں کہ ہم رات دن انگاروں پر لوٹتے ہیں ۔ عبدالنبی نے میاں کو بلا کر ملامت کی اور گھر میں قید کر دیا ۔ اس حالت میں چار دن گزر گئے ۔ اڑتے اڑتے یہ خبر اکبر تک پہنچ گئی کہ عبدالنبی نے میاں کو قید کر دیا ہے ۔

اکبر کو بہت طیش آیا کہ میرے حکم کے بغیر ان کو قید کر دیا ۔ اسی شخص نے عبدالنبی کے پاس عالموں کے جانے اور شکایت کرنے کا تمام قصہ کہہ سنایا ۔ بادشاہ نے ایک چاکر عبدالنبی کے پاس بھیج کر پچھوایا کہ تونے کس کے حکم سے میاں کو قید کیا ہے ؟ عبدالنبی کا وکیل دربار میں موجود تھا ، اس نے پہلے سے پہلے جا کر اپنے آقا کو اطلاع دے دی ۔ عبدالنبی متحیر رہ گیا ؛ اسی وقت میاں مصطفیٰ کے پاس آیا اور بولا کہ آپ فوراً اپنے ڈیرے تشریف لے جائیں ۔ میاں نماز عشا پڑھ کر ابھی بستر پر دراز ہوئے تھے ، بولے ''اب تو میں نہیں جا سکتا ، میری طبیعت خراب ہے ۔'' عبدالنبی نے کہا کہ آپ کے واسطے پالکی تیار ہے ، اس میں بیٹھ کر تشریف لے جائیے ۔ میاں نے کہا ''میں کبھی پالکی میں نہیں بیٹھا اور نہ بیٹھوں گا ۔'' عبدالنبی نے کہا بہلی موجود ہے ، اس میں جائیے ۔'' اس کی یہ تشویش دیکھ کر میاں اٹھے اور بہلی میں بیٹھ کر روانہ ہوگئے ۔ اتنے میں بادشاہ کا نقیب آیا اور میاں کے متعلق دریافت کیا ؛ ''عبدالنبی نے کہا ، یہ بالکل غلط ہے کہ میاں میرے ہاں قید ہیں ، وہ اپنے گھر موجود ہیں ، جا کر دیکھ لو ۔''

چند روز کے بعد میاں بادشاہ سے رخصت ہو کر بیانے کی طرف روانہ ہونے لگے ؛ انھوں نے اپنے فرزند اور فقیروں کو بلایا اور کہا کہ جلد مجھے بیانے پہنچاؤ ۔ فتح پور کے لوگوں کا ان پر کچھ قرض بھی تھا ، انھوں نے بے باقی کے لیے تقاضا کیا ؛ میاں نے کہا ''اس وقت تو ادائیگی مشکل ہے مگر تمھاری تسلی کے واسطے ہم قبیلہ اور دو آدمی چھوڑ جاتے ہیں ، جیسے ہی ہمیں فتوح کی رقم کہیں سے پہنچی تمھارے قرضے کی رقم بھجوا دیں گے اور اپنے قبیلے کو بلوا لیں گے ۔'' اس سے قرض خواہوں کی تسکین ہو گئی ۔ میاں کے جسم پر قید و تشدد کی کافی علامات موجود تھیں ، بدن میں طاقت مطلق نہیں رہی تھی ؛ ان کو پلنگ پر لٹایا اور لے نکلے ۔ ذیقعدہ کی ۱۴ کو فتح پور سے چلے ؛ بیانہ پندرہ کوس تھا ، جب وہاں پہنچے آموں کے ایک جھنڈ میں آپ کا پلنگ اتارا اور عرض کی ''یہ مقام بڑا پر فضا

ہے ، حکم ہو تو ٹھہر جائیں؟'' میاں نے فرمایا ''آگے بڑھو۔'' الغرض اسی طرح مریدوں نے کئی جگہ تھم تھم کر پوچھا ، آپ ہر مرتبہ یہی کہتے رہے کہ آگے بڑھو ۔ چلتے چلتے شہر کے مغرب میں تین تیر پرتاپ کے فاصلے پر آ گئے ؛ یہاں آم اور گولر کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ میاں کو یہ جگہ پسند آئی ، پلنگ اتارا اور رہ پڑے ۔ رات کو فتح خاں نے قرض کے متعلق دریافت کیا ، جب رقم معلوم ہو گئی بولا کہ خدا نے کچھ رقم بھیجی ہے ، بہتر ہے کہ اس سے قرض ادا کر دیا جائے۔ چناں چہ فوراً فتح پور کو آدمی دوڑا دیا ۔ یہ مہینے کی اٹھارویں تاریخ تھی ؛ ۱۹ کو مہدی کے عرس کے روز سوا پہر دن چڑھے ۹۸۴ھ میں باون برس کی عمر میں میاں مصطفیٰ جنت کو سدھارے ۔ جب دفن سے فراغت ملی اس وقت قبیلے کے لوگ فتح پور سے پہنچے ، آخری ملاقات نہ ہو سکی ۔

میاں عبداللہ

میاں مصطفیٰ کے خلیفہ ان کے فرزند میاں عبداللہ ہوئے۔ یہ تمام مصائب میں اپنے والد کے شریک رہے ؛ بڑے مبارک ذات اور صاحب کرامات تھے ۔ انھوں نے فقیروں کو بلا کر ہر ایک کی تشفی کی ۔ کچھ دن گزرے تھے اور میاں مصطفیٰ کی جدائی کا داغ ابھی تازہ تھا کہ کسی نے میاں عبداللہ سے کہہ دیا کہ فلاں فلاں فقیر نے بادشاہ سے گاؤں قبول کر لیا ہے ۔ میاں عبداللہ نے دونوں کو اپنے سامنے طلب کیا اور پوچھا ؛ انھوں نے گاؤں لینے کا اقرار کیا اور کہا کہ بادشاہ نے ہماری درخواست کے بغیر از خود عنایت کیا ، جب مانگے بغیر ملا ؛ لے لیا میاں جی بولے ''اگر میاں مصطفیٰ کو علم ہو جاتا ، یقیناً تم کو نکال دیتے ۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ، تم گاؤں سے دست بردار ہو جاؤ ۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم گاؤں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ؛ جو بھائی ہمارے ساتھ رہیں گے ، ہم گاؤں کی آمدنی ان کے ساتھ بانٹ لیا کریں گے اور میاں کی قبر کے مجاور رہیں گے ۔ میاں عبداللہ بہت خفا ہوئے اور بولے ''جہاں کہیں ملک و املاک کا تعلق

ہوگا بندہ نہیں رہنے کا ؛ اگر تم یہ گاؤں نہیں چھوڑتے ، میں یہاں سے رخصت ہوتا ہوں ۔" مریدوں نے دریافت کیا کہ یہاں سے نکلے تو پھر کہاں جا کر رہیں گے ؟ میاں نے جواب دیا "میں سنتا ہوں وانا کے علاقے میں مسلمان کی مطلق عزت نہیں ؛ میں وہاں جا کر رہوں گا تاکہ خدا کے سوا کوئی بھی ہماری عزت نہ کرے ۔" فقیروں نے کہا ، "اور پہنو گے کیا ؟" جواب دیا "اس علاقے میں ساگوان کا درخت ہوتا ہے جس کے بڑے بڑے پتے ہوتے ہیں ، ستر چھپانے کے واسطے ایک پتا کافی ہوگا ۔" مریدوں نے کہا "آپ کو جانے کا اختیار ہے ، مگر ہم نہیں جائیں گے ۔" میاں نے کہا "تم اپنی مرضی کے مختار ہو ، چند روز میں یہاں رہوں گا ؛ میاں کی وفات کو ابھی چالیس دن نہیں گزرے ، دوسرے روضے کی تیاری میں بھی کام باقی ہے ۔ اس کے بعد میں یہاں دم بھر نہیں ٹھہروں گا ۔" سب نے کہا "جب آپ کا دل چاہے سدھاریں ۔" ادھر مریدوں نے علیحدہ کونسل کی اور یہ فیصلہ کیا کہ اگر ہم سب متفق رہیں گے ، میاں بہ وجہ نوعمری ہم کو چھوڑ کر اکیلے نہیں جائیں گے ۔ اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی ۔ جب میاں مصطفیٰ کی وفات کو چالیس یوم گزر گئے اور روضے کا کام بھی ختم ہو چکا ، میاں نے سفر کی تیاری کی ؛ خرچ کی فکر تھی ، خدا نے اسی وقت کچھ فتوح بھیج دی ؛ مریدوں کو بلا کر کہا کہ یہ روپیہ لو اور بازار سے میرے واسطے ایک گھوڑا خرید لاؤ ۔ انھوں نے کہا "آپ ہماری مرضی کے خلاف سفر کو جاتے ہیں ، اس لیے ہم تو تعمیل ارشاد نہیں کریں گے ۔ غرض میاں جی خود بازار گئے اور ایک بیل خرید کر لائے ؛ اس پر گدڑی ڈالی ، بیوی کو سوار کیا اور بیل کی ڈور ہاتھ میں پکڑے پکڑے روانہ ہوگئے ۔ مرید مرد اور عورت یہ تماشا دیکھ رہے تھے ؛ جب آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ، اس وقت یحییٰ نامی فقیر بے تاب ہو گیا اور پیچھے دوڑا ۔ جب میاں کے پاس پہنچ گیا ، ہاتھ جوڑ کر عرض کی "آپ کسی صورت سے بھی یہاں رہیں گے ؟" میاں نے کہا "جہاں دنیا کا تعلق ہوگا میں نہیں رہوں گا ۔" یحییٰ بولا "جب آپ یہاں نہیں رہتے تو میں یہاں رہ کر کیا کروں گا ، چلیے جہاں مخدوم

کی مرضی ہو ۔ بحییٰ کے بعد باقی فقیروں نے ایک ایک دو دو کر کے آنا
شروع کیا ، یہاں تک کہ تمام مرید چلے آئے ؛ بیانہ میں صرف وہی دو
فقیر رہ گئے جنھوں نے بادشاہ سے گاؤں قبول کیا تھا ۔ میاں نے عورتوں
اور بچوں کے خیال سے آہستہ آہستہ سفر کیا اور کئی روز کے بعد
آنبیر پہنچے ۔ آنبیر کا راجا بادشاہ کا نوکر تھا اس کا نام مان سنگھ تھا ؛
وہ میاں مصطفیٰ اور میاں عبداللہ سے خوب واقف تھا ؛ آنبیر میں اس کا
ایک وزیر تھا جو داب کا سنگھی تھا ؛ جب راجا کو میاں جی کے آنبیر
پہنچنے کی اطلاع ملی اور یہ بھی علم ہوا کہ وہ رانا کے علاقے میں
آباد ہونے کی نیت سے جا رہے ہیں ، اس نے اپنے وزیر کو خط لکھا جس
میں مرقوم تھا کہ میاں جی عبداللہ رانا کے علاقے میں جانے کی غرض سے
مسافرانہ آ کر آنبیر میں ٹھہرے ہیں ، تم ان سے درخواست کرو کہ وہ
آنبیر میں ہی رہ پڑیں ۔ سنگھی یہ خط پا کر سیدھا میاں جی کی خدمت
میں حاضر ہوا اور بڑے عجز و الحاح سے آنبیر میں رہنے کی درخواست
کی ؛ میاں جی نے اس کی درخواست کو مان لیا ۔ سنگھی بہت مدارات سے
پیش آیا ، تحفے تحائف بھیجے اور دائرے کے واسطے موضع ھاڈی پورہ میں
زمین بتائی ؛ دائرہ آباد ہو گیا اور اس پر دو تین سال گزر گئے ۔ اب
میاں جی اپنے والد کے روضے کی زیارت کو بیانے تشریف لے گئے ۔
زیارت و طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ان دونوں فقیروں کو
بلایا اور کہا ''میں سنتا ہوں تم نے بادشاہ سے اور پٹہ لکھوایا ہے ،
لاؤ مجھے تو دکھاؤ ؟'' وہ پٹہ لائے ، میاں جی نے پڑھا ، اس میں میاں
مصطفیٰ کی اولاد کا نام درج تھا ۔ میاں جی نے انھیں ملامت کی کہ تم
نے ستم کیا جو میاں مصطفیٰ کی اولاد کے نام پر پٹہ لکھوا لیا ؛ آپ کو
طیش آیا اور سند کو چاک کر کے تالاب میں پھینک دیا ؛ اس کے بعد
آنبیر کو روانہ ہوئے ؛ اب وہ دونوں پٹہ دار فقیر بھی ہمراہ ہو لیے ۔

آنبیر میں دمودر نامی ایک نیک ذات مہاجن رہتا تھا جو میاں جی
کی خدمت میں بھی آتا جاتا اور گاہ گاہ آپ کی نصیحت بھی سنتا ۔
ایک دن میاں جی مبارک ، قیامت کا ذکر فرما رہے تھے کہ گرد کی
کثرت سے دنیا تاریک ہو جائے گی ، تمام درخت اور پہاڑ گرد میں

غائب ہو جائیں گے ۔ دمودر نے قیامت کا یہ مذکور سنا ، اس کے دل میں خدا کا خوف آیا ۔ انھی دنوں میں اتفاق سے ایک شدید آندھی آئی ، گرد اٹھی ، درخت اور پہاڑ غائب ہو گئے اور دنیا پر تاریکی چھا گئی ۔ دمودر نے یہ کیفیت معائنہ کی ، سمجھا کہ قیامت نمودار ہو گئی اور دنیا کا خاتمہ آ گیا ؛ خوف زدہ ہوا اور میاں جی کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں ، آپ مجھے راہ ہدایت بتائیں ۔ میاں جی نے اسے گلے لگایا ، کلمہ پڑھا کر مسلمان بنا لیا اور شیخ برہان نام رکھا ۔ یہ خبر بستی میں پھوٹی اور شیخ دمودر کے رشتہ داروں نے اسے فہمائش کی ، مگر وہ نہ مانا ۔ انھوں نے اسے قید و بند میں رکھا ، پھر بھی وہ اسلام سے نہیں پھرا ۔ آخر انھوں نے اسے پھانسی میں ڈال دیا ؛ اس کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا ؛ جب اسے آزاد کرے ، چھٹ میاں کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ۔ ایک روز اس نے عرض کی کہ میں اس قید و تشدد سے تنگ آ گیا ہوں ؛ مجھے آپ سے جدائی کی تاب نہیں ، اس لیے بہتر ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے مجھے قتل کر دیں تاکہ اس دوگونہ عذاب سے چھوٹوں ورنہ یہاں سے کسی اور جگہ نقل مکان فرمائیں کہ میں زندہ رہ سکوں ۔ میاں جی نے اپنے فقیروں کو طلب کیا اور کہا ”دیکھو! شیخ برہان نے ہماری خاطر اپنے قبیلے اور رشتہ داروں کو ترک کر دیا ہے ؛ یہ انصاف نہیں کہ شیخ مصیبت بھریں اور ہم چین کی چڑیاں اڑائیں ؛ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں کی سکونت ترک کر دیں ۔“ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور شیخ برہان کو سمجھا دیا کہ ساتھ نہ آنا ، کچھ دن بعد موقع پا کر چلے آنا ۔ آخر وہ دن آیا جب میاں عبداللہ نے آبیر کو خیرباد کہا ۔ کھنڈیلے کا راجا رائے سل تھا ؛ اس کا کارندہ دئی داس تھا ؛ اس علاقے میں پٹھانوں کی ایک بستی بھی تھی ؛ پٹھانوں کو میاں کے ساتھ بہت محبت تھی ؛ ان کی آرزو تھی کہ میاں ہماری بستی میں رہنا قبول فرمائیں ؛ دئی داس سے بھی کہتے رہتے تھے کہ میاں جی کو کھنڈیلے لا کر آباد کرو ۔ آخر اس نے میاں جی کی خدمت میں ایک عرض داشت لکھی ؛ دو پٹھان یہ عرض داشت

لے کر خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ان میں سے ایک کا نام خضر خاں ترین اور دوسرے کا محمود خاں مشوانی تھا ۔ عرضی پیش کی اور زبانی منت سماجت کی ۔ میاں نے بالآخر کہا ''میں تمہارے ساتھ چلوں گا ۔''

۹۹۹ھ (۱۵۹۰ء) تھا اور آنبیر میں رہتے ہوئے پندرہ برس گزر چکے تھے ، جب میاں نے ذی الحجہ کا چاند دیکھ کر کھنڈیلے کی طرف کوچ کیا ۔ بچوں اور عورتوں کا ساتھ تھا ، اس لیے کوچ بہت آہستہ ہوتا ، پھر بھی ۹ ذی الحجہ کو کھنڈیلے کے پاس پہنچ گئے ۔ دو کوس کا فاصلہ باقی تھا ، میاں نے ڈیرہ کر دیا ۔ پٹھان اطلاع دینے کو آگے بڑھے ؛ دئی داس حاضر ہو گیا ، ضیافت کی اور نذر دی ۔ ۱۰ ذی الحجہ کو کھنڈیلے سے مشرق میں بہ فاصلہ تین تیر پرتاب ایک تالاب کی پال پر ڈیرہ ڈالا ؛ درختوں کے نیچے عورتوں کی بہلیاں ٹھہریں ۔ گیارھویں کو دئی داس واپس آیا اور عرض کی کہ دائرے کے واسطے چل کر زمین دیکھ لیجیے ۔ میاں نے دئی داس کے ساتھ پھر کر تمام زمین دیکھی ، مگر سوائے اس زمین کے جہاں پڑاؤ تھا ، کوئی جگہ پسند نہیں آئی ، بولے ''ہم تو یہیں آباد ہوں گے ۔'' دئی داس بولا ''مبارک ہو !'' تالاب کے قریب پتھریلی زمین کی ٹیکری تھی ، تھوھر کے درخت کثرت سے تھے ، سب سے پہلے مسجد کے واسطے زمین انتخاب ہوئی ، اس کے بعد مریدوں کو زمینیں ملیں ؛ وہ اپنے اپنے گھر بنانے میں مشغول ہو گئے ۔ دئی داس نے اپنی عرض داشت میں راجا کو مفصل کیفیت لکھ دی ؛ اس کا جواب آیا کہ سب میں بڑا گاؤں جو عمدہ ہو اور خوب آباد ہو ، خدا کے واسطے میاں کے نذر کر دو ۔ دئی داس نے آ کر عرض کی ، میاں نے جواب دیا کہ اگر گاؤں لینا منظور ہوتا تو اکبر بادشاہ سے کیوں نہ لیتے ؟ پھر اس نے عرض کی ''کوئی کنواں ، باوڑی تو قبول فرمائیے ؟'' آپ نے پھر نفی میں جواب دیا اور کہا ''البتہ ہمارے آدمیوں کو جلانے کی لکڑی کے لیے نہ روکا جائے ۔'' دئی داس نے کہا کہ راسل آباد کا سارا جنگل نبز میٹاھلا اور پال تلیکی باوڑی رائے سل کی طرف سے میاں کی نذر ہیں ۔

کھنڈیلے میں آباد ہونے کی اطلاع جب شیخ برھان کو پہنچی ،

کوئی بہانہ بنا کے اس نے جنگل کا راستہ لیا اور کھنڈیلے کا رخ کیا ۔ رشتہ داروں کو جب اس کے غائب ہونے کی حقیقت معلوم ہوئی ، سمجھ گئے کہ وہ مسلمانوں کے پیچھے گیا ہے ؛ دو آدمی اس کی تلاش میں روانہ کیے ۔ وہ اس کے کھوج نکالتے چلے اور راستے میں جا پکڑا ، واپس چلنے پر مجبور کیا ؛ اس نے کہا ''میں تمھیں یہ سونے کی انگوٹھی اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم خاموشی کے ساتھ واپس چلے جاؤ اور میرے رشتہ داروں سے کہہ دو کہ میں نہیں ملا ۔ دونوں آدمی انگوٹھی لے کر لوٹ گئے ۔ برہان کے رشتہ داروں نے اور آدمی تلاش میں بھیجے ۔ وہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے چلے اور برہان کو ایک گاؤں میں جا پکڑا ۔ برہان نے گاؤں کے ایک پٹھان سے مدد مانگی اور کہا کہ میں میاں جی مبارک بدن کا فقیر ہوں ، یہ لوگ میرے دشمن ہیں اور مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے ۔ پٹھان نے پناہ دے دی اور پلنگ کے تلے رضائیاں گدیلے ڈال کر اسے چھپا دیا ۔ برہان کے گرفتار کرنے والے آئے اور پٹھان کے گھر پر آ کر شور مچا دیا کہ تم نے ہمارے غلام کو چھپا لیا ہے ۔ پٹھان کو تلاشی دینی پڑی ، مگر برہان نہیں ملا ۔ وہ بولے کہ ہمارے چور کے کھوج تمھارے گھر تک آ گئے ، ہم اب شہر میں فوج بھیجنے جاتے ہیں ، تم سے فوج والے معاملہ فہمی کریں گے ۔ ادھر برہان نے پٹھان سے کہا ''مجھے جلد از جلد میاں کے پاس پہنچا دو ۔'' پٹھان نے سواری کو گھوڑا دے دیا اور ایک آدمی ساتھ کر دیا ۔ برہان بہ خیریت کھنڈیلے پہنچ گیا ۔ آنبیر پہنچ کر ان آدمیوں نے حاکم کے سامنے شکایت کی کہ گاؤں میں ایک پٹھان رہتا ہے ، دمودر اس کے گھر میں گھس گیا اور پھر ہمیں نظر نہیں آیا ؛ ہمیں یقین ہے کہ اس پٹھان نے اسے کہیں غائب کر دیا ۔ حاکم نے فوج بھیج دی اور حکم دیا کہ گرفتار کر لاؤ ۔ فوج نے آ کر پٹھان کا گھر گھیر لیا اور اس سے پوچھا ؛ اس نے کہا ''تمھارا آدمی آیا تو تھا مگر اب وہ کھنڈیلے پہنچ گیا ہے ۔'' سوار یہ سن کر آنبیر لوٹے اور حاکم سے رپورٹ کی ۔ حاکم نے کھنڈیلے چٹھی لکھی کہ ہمارا غلام مال و متاع لے کر کھنڈیلے بھاگ گیا ہے ؛ دمودر اس کا

نام ہے ، تم اسے گرفتار کر کے بھیج دو ۔ یہ کتابت جب کھنڈیلے میں
دئی داس کے پاس پہنچی ، وہ پڑھ کر سہم گیا ؛ تحقیقات کر کے میاں کی
خدمت میں آیا اور ھاتھ جوڑ کر عرض کی ''سنتا ھوں آپ کے پاس
دمودر آیا ھے ، میری درخواست ھے کہ اسے آپ مجھے بخش دیں ۔
میرے پاس حاکم آنبیر کی چٹھی آئی ھے ، وہ لکھتا ھے کہ دمودر کو
فوراً بھیج دو ، بہیں تو فوج لے کر کھنڈیلے آتا ھوں ۔ مجھ میں یہ
طاقت نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکوں ۔'' میاں نے یہ سن کر برھان
کی طرف دیکھا ؛ برھان نے جواب دیا کہ میں نہ کسی کا چور ہوں ،
نہ کسی کا غلام ھوں ، خدا کا بندہ ھوں ؛ آنبیر جانے کو تیار ھوں ؛
مجھ پر جو گزرے گی ، صبر سے برداشت کروں گا ، خدا میرا مالک ھے ۔
دئی داس نے دو آدمی اس کے ساتھ کر دے جو اسے آنبیر پہنچا آئے ۔
دمودر کے رشتہ داروں نے اس کے بیڑیاں ڈال دیں ، طرح طرح سے
اس پر عذاب کرنے اور سچے دین سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کرتے رھتے ؛
مگر وہ ثابت قدم رہا ؛ ھر وقت کلمہ اور درود پڑھتا رھتا ؛ جہاں موقع
پاتا ھڈی اٹھا لاتا اور رسوئی میں ڈال دیتا ۔ الغرض ایسی حرکتوں سے
گھر والوں کو دق کرتا ؛ نہ ان کا پکایا کھاتا ؛ وہ بھی اس سے
تنگ آ گئے ۔ قرار دیا کہ اسے قید رکھنا بے سود ھے ، بہتر ھے کہ
چھوڑ دیں ، چناں چہ اس کی بیڑیاں کاٹ دیں ۔ پھر اس کی بیوی کو بلایا
اور کہا کہ اگر تم اس کے ساتھ جانا چاھتی ھو تو جا سکتی ھو ،
ھم نہیں روکیں ؛ اور یہاں رھو تو یہ تمھارا گھر ھے ، تم پر کوئی
جور و جبر نہیں ھوگا ۔ وہ بولی ''میں اس کے ساتھ جانا نہیں چاھتی ۔''
اس طرح برھان بھائی قید سے آزاد ھو کر کھنڈیلے میاں کے پاس پہنچ گیا ۔
میاں جی مبارک بدن بہت خوش ھوئے ۔ ان کی صحبت کے اثر میں
اس نے الحمد پڑھنی سیکھ لی ۔

میاں جی عبد اللہ کھنڈیلے آ جانے کے بعد صرف سات سال اور
زندہ رہے ؛ کل اڑتیس سال عمر پائی ؛ ۲۶ محرم ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۵ء) کو انتقال
فرمایا ۔ آپ کے دو فرزند تھے (۱) ایک میاں امام جن کی عمر اس وقت
چار سال کی تھی ، (۲) دوسرے شیخ عبدالوھاب جو بیس سال کے تھے ۔

میاں جی مبارک بدن پانچ بھائی تھے : آپ خود ، شیخ یحییٰ اور شیخ احمد امام تینوں ایک والدہ سے تھے - شیخ احمد نے جب تک میاں امام بالغ نہ ہوئے ، بھائی کی گدی سنبھالی ؛ جب امام جوان ہو گئے خلافت ان کو مل گئی - امام کئی سال مسند ارشاد پر فائز رہے اور پچیس سال کی عمر میں جب ۱۰۳۶ھ[۱] (۱۶۲۶ء) تھا ، وفات کی - ان کے چھوٹے بھائی میاں عبدالوھاب جانشین ہوئے؛ گویا اصل خلافت میاں جی مبارک بدن کے بعد انھوں نے کی - آپ نے ایک مرتبہ آنبیر کا سفر کیا ، بھائی برھان کو بھی ساتھ لیا ؛ برھان کے رشتہ داروں کو خبر ہوئی ، بڑے تپاک سے ملے - شیخ عبدالوھاب بہت خوب انسان تھے - بتیس سال خلافت کر کے ۵ رمضان کو سفر آخرت اختیار کیا انھوں نے تین فرزند چھوڑے : (۱) میاں شیخ عماد (۲) میاں شیخ ملتجی (۳) میاں شیخ عبدالحلیم - میاں شیخ عماد کو خلافت ملی اور بیس سال کی عمر میں چار ماہ کم یا چار زائد مسند خلافت پر بیٹھے :

خلافت پہ بیٹھے سو حضرت عماد
برس بیس ھور چار کم یا زیاد

وہ مریدوں پر باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان تھے ، یتیموں اور بیواؤں کے خبر گیراں تھے ، مہمان کی بڑی مدارات کرتے اور سخاوت میں تو گویا حاتم ثانی تھے - عمر بھر روپے پیسے کو ھاتھ نہیں لگایا ؛ مسجد ، باوڑی ، باغ ، حوض اور روضہ انھیں کی تعمیر سے ھیں - حج کا ارادہ کیا ، پہلے فرہ پہنچ کر مہدی کی زیارت کی ، پھر بیت اللہ گئے - ۲۵ ذی الحجہ کو ۱۱۱۳ھ (۱۷۰۱ء) میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کی - ان کے تین فرزند تھے : (۱) میاں شیخ عیسیٰ جو ابھی مسند ارشاد پر قائم ھیں[۲] - انھی کے دور میں مثنوی 'فیض عام' از عبدالمحمد ۹ شعبان ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ء) کو تالیف ھوئی ھے جو ان صفحات کا ماخذ ھے ، (۲) میاں شاکر مرحوم (۳) میاں مجتبیٰ جو بہ وقت تصنیف 'فیض عام' زندہ ھیں -

یہاں تک فیض عام ھماری ھادی تھی - باقی سلسلے کی

---

۱ - صحیح ۱۰۲۶ھ (مرتب) ۲ - یعنی مثنوی فیض عام کی تالیف کے وقت (مرتب) -

تاریخوں و زمانۂ حیات معلوم کرنے کے لیے ہمارے ذرائع معلومات ناکافی اور محصر ہیں ۔ فقیراللہ بن عبدالرحمان بن عبدالمجید بن عبدالشاکر بن عماد الدین بن عبدالوہاب بن شاہ عبداللہ بن میاں مصطفیٰ کتاب 'بحرالنکات' تصنیف میاں عبداللہ کی ایک نقل ۱۲۳۶ھ میں تیار کرتا ہے ۔ خاتمے کے بعد کے ورق میں اس نے بزرگان مہدویہ و خانوادۂ دائرہ کی تاریخیں غالباً اپنی طبع زاد درج کی ہیں ۔ ان میں میاں عیسیٰ کی تاریخ وفات ۱۱۵۱ھ شعر ذیل کے پہلے مصرع سے برآمد ہوتی ہے :

آں آفتاب دین حلم چو ماہتاب
ہادی الورا بحلم و شمع رہ صواب

میاں عیسیٰ کے جانشین میاں محمد اسحاق ہیں جو ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) میں فوت ہوئے ہیں اور تاریخ وفات شعر ذیل کے مصرع اول سے معلوم ہوتی ہے :

رہنمائے دلکشائے کاملے صاحب صدر
شاملے در حج اکبر خاص با رورحشر

ان کے بعد میاں نجم‌الدین متوفی ۱۲۰۹ھ ہیں - شعر آیندہ کا مصرع اول مادۂ تاریخ کا حامل ہے :

''بود زاهد مرشدی در دائرہ قطب کمال''
نام نجم‌الدین صاحب چوں بدر روشن جمال

اب ہم فقیراللہ کی رہنمائی سے محروم ہو جاتے ہیں ، مگر ساتھ والے ورق پر کسی نا معلوم شخص نے اسی صدی میں کسی وقت ان اسماء کی تاریخیں دی ہیں -

بندگی میاں رفیع‌القدر ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ء) ۔ تاریخ وفات مادۂ ذیل سے بر آمد ہوتی ہے :

''کہ جنت رسیدند آں عالی وقار''

کاف بیانیہ مصرع میں داخل مادہ ہے ۔ ان کے بعد میاں محمد عظیم کا نام ہے جو ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں اس دار فانی سے رحلت کرتے ہیں ۔ آخری نام میاں محمد خدا بخش کا ہے جن کا سال وفات ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳ء) مذکور ہے ۔

یہ تاریخیں کوئی تعجب نہیں اگر قیاساً دی گئی ہوں ، کیوں کہ ان بعض حروریات سے جو دی گئی ہیں مطابق نہیں آتیں ، مثلاً میاں عبداللہ کی عمر میاں مصطفیٰ کی وفات کے وقت جو ۹۸۴ھ میں واقع ہوئی ہے ، سولہ سال بتائی ہے :

میاں جی مبارک بدن کی عمر جو سولہا برس کی اتھی سربسر

خود ۱۰۰۴ھ میں بہ عمر اڑتیس سال انتقال کرتے ہیں ؛ گویا اپنے والد کے بعد صرف بیس سال اور زندہ رہے ۔ پس ۱۶ + ۲۰ = ۳۶ سال عمر پائی ، یا یہ مانا جائے کہ ۱۰۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ امام جو میاں عبداللہ کی وفات کے وقت ۱۰۰۴ھ میں چار سال کے تھے :

برس چار کا تھا اول نیک نام جسے بولتی تھی خلق سب امام

ظاہر ہے کہ ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے ، جب پچیس برس کی عمر میں وفات پائی :

بران[1] سٹھ سن تو انوں کی عمر برس بس ہور پانچہ کی سربسر

تو ان کی وفات ۱۰۲۵ھ میں ہوئی چاہیے ، نہ ۱۰۳۶ھ میں :

اتھا سن ہجری جداں یک ہزار دگر برس چھتیس اندر شمار

یا ان کی عمر ۳۵ ہونی چاہیے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبدالمحمد کی غلطی ہے ؛ فقیراللہ نے صاف ۱۰۲۶ھ دیے ہیں ، یا کاتب چھبیس کو چھتیس لکھ گیا ۔

عبدالمحمد نے میاں عبدالوہاب کا سال وفات نہیں دیا ، صرف اتنا لکھ دیا ہے کہ تئیس (۲۳) سال خلافت کی :

کتے سال تیویس لک در اصل خلافت کری بیٹھ کر بے بدل

اس موقع پر فقیراللہ ہماری دستگیری کرتا ہے اور شعر ذیل میں تاریخ وفات ۱۰۴۹ھ دیتا ہے :

"کان شاہ دین توکل دل ہم چو انبیا"
سالار فرقہ ناجی و سردار اتقیا

---

۱ ۔ بعدازاں کا مخفف (مرتب)۔

اُن کے جانشین میاں عمادالدین بیس سال کی عمر میں ۱۰۳۹ھ میں سجادے پر آ کر چونسٹھ سال تک مرشدی کر کے ۱۱۱۳ھ میں کم و بیش نوے سال کی عمر میں وفات پاتے ھیں :

بھی سن کان دھر تو انوں کی عمر سو کم بیش نوے برس کی خبر

بیس اور چونسٹھ چوراسی سال ہوتے ھیں نہ نوے ۔ اس سے ھمیں گمان گزرتا ھے کہ ان بزرگوں کے سال ھاے وفات بعد میں کسی نے اندازہ کر کے مرتب کر دیے ھیں ۔

اھل دائرہ کے قلمی آثار

میاں مصطفیٰ اھل دائرہ کے مذہبی پیشوا کوئی مشہور و معروف ادیب و اھل قلم نہیں ھیں ۔ انھوں نے اپنی قلمی یادگاریں بہت کم چھوڑیں ۔ نثر میں جو کچھ لکھا ضرورتاً لکھا ، اور نظم اسی وقت لکھی جب ذوق طبیعت نے ابھارا ۔ ان کے مکتوبات کا ایک مجموعہ ھے جس کا ذکر عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں کیا ھے کہ ''از مکتوبات او بوی فقر و فنا می آید ۔'' اس سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ مجموعہ ان کی زندگی میں شائع ھو چکا تھا ۔ ان میں مصنف نے آیات و حدیث ، مثنوی و رباعی و اشعار فارسی کا کثرت سے استعمال کیا ھے ۔ بعض وقت پورا خط نظم میں لکھ ڈالا ھے ۔ ان مکتوبات کو شرف‌الدین منیری اور شیخ عبدالقدوس گنگوھی کے مکتوبات کے برابر نہیں رکھا جا سکتا ؛ نہ ان سے اس عہد کے گزرنے والے واقعات یا خود مصنف کی آپ بیتی پر روشنی پڑتی ھے ۔ میاں مصطفیٰ جس دنیا میں چلتے پھرتے ، رھتے بستے نظر آتے ھیں اس کو ھماری گناہ و معصیت کی دنیا سے کوئی واسطہ نہیں ۔ ان کی نگاہ عقبیٰ اور عاقبت پر جمی ھوئی ھے ۔ سب سے زیادہ یہ خطوط ان کی فروتنی ، غربت اور مسکنت ، پاک نفسی اور پاک طینتی کی گواھی دیتے ھیں ۔ صبر و رضا ، تسلیم و توکل میاں کا امتیازی نشان ھے ۔ ترک دنیا و اھل دنیا ، ذکر دوام و تجرید تمام ان کا دائمی نصب‌العین ھے ۔ وہ خود بیدار ھیں اور دوستوں آشناؤں کو بیدار کرنے سے نہیں تھکتے ، ھر نفس ان کے نزدیک نفس بازپسیں ھے :

وقت آخــر آمده هشیار می بـاید شــدن
روز و شب با سعی جاں درکار می باید شدن

خواب غفلت را نباید یار کردن در جہاں
یار من زیں خواب بد بیدار می باید شدن

مکتوبات کے علاوہ میاں مصطفیٰ ایک رسالے کے بھی مالک ھیں ، جس میں اس مباحثے کی روداد ھے جو شہر احمد آباد میں خان اعظم کے روبرو ان کے اور علمائے گجرات کے درمیان واقع ھوا ؛ یہ ایک نہایت مختصر رسالہ ھے ۔

میاں مصطفیٰ کے فرزند میاں عبداللہ تحریر و انشا میں شاید اپنے پدر بزرگوار سے بازی لے گئے ھیں ۔ ان کی مثنوی 'بحرالنکات' جس کا اس سے قبل ذکر آ چکا ھے ، میرے زیر نظر ھے جو ۱۰۰۳ھ میں یعنی مصنف کی وفات سے ایک سال قبل تالیف ھوئی ھے ، اس کی ابتدا یہ ھے :

اے جلوہ گــر آمدہ بہر ســاز اوراق ز مصحف رحــمت بــاز

حمد و نعت و نعت خاتم ولایت و مدح صدیق ولایت میاں مصطفیٰ کے بعد اصل مثنوی شروع ھوتی ھے ۔ یہ مثنوی ایک لمبے خط کی صورت میں فضائل مآب میاں شیخ عابد کے نام ھے ۔ ابتدائے مثنوی میں اپنے مخاطب کو لکھتے ھیں :

یقیں دانی کہ ایں الفاظ منظوم برای اســراح نسب مرقوم
وگــرنہ نامد از انــواع عــرفاں درازی سخــن پیــش بــزرگاں
دگــر منظور باد این نو غزلہا کہ بعد از ختم نامہ گشت پیدا
میان نــامــہ و آنہا چــو بینی ز بــاغ مثــنوی گلہا بہ چینی
شد ایں نــامہ ز عبداللہ محرر کنند انفاس عــابــد را معطــر
موافق جستمش چون با صفات اسم نہادہ آمــدش بحــرالنکات اســم

ابتدا میں اور امور کے علاوہ مہدویوں کے لیے باب نصیحت و پند کھولا ھے اور جھوٹے مہدویوں کی خبر لی ھے :

فــروشی نــام مہدی را بہ نانی خری زان بہر خــود بدتر زیانی

ازان بہتر بسود کاری کنی گر | کہ سروھی[1] روی باشی تو چاکر
کنی خدمت بہ پیش بت پرستاں | برای قوت خود چوں زیر دستاں

اس کے بعد صدیق ولایت کی ایک نقل ، مہدی کی ایک نقل ، پھر ایک چور کی حکایت ہے ، جو کسی پیر کا مرید ھو گیا تھا ۔ پیر نے اس سے وعدہ لیا کہ اگر چوری تجھ سے چھوٹ نہیں سکتی تو کم از کم اس کے اقدام کے وقت دائرۂ انصاف سے تجاوز نہ کرنا ۔ اس کے بعد دو جماعتوں کا تقابل جس میں ایک قرآن اور تقلید اجماع کی پابند ہے ، اور دوسری جہالت اور خلق پرستی کی وادی میں بھٹک رھی ہے ۔ آیندہ مہدی کے سفر خراسان کی حکایت ، شگفتن ستان تصدیق الخ اور مخاطبۂ دل وغیرہ ؛ خاتمے کے اشعار ھیں :

بصد عجز و نیازش گیر دامن | بگو با دوں جان کاے شمع روشن
بنور خویش روشن کن درونم | کہ ھم سوی تو گردد رھنمونم
بآن حسن خودم رہ دہ کہ زودم | رھاند حویش ز زشتی ھای بودم

حجم یک صد صفحات ۔

اب غزلیں شروع ھوتی ھیں جن کی تعداد پینتیس ہے ۔ فقر و فنا کم کم اور مستی و رندی اور صراحی و خم کے مضامین بہ کثرت ھیں ۔ دو غزلیں سرود کے وصف میں ملتی ھیں ۔ پہلی غزل کا مطلع ہے :

شیشہ دہ ساغر ھنوز راز نداده برون
سار ز زخمہ فگند شور بہ مجلس درون

میاں عبداللہ اپنی غزلوں میں کوئی تخلص نہیں لاتے ۔ چوں کہ کلام میں صفائی کم ہے ، اس سے معلوم ھوتا ہے کہ مشق سخن کا موقع کم ملا ہے اور جو کچھ لکھا ہے ضرورتاً لکھا ہے ۔ خاتمے میں ایک قطعے میں اپنی اس بے حال گوئی پر معذرت کرتے ھیں ، اور تاریخ اختتام دیتے ھیں :

بامیدی کہ حق این گفتن بے حال مرا
ز بس احسان و کرم عفو کند در محشر

---

۱ - یعنی سروھی در راجستھان ۔

سال اتمامش اگر کس طلبد از هجرت
بر هزار و سه شده ختم نماند مضمر

میاں عبداللہ ایک مجموعۂ مکتوبات کے بھی مالک ہیں ؛ پہلا اور دوسرا مکتوب میاں سید محمود کے نام ، تیسرا بنام میاں اسماعیل از سید حمید در حمایت عقائد میاں عبداللہ ؛ ساتھ ہی میاں عبداللہ کا اضافہ بسبیل ضمیمہ ۔ چوتھا خط بنام شیخ ابراہیم ، پانچواں به میاں شیخ عابد ۔ یہ خطوط اس عام اعتراض کا جواب ہیں جو مرکزی شاخ مہدویہ بالعموم میاں مصطفیٰ پر کیا کرتی تھی کہ وہ حقیقت میں بے پیرے اور بے مرشدے ہیں ۔ یہ نزاع بہت دیر تک چلتا رہا ہے ، بلکہ صدی ڈیڑھ صدی تک فارسی اور اردو میں اس پر بہت رسالے اور کتابیں لکھی گئی ہیں ۔

بعض خط میاں عمادالدین متوفی ۱۱۱۳ھ کی یادگار ہیں ۔ ان میں سے دو میری نظر سے گزرے ہیں ۔ پہلا خط سید میراں کے نام ہے ، بلکہ ان کے خط کا جواب ہے ، جس میں پھر وہی قدیمی اعتراض سوپ میں پھٹکا گیا ہے کہ میاں مصطفیٰ خود رو تھے اور کسی پیر سے تلقین نہیں ہوئے ۔ میاں عماد جواب میں کہتے ہیں کہ میاں کو علم لدنی حاصل تھا ، اس لیے انھیں کسی مرشد اور پیر کی ضرورت نہیں تھی ۔ ہمارے نزدیک میاں مصطفیٰ کی درخشاں خدمات اور قربانیوں سے تجاهل برتنا اور ایک ادنیٰ فروگذاشت کو لے کر اچھالنا مرکزی شاخ مہدویہ کی سنگدلی اور بے حسی کی دلیل ہے ۔

بحون غلطیده دست و تیغ غازی مانده بی تحسین
تو اول زیب اسپ و زینت برگستوان بینی

میاں عماد کا دوسرا خط ۱۰۸۹ھ کا نوشتہ ہے ، جب وہ براہ خشکی حج کعبہ اللہ کو تشریف لے جا رہے تھے ۔ یہ خط مقام ڈھاڈر[۱] سے بھیجا گیا ہے اور ان مظالم کی روئداد کا حامل ہے جو بربنائے تعصب مذہبی ڈھاڈر کے لوگوں نے ان پر توڑے ۔ ڈھاڈر کا حاکم مرزا خاں پسر

۱ ۔ بلوچستان کے شہر سبی کے نزدیک ایک مقام ہے ۔ (مرتب)

جیون خاں ہے ، جس نے دارا شکوہ کو پکڑ کر اورنگ زیب بادشاہ کے حوالے کیا تھا ۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ایک بے ضرر سے اختلاف کی بنا پر ان بیچارے مہدویوں کو کیسی کیسی تعدیوں کا نشانہ بنایا گیا ۔

علما ان سے مناظرے کے لیے ایک مسجد میں جمع ہوتے ہیں ۔ ان نوواردوں کو بلایا جاتا ہے ، یہ جاتے ہیں ۔ صحن مسجد میں چار سو آدمی جمع ہیں ؛ انھیں درمیان میں جگہ دی گئی ۔ ان سے نام پوچھا ، انھوں نے جواب دیا 'عماد' ؛ کسی بے حمیت نے کہہ دیا ''عماد نہ کہو حمار کہو ۔'' پھر سوال ہوا کہ مہدی کے متعلق کیا کہتے ہو ؟ آ گیا یا آنے والا ہے ؟ انھوں نے جواب دیا ''مہدی علیہ السلام آمد و رفت ۔'' اس پر لوگ گرم ہو گئے اور چاروں طرف سے لعنت ہونے لگی ۔ پھر پوچھا کہ تمھارے پاس کون بیٹھا ہے ؟ انھوں نے کہا میرا فرزند ہے ۔ کہنے لگے کہ پہلے ہم اس کا بند بند جدا کریں گے ، بعد میں تجھے قتل کریں گے ۔ ان کا جواب تھا ''ایں ضعیف گفت ماہ مبارک مولود است ، مبارک باد ۔'' اس موقع پر سردار مجلس جس کا نام سری تھا ، اٹھا ۔ اس نے نہایت بے رحمی سے میاں عماد کو حلق سے پکڑ لیا ؛ پھر سب نے مل کر ان باپ بیٹوں پر حملہ کر دیا ۔ کسی نے ہاتھ پکڑ لئے ، کسی نے سر کے پٹے اور کسی نے ڈاڑھی پکڑ لی ۔ ان کے قرآن اور کتابیں چھین کر سب کو پارہ پارہ کر دیا ؛ یہاں تک کہ قرآن شریف کے احترام کو بھی بھلا دیا ۔ یہ چھ آدمی تھے ، چھیوں پر سب طرف سے لات اورگھونسوں کا مینہ برستا رہا ؛ ان کا دم لبوں پر آ گیا ۔ ان میں ایک منصب دار سید تھا ، غل مچانے لگا ، نامعقولو کیا کرتے ہو ، ان کی جان نکل رہی ہے ؛ یہ اپنے عقیدے سے رجعت نہیں کریں گے ۔ آخر بہ صد مشکل ان کو چھوڑا ۔

میں اپنی محدود معلومات کی بنا پر فارسی زبان میں اہل دائرہ کی دیگر مساعی پر روشنی نہیں ڈال سکتا اور صفحات آیندہ میں ان کی اردو تالیفات پر نظر ڈالتا ہوں ۔ اردو یا ہندی جیسا کہ ان ایام میں کہلاتی تھی ، ابتدا ہی سے مہدویوں میں ان کے ہندوستان میں مختلف صوبوں

کے ساتھ تعلقات کی بنا پر مقبول تھی ۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے دینی پیشوا نے منجملہ دیگر فرائض کے ایک فرض مہاجرت از وطن بھی لازمی قرار دیا تھا ۔ خود حضرت میراں سید محمد بھی ایک مقام سے دوسرے مقام پر ہجرت کرتے رہے ۔ ان کی وفات پر مہدویوں کے دس دائرے ہو گئے جو اپنے اپنے پیشوا کے ماتحت ادھر ادھر پھرتے رہے ۔ اخراج اور دیگر سیاسی وجوہ کی بنا پر بھی ان کو آوارہ گردی کرنی پڑتی تھی ۔ ان وجوہ کی بنا پر اردو کے ساتھ جو ہندوستان کے ہر صوبے میں بولی اور سمجھی جاتی تھی ، ان کا تعلق ابتدا ہی سے قائم ہو گیا تھا ۔ فقرے ، شعر اور دوہرے جو اس فرقے کے دینی پیشوا کی زبان سے ادا ہوئے ، کتابوں میں محفوظ ہیں ۔ 'آچھو جی آچھو' ایک موقع پر بزبان گوجری (گجرات کی اردو) آپ کی زبان سے ادا ہوا تھا ۔ 'زاد الفقرا' کے دیباچے میں مرقوم ہے کہ پیر پیراں یعنی میراں سید محمد مہدی موعود علیہ السلام در بیان صفت فقرا بزبان گوجری فرمودہ است و آں اینست ۔ ساکھی :

پھانا پہیں نوکا کھائیں راول دیول کہیں نہ جائیں
اس گھر آئی یا ہی ریت پائی حاہیں اور مسیت

میاں مصطفیٰ کے مکتوبات[1] میں آتا ہے کہ ''حضرت میراں جو گاہ گاہ بزبان ہندوستان درمیان یاران خوش فرمودہ اند کہ 'ہموں ہموں میاںے خدا بھیتر کی محبت ہے جیو ، ہموں ہموں میاںے خدا بھیتر کی محبت ہے جیو ۔'' میاں عبداللہ کے خط میں جو شیخ ابراہیم کے نام ہے ، یہ جملہ آتا ہے :

''می آرند کہ این دوہرہ وقت رحلت بر زبان حضرت میراں گذشتہ است :

دوہرہ

بیڑا نت پکھال توں کپڑ دھوے مدھوے
او جل ہوئے چھوٹ سی اس نیدوے مت سوے

---

۱ ۔ منقول از مکتوب ہفتاد و دوم 'مکتوبات میاں مصطفیٰ' قلمی مملوکۂ سید خیرالدین صاحب وکیل ٹھکانجات چے پور ۔

سید خوند میر متوفی ۹۳۰ھ کی طرف یہ دوھرہ منسوب ھے :

دوھرہ

ایک ملامت بھوکھ دکھ عالمگیری بار
چلن تمام رسول کے جن کے یہ اختیار[1]

میاں دلاور متوفی ۹۴۵ھ کا یہ فقرہ مشہور ھے :

"صدقہ حاؤ حی اس باطن کے جس مین دین مہدی پرورش پاتا ھے ۔"

فیض عام میں آتا ھے کہ جب میاں مصطفیٰ موربی گئے ھیں ، اس وقت انھوں نے ذیل کا ریختہ تحریر کیا تھا جسے مصنف نے اس شعر کے نیچے نقل کیا ھے :

میاں نیں کیے گھر میے جاندھاں کہا ریختہ یوں مبارک زبان
ریختہ فرمودن از زبان مبارک

اس لٹکے اوپر واری ری	اس غمزے کے بلھاری ری
دل برد بیک رفتار کہ خوش	دین برد بیک گفتار کہ خوش
نا گاہ متاع ھوس و خرد	وابستہ بداں دستار کہ خوش

اس لٹکے اوپر واری ری
اس غمزے کے بلھاری ری

آمد سو من چوں ماہ وشاں	بنشست دمی شاداں و خوشاں
دل خواست کہ سہانیس کند	برخاست ھمی شمشیر کشاں

اس لٹکے اوپر واری ری
اس غمرے کے بلھاری ری

گفتا کہ بیا تا بوسہ زنم	گفتم کہ فدایت جاں و تنم
نزدیک (چو گشتم) خندہ زدہ	می گفت کہ خواھم بوسہ کنم

اس لٹکے اوپر واری ری
اس غمزے کے بلھاری ری

---

۱ ۔ منقول از 'زاد الفقرا' مملوکۂ سید خیرالدین صاحب وکیل ڈھکانجات جے پور ۔

چشمیست که دل از جاے شود لعلیست که غم از بیخ رود
که از سر راهم دور کند که بگریزم دنبال کنند
اس لٹکے اوپر واری ری
اس عمرے کے بلہاری ری
(صفحہ ۳۷ ، فیض عام)

اسی تالیف میں میاں کے دو گجری شعر ورق ۶۵ پر اس طرح درج ہیں :

سمجھ کر میاں نں یو نکتہ ندھاں دیا کھول کر جواب گجری زبان
کہ یعنی زبان سوں پڑھا ریختہ جو مں بولتا ہوں تجھے بے حطا

ریختہ

رے جگ کے دھائی ویٹھ ھیا موہ جان ٹھگں یہ بیکھ کیا
من نں من جوبں وار دیا موہ مرں جیوں تجھ ساتھ دیا

مکتوبات میاں مصطفیٰ مں ان کا ایک اور ریختہ مکتوب ہفتاد و چہارم میں نقل[1] ہوا ہے ؛ وھوھذا :

عجب ایں فضل حدا شد کہ یار وابستہ ما شد
دلس از قید رقیباں بہ ہمہ وجہ جدا شد
ناگہاں بر درم آمد کہ بباشیم ہمیں جا
جانم از غایت شادی ز پئے رقص بپا شد
جم جم شادیاں روزی سہیلا ساز واری گاؤ
لب نب خوبیاں ادکیاں خوشی کے تھال بھراؤ
پسری نازکی شیریں ایسا کن مائی جایا
پتکی شوخکی حود ہیں سو مرے منسرے بھایا
تگ آہستہ بتمکیں سو کہو کن ہیں ڈیٹھا
یار کی موزوں دل چیں سوں گھروں چل کر آیا

---

۱ - یہی ریختہ مثنوی فیض عام میں ورق ۰۷ پر منقول ہے ۔

جم جم شادیاں روزی سہیلا ساز واری گاؤ
نت نت خوبیاں ادکیاں خوشی کے تھال بھراؤ

ایکہ آں حاسد بد خو تلیں تل منجسوں لڑتا
ز سرکین بھر کو سو بولوں بولوں اڑتا

اس دم از ہرزہ ہر سو سو خجل ہورھا بارے
سویم آں دلبر خوش رو جو آیا ھنس ھنس پڑتا

جم جم شادیاں روزی سہیلا ساز واری گاؤ
نت نت خوبیاں ادکیاں خوشی کے تھال بھراؤ

روی آں مہوش برنا سو کدھیں بھی نہ بسرتا
جان ز ھجر رخ زیباش نس دن ڈسکی بھرتا

بگذشت آں ہمہ تشویش بھلا سوراسانی ؟
نوبسر شنگکی رعنا آئے پڑا لٹکے کرتا

جم جم شادیاں روزی سہیلا ساز واری گاؤ
نت نت خوبیاں ادکیاں خوشی کے تھال بھراؤ

بہ وجہ ہم مذہبی اہل دائرہ اپنے دکنی بھائیوں کے ساتھ ، خواہ بحث و مباحثے کی غرض سے ، خواہ اور مقاصد کے واسطے، برابر تعلقات قائم رکھتے تھے ۔ ان تعلقات کی بنا پر وہ دکنی زبان سے بھی تعلق میں آتے رہے ھیں ۔ یہ لوگ اصلاً گجرات کے رہنے والے تھے جہاں اردو کی وہ شاخ جسے گوجری کہا جاتا تھا ، رائج تھی ۔ گوجری اور دکنی زبانیں آپس میں اس قدر مشابہ ھیں کہ انسان کو ان میں فرق کرنا دشوار ھو جاتا ہے ۔ اہل دائرہ دکنی لٹریچر سے کافی گہری آشنائی رکھتے ھوں گے کہ ان کی ادبی مساعی کا پہلا نتیجہ ایک ایسی زبان میں ہے جسے دکنی کے سوائے اور نام سے یاد نہیں کہاجا سکتا ۔ اس سے میری مراد :

۱ ۔ مثنوی فیض عام

ہے ، اور جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مذکور ھو چکا ہے ، عبدالصمد

اس کا مصنف ہے ۔ صفحوں کی تعداد ۲۰۸ ، فی صفحہ سترہ شعر ، جس سے اشعار کی تعداد ساڑھے تین ہزار کے قریب پہنچ جائے گی ۔ اس کی ابتدا ہے :

خدا کی کروں صفت اول بیان — بنائے جنے سب زمین آسماں
بھی انسان کو خاک سیتی کیا — انسانسرہ شرف اس کوں دیا
جنے جان کوں آگ سے کر بدن — پری جن کا نس سیں پنجارتن
جو کچھ دیکھتا ہے یہ ارض وسما — کرن ہار سب کا ہے بے شک خدا

کتاب کی سرخیاں فارسی زبان میں ہیں ؛ حمد و نعت و منقبت صحابہ کرام کے بعد مصنف اپنے فرقے کے دینی پیشوا حضرت سید محمد کی مدح میں مصروف ہے ۔ پھر پانچوں خلفائے مہدی حضرت سید محمود ثانی مہدی ، سید خوند میر خلیفۂ دوم ، شاہ نعمت خلیفۂ سوم ، شاہ نظام خلیفۂ چہارم اور شاہ دلاور خلیفۂ پنجم کی صفت بیان کی ہے ۔ سبب تالیف ایک علیحدہ عنوان کے تحت دیا ہے ۔ وھو ھذا :

''در بیان بنای این قصہ فیض عام بہ زبان دکنی گوید''

اور کہا ہے کہ میاں شیخ آدم نے میاں مصطفیٰ کی زندگی کے حالات فارسی زبان میں تحریر کیے تھے مگر ان پڑھ لوگ اس زبان سے ناواقف تھے ، اس لیے میں نے اس کو آسان دکنی زبان میں ادا کر دیا اور 'فیض عام' نام رکھ دیا ۔ مصنف کے الفاظ ہیں :

اتا سن بنا اس قصہ کا سو یار — اگر تو اچھے دل منے ہوشیار
میاں مصطفیٰ کا قصہ فارسی — بنایا تھا دل کھول جیوں آرسی
میاں شیخ آدم نیں کر کر بیان — سو بولے تھے اسکوں مبارک زبان
ولے ان پڑھیا اسکوں کیا بوجھتا — کہ جیسیں اند ہے کوں نہیں سوجھتا
سہل کر کو دکنی میں جوڑی کتاب — سو آوے سمجھ میں ہر یک کوں شتاب
کیا ہے یو دکنی زباں میں کلام — رکھا نانو اس کا یقیں فیض عام
میں توفیق مانگوں خدا سوں یہی — کہ پورا کرے یو فضل سوں صحی
وگرنہ تو مجھ کوں یو طاقت کہاں — نظم جوڑنے کی لیاقت کہاں
بھی رکھتا ہوں میں اس قصہ سوں مراد — کہ ہو عاقبت بیچ عزت زیاد

میں ھوں اپنے بے علم پر معترف — اسے سونپھ دکھنی میں بولیا حرف
سنا ھوں جو کچھ میں بزرگوں کنے — بھی دیکھا جو بعضی کتابوں منے
لکھا ھوں بہت اس قصہ کوں سنبھال — نہ دم مار نیکوں مجھے ھے مجال
ولے بعض جاگا لکھا ھوں نقل — کتابوں منے سوں ھے اس کا اصل
بھی میں عالماں فاضلاں سوں اتال — سو رکھتا ھوں امید دل میں کمال
کہ نقصان سوں گر ھویں جوخبر — کرم کے قلم سوں سنواریں پکڑ
کہ اپنی میں تقصیر بولیا اول — جو ھوں پرگنہ بے علم در اصل

یہ مثنوی میاں عیسیٰ (۱۱۱۳ھ و ۱۱۵۱ھ) کے عہد میں تالیف ھوتی ھے۔ خاتمے کی تاریخ ۹ شعبان ۱۱۴۱ھ دی ھے۔ مصنف اپنا نام عبدالمحمد بتاتا ھے۔ چناں چہ خاتمے کے اشعار ھیں :

میاں شیخ عیسیٰ کوں اول پچھان — جو ثابوت ھیں مرشدیؔ پر ندھان
انوں کے عمل میں اسے ساری کتاب — سو جوڑی ھے دکنی زباں میں شتاب
نویں چاند شعبان کی رات کوں — خدا نیں یو آخر کیا بات کوں
اتھا سنہ ھجری جداں یک ھزار — بھی یک سو و چالیس یک در شمار
سو عبدالمحمد نبی کا غلام — خدا کے فضل سوں کیا یو تمام
اتا چاھتا ھے یو عاجز غریب — کہ [ھو] عاقبت بیچ نیکی نصیب

فیض عام، جیسا کہ خود مصنف نے لکھا ھے دکنی، زبان میں لکھی گئی ھے، مگر یہ ایسی دکنی ھے جس پر راجپوتانے اور شمالی ہندوستان کا بھی اثر نمایاں ھے۔ اچھنا، گگن، ہزاں، اتال، ککر، نول، سٹنا، نمن، ووہیچ (ووہی) جاکو (جاکر)، ہو (ہر)، نکو (کلمۂ نفی)، خالص دکنی سے تعلق رکھتے ھیں، لیکن ذیل کے الفاظ شمال اور راجپوتانے کے اثر میں مانے جا سکتے ھیں :

تیویس (تئیس) :
کتے سال تیویس لک در اصل — خلافت کری بیٹھ کر بے بدل
کنیس (انیس) :
سو تاریخ کی بات بولوں نفیس — گئے تھے مہینے میں سوں دن کنیس

هوں (میں) :

کہاں لگ کروں ذات کی صفت ہوں — اٹھے چودھویں رات کا چاند جیوں

پران (جان ، دم) :

تو اسداللہ غالب صحی اس کوں جان — سٹیں کافراں دھاک سیتی پران

بتاواں (بتاؤں) :

بھی عثمان کی میں بتاواں خبر — سو کم بیش اسی برس کی خبر

بڈارنا (نکالنا) :

انوں بھی انگیں سوں بڈاریں مجھے — نہ ستار ہو کر اباریں مجھے

وانچھنا (پڑھنا) :

یو ہے قول کشاف میں دیکھ وانچ — کہ ہے یہ نشانی منافق کی سانچ

رجانا (رنج دینا) :

اسے کے کنہ کر تو رجانتا — جو فرمان اس کا نہیں مانتا

آونا (آنا) :

لگے لوگ تعلیم دینے مزید — جداں آوتے شیخ عبدالرشید

جان (جانے) :

کہا سب نیں مل جان ہرگز ندیں — جہاں لگ حکم بادشاہ کا نہ لیں

بوجھنا (پوچھنا) :

بڈا جب ہوا او عمر میں کمال — بوجھا اس نے لوگوں کو یک دن سوال

ظلم - فضل - عدل - اصل - نقل - عقل - رموز - امر - کفر - رزق - حلق - شکر - عمر - وحی - عکس - قطب - حلم - نفس - شہر - رسم - دفع - نفع - شرع - نشر - فکر - حکم - قبر - حشر وغیرہ کو بہ تحریک دوم باندھا ہے -

مجھ ، سمجھ ، مجلس وغیرہ میں میم کے بعد ایک 'نون' اضافہ کر کے منجھ - سمنجھ اور منجلس لکھا ہے -

'نے' کے استعمال میں بے قاعدگی :

جداں خادماں نیں یوسن کو ضرور — اسے لے گئے جب قبر کے حضور

دنیا ، دریا ، اختیار ، حبشیاں ، مکھیاں ، کی 'ی' کو یاے مخلوط کی طرح ادا کیا ہے ۔ جواب اور صواب کو بر وزن خواب لکھا ہے ۔ اس مثنوی کے مطالب اس سے قبل میاں مصطفیٰ اور میاں عبداللہ کے حالات میں بیان ہو چکے ہیں ، یہاں نمونۂ کلام کے لیے چند شعر ایک شہزادے کی حکایت سے دیے جاتے ہیں جو بدھاجی کی طرح دنیا چھوڑ بیٹھتا ہے :

کہیا اس نیں یوں ایک تھا بادشاہ ۔۔۔ جسے تھی بڈی فوج ہور دبدباہ
اتھا مرتبے میں او ایسا کمال ۔۔۔ کہ درجے منے تھا سکندر مثال
ولے اس کے بیٹوں کی عادت تھی یوں ۔۔۔ کہ میں بولتا ہوں تجھے کھول جیوں
او اچھتے بڈے جب منور ضمیر ۔۔۔ نکل جاتے جنگل میں ہو کر فقیر
اسی سوچ او شاہ غم میں اتھا ۔۔۔ سو دلگیر ہر یک قدم میں اتھا
کتے یوں اوسی بادشاہ کے عزیز ۔۔۔ ہوا ایک فرزند صاحب تمیز
بلا بادشاہ نیں وزیراں امیر ۔۔۔ اٹھا بول یوں کر سو روشن ضمیر
مرے بالکوں کی سو عادت تمام ۔۔۔ تمہیں جانتے ہو حقیقت مدام
انا گر مروں میں تو اس تخت پر ۔۔۔ سو بیٹھے اگر کوئی ظالم دگر
او تم پر کرے گا ظلم ہور ستم ۔۔۔ اسی بات کا ہے منجھے خوف غم
مری ٹھور فرزند میرا اگر ۔۔۔ جو ہوتا تو کرتا عدالت نشو
تمہارے پو احسان کرتا عدل ۔۔۔ کہ جیوں میں کیا ہے سدا دراصل
اسی واسطے میں بلا کر ابھی ۔۔۔ سو بوجھا ہے تمکوں بتا کر سبھی
کرو مصلحت بیٹھ کر دل ملا ۔۔۔ اچھے جس میں میرا تمہارا بھلا
انوں نیں یو سن بادشاہ کا امر ۔۔۔ کیا آپ میں بیٹھ سب مل فکر
پچھے بادشاہ سوں کیا عرض یوں ۔۔۔ کہ اے شہ تو کر ہم بتاتے ہیں جیوں
محل ایک خاصا چنا کر اتال ۔۔۔ اچھے جس کنے باغ نادر نہال
بھی دیوار کوں اوس کی اونچی یتی ۔۔۔ کہ دیسے نہ جاتا سو گھوڑا ہتی
یو بالک دگر والدہ بھی سنگات ۔۔۔ رکھ اس محل بیچ تحقیق بات
بھی کنچنی گویا بھویا[1] کھلار ۔۔۔ دنیا دار رکھ اس کنے بے شمار
کہ گاویں بجاویں نچاویں سدا ۔۔۔ سکھاویں دنیا ہور بھلاویں خدا

---

۱ ۔ ہندی لفظ بہ معنی رقاص وقصہ گو ۔ (مرتب)

هووے پرورش گرائون میں تمام — اچھے اوسکے دل میں یو خطرے مدام
نہ حق کی سنے بات ہرگز وہاں — اسی مصلحت سوں نہ چھوڑے دنیاں
یو سن بادشاہ نیں انوں کی عقل — اسی بھانت خاصا چنایا محل
لیجا کر اوسے اوس محل میں رکھیا — وہاں پرورش اس وجہ سوں کیا
کتے رات دن واں سداں بیدرنگ — ابھا اوس کنے ناچ ہور راگ رنگ
محل میں رہیا اونچہ بالک مدام — جہاں لک کہ بالغ ہوا او تمام
بڈا جب ہوا او عمر میں کمال — بوجھا اس نے لوگوں کو یک دن سنبھال
یو دیوار کے پار ہے کیا سو چیز — منجھے تم کہو کھول سارے عزیز
دیا جواب لوگوں نے جب یوں اسے — کہ دیوار کے پار خلقت بسے
اٹھا بول پھر بادشاہ زادہ یوں — منجھے چھوڑ دیو کھول دیکھوں میں جیوں
کہا سب نے مل جان ہرگز نہ دیں — جہاں تک حکم پادشاہ کا نہ لیں
کتے ملکو سب بادشا کن گئے — شتابی سوں اس کا حکم جا لئے
ہوا جب حکم بادشاہ کا ندھان — او نکلیا محل سوں سعادت نشان
جتے چاکراں خادماں لے سنگات — نکل کر چلا بہار عالی صفات
نکل کر کیا جب شہر میں گذر — پڑی جب اسے یک بڈھے پر نظر
نہ انکھیاں ابھیاں کان نا اسکوں دانت — اتھی کوبڑی پیٹھ حلقے کی بھانت
ضعیفی سوں تھے ہاڈ اسکے جدا — بھی ڈاڑھی اوپر رال بہتی سدا
بھی بیٹھیاں تھیاں اسپر مکھیاں بے شمار — بوجھا کھول شہزادہ نے جب پکار
کہ یو آدمی یوں ہوا کے خراب — بتاؤ منجھے کھول اسکا حساب
کہا جب کہ بوڈھا ہوا یو عزیز — ضعیفی ہے اسکوں اے صاحب تمیز
بوجھا پھر کہ اسکونچہ ہے یو مدام — دیا سب ہمیں یوں اچھینگے تمام
دیا جواب لوگوں نیں ایسا چہ حال — ہوے سبکوں بودھا اچھے سو کمال
کہا جب کہ کیا زندگانی ہے او — کہ آخر کوں جسکے اچھے حال یو

۴ - تاریخ غریبی

یہ ایک ضخیم مثنوی ہے جو تقریباً سات سو صفحات اور دس ہزار ابیات کی حامل ہے ۔ اس کو منظوم قصص الانبیا کہا جا سکتا ہے ۔ مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا؛ اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خوب میاں کا خانہ زاد بیان کرتا ہے ، یعنی میاں مصطفیٰ کے خاندان کا ۔ خوب گجرات میں ایک عام نام ہے ، یہاں اس سے مراد میاں مصطفیٰ ہیں جن کا لطفی نام جو ان کی والدہ نے رکھا تھا خوب میاں[1] تھا ۔

مصنف اپنی تاریخ کو ہندی زبان میں لکھنے کے لیے معذرت خواہ ہے اور کہتا ہے کہ ہندی پر کب تک طعنہ زنی کی جائے گی؛ آخر سبھی اپنا مقصد ہندی میں ادا کرتے ہیں بلکہ قرآن پاک کے معنی بھی تو ہندی میں سمجھائے جاتے ہیں ۔ حضرت مہدی نے ہندی کا استعمال کیا ہے اور میاں خوند میر نے بھی؛ چناں چہ کئی دوھرے اور ساکھیاں ان سے منقول ہیں اور میاں مصطفیٰ کے استعمال میں بھی آئی ہے ۔ اس استدلال سے ظاہر ہے کہ اس عہد تک اہل دائرہ میں اردو کا استعمال اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا :

هندی پر نا مارو طعنا ۔۔۔ سبھی بتاویں هندی معنا
یہ جو ہے قرآن خدا کا ۔۔۔ هندی کریں بیان سدا کا
لوگوں کوں جب کھول بتاویں ۔۔۔ هندی میں کہہ کر سمجھاویں
هندی مہدی نیں فرمائی ۔۔۔ خوند میر کے منہ پر آئی

---

۱ - میاں عبداللہ مبارک بدن ایک غزل میں لکھتے ہیں :

ھرکرا چوں خوب میاں مرشد است ۔۔۔ برد رہ بے شک بہ منزل گہ دین

اور تشریح میں کہتے ہیں :

''خوب میاں نام میاں مصطفیٰ کہ والدہ معظمہ لطفی نہادہ بودند'' ('بحرالنکات' قلمی ، مملوکہ سید خیر الدین صاحب وکیل ٹھکانیات جے پور) ۔

کئی دوھرے ساکھی بات	بولے کھول مبارک ذات
میاں مصطفیٰ نیں بھی کہی	اور کسی کی پھر کیا رہی

یہ مثنوی جو کسی کہنہ مشق اور قابل مصنف کے قلم سے نکلی ہے اہل دائرہ کی تمام تالیفات میں چوٹی کی تصنیف مانی جا سکتی ہے۔ ۱۱۶۴ھ میں شروع ہو کر ۱۱۷۰ھ میں ختم ہوتی ہے۔ راجپوتانے کی اردو کا صحیح نمایندہ اس کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی لسانی خصوصیات بے شمار ہیں۔ چونکہ اس کتاب پر میں نے اورینٹل کالج میگزین کے دو پرچوں میں (نومبر ۳۸ و فروری ۳۹، عدد مسلسل ۵۵ و ۵۶) ایک سیر حاصل مضمون[1] حوالۂ قلم کیا ہے، اس لیے اس پر مزید خیال آرائی کی ضرورت نہیں۔

تاریخ غریبی معلوم ہوتا ہے دائرے کی حدود سے باہر بھی کافی مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ چند سال ہوئے دہلی سے ایک معلم اس کا ایک نسخہ فروخت کرنا چاہتے تھے۔ گزشتہ دسمبر میں دہلی کی نمائش میں جو انجمن ترقی اردو ہند دہلی کے زیر اہتمام ہوئی تھی، ایک صاحب جو پٹیالے کے علاقے کے متوطن تھے، اس کا نسخہ نمائش میں رکھنے کے لیے لائے تھے۔

۴۔ رسالہ در حجت دلیل بے واسطہ

ناظم نے اس کا نام خلاصۂ عقیدۂ فرقہ (میاں مصطفیٰ) دیا ہے۔ چنانچہ:

اگر نام این نسخہ پرسی تو جان
خلاصہ یقیدہ ہے فرقہ میان

اس کی ابتدا ہے:

خدا راست حمد و ثنا و شکر	کہ خالق خلق کا ہے جن و بشر
توانا و قادر عجز نا اسے	کند آنچہ خواھد نپرسد کسے
صفت اوسکی کوئی نہ کرنی سکے	اگرچہ عمر ساری کر کر تھکے
ملایک نبیوں نے عجز جب کیا	تو عاصی بشر کوں سخن کیا رہا
تیں اپنی صفت آپ پر جو کری	وھی حق ہے اور دگر نا صحی

۱۔ یہ مضمون اسی جلد میں صفحہ ۲۴۲ پر ملاحظہ کیجیے (مرتب)

کسی کی صفت میں تو آیا نہیں   ہر یک کا صفت تجھکوں بھانا نہیں

حمد و نعت کے بعد مصنف جس کے نام سے ہم ناواقف ہیں ، جناب مہدی کی ثنا گستری میں مصروف ہے :

بھی مہدی اوپر بہت صلواہ باد   کہ ہست او خلیفہ خدا بر عباد
نبی نیں شرف اوسے ایتا دیا   کہ دو نبیوں میں ذکر اس کا کیا
کہیا میری رہ پر چلن ہار ہے   بھی میری امت کا او رکھوار ہے
شریعت حقیقت کا مارے گا دم   او میرے قدم پر رکھے گا قدم

اس کے بعد کہتا ہے کہ ان دنوں ہمارے فرقے میں یہ مسئلہ چھڑا ہوا ہے کہ میاں مصطفیٰ کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے ؟ آیا ان کو اہل امر یا اولوالامر مانا جائے یا صرف مقلد ؟ اس کا جواب ہے کہ وہ نہ یہ تھے نہ وہ تھے ، بلکہ ماں کے پیٹ سے سعید پیدا ہوئے تھے - رسول اللہ کے زمانے میں جو رتبہ حضرت اویس قرنی کا تھا ، یہی نسبت میاں مصطفیٰ کو حضرت مہدی سے تھی - خدا نے میاں کو بلا واسطہ ہادی اور رہنما بنا دیا - اس میں تعجب کی کون سی بات ہے - وہ خدا کے پیدائشی عاشق تھے - ان کا مقام تجلی ذاتی تھا - کسی کے سامنے زانوے شاگردی تہ نہیں کیا ؛ فضل خداوندی سے علم لدنی حاصل تھا - باقی کتاب اسی قسم کے دلائل اور مشاہدات پر شامل ہے - کتاب کے پچیس صفحات ہیں ، فی صفحہ پندرہ سطریں ؛ ابیات کی تعداد تقریباً تین سو سو ہے ؛ تاریخ تالیف ۱۱۶۵ھ ہے ؛ مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا - مرقوم ہے :

اگر اسم کاتب تو پرسی ہمیں   بیابی تو در چہل و پنج اندرین
اگر سن این نظم پرسی دسنج   ز ہجرت ہزار و صد و شصت و پنج
نہم بود تاریخ ذی الحج ماہ   کہ شد نظم تمت ز فضل الہ

ریختہ کی طرح اس رسالے کی زبان فارسی ہندی آمیز ہے ؛ کبھی نصف مصرع فارسی اور نصف ہندی ، کبھی پورا مصرع فارسی اور دوسرا مصرع ہندی ؛ کبھی پورا شعر فارسی میں ؛ کبھی متعدد اشعار ہندی میں اور پھر یکایک فارسی کا پیوند نظر آنے لگتا ہے - الغرض

ساری مثنوی میں یہی گنگا جمنی صورت آنکھوں کے سامنے سے گزرتی ہے۔ میاں کے علم لدنی کے مالک ہونے کے ثبوت میں مصنف نے ان کی ایک کرامت نقل کی ہے۔ جب وہ چار سال کے تھے، ایک روز اپنے والد میاں عبدالرشید کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک عالم کچھ علمی اشکال مع کتاب لے کر آیا اور بولا کہ میری بعض مشکلات ہیں، مہربانی کر کے حل کر دیجیے۔ میاں عبدالرشید ابھی جواب دینے نہ پائے تھے کہ زنانے سے ایک لونڈی آئی اور بولی کہ آپ کو اندر بلاتے ہیں میاں نے اس عالم سے کہا ''آپ ذرا صبر کریں، میں ابھی واپس آیا۔'' وہ تو یہ کہہ کر اندر چلے گئے مگر میاں مصطفیٰ اس عالم سے پوچھنے لگے کہ آپ کی وہ مشکل کیا ہے، میں بھی تو سنوں؟ وہ عالم متعجب ہوتا ہے؛ پہلے تو بتانے سے گریز کرتا ہے لیکن جب میاں مصر ہوتے ہیں، وہ عالم اس خیال سے کہ آخر پیر زادے ہیں معمولی بچے نہیں۔ تین دفعہ انکار کر چکنے کے بعد زیادہ انکار مناسب نہیں جانتا؛ کتاب کھول کر وہ مشکلات ان کو بتلاتا ہے۔ میاں مصطفیٰ وہ اشکال بہسہولت تمام اس کے ذہن نشین کر دیتے ہیں۔ وہ عالم ان کا تبحر دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ میں یہ حکایت یہاں نقل کرتا ہوں جس سے ہم کو اس کی زبان کا اندازہ ہو سکے گا:۔

لدنی علم کا ذکر جو کیا	میاں مصطفیٰ کوں جو تھا از خدا
تو تائید ایس قول کی اے عزیز	توں انصاف سوں سن اے صاحب تمیز
میاں کے ولینعمی عبدالرشید	او حافظ اتھے اور علم میں فرید
جو اشکال غامض دقائق کبل	کوئی لے کو آتا تو کر دیتے حل
کتے ایک عالم لے کر کتاب	میاں پاس آیا او طالب ثواب
کہیا آ میاں کو اے روشن ضمیر	مرے پر ہے اشکال بزرگ عسیر
فضل کن و بکشائے اشکال ما	کرم خویش فرمائے بر حال ما
میاں نیں کہیا اس کوں بیٹھواتا	کہ انشاالله یابی مقصود را
در اثنای آن یک کنیزک دوان	بنزد میاں آمدہ، گفت آن
شتابی سوں یک بار گھر میں چلو	کہ کاری ضروری ست آں را شنو
میاں نیں او سائل کوں بولے چنیں	کہ اندک صبر کن دریں جا نشیں

اتا بار پھر کر سو آتا ھوں میں　　بھی اشکال تیرا بتانا ھوں میں
میاں تو جداں رود گھر میں گئے　　میاں مصطفیٰ اوھاں بیٹھے رہے
میاں مصطفیٰ کی عمر آن رماں　　برس چار یا کم ریادہ ازاں
بخوانده یقیں بسم الله آنجناب　　ولی علم بود از حدیث و کتاب
اٹھے بول علماو کوں آن زمان　　کہ کیا پوچھتے تھے سو پوچھوازان
اٹھا بول علماو یوں کر سخن　　برو کودکوں بیچ دازی بکن
ابا تم ھو بالک تمھاری کیا شان　　کہ اشکال کوں چاھیے علم گیان
میاں نیں اسے دوسری بر کہا　　کہ تجکوں دکھانے میں کیا لاگتا
او نیں دوسری بار پھرا سخن　　کہ کھیلوں نہ مس کودکوں کے کدھن

میاں نے سویم بار تکرار کر　　کہا کیا زیاں ھے دکھانے بھتر
کیا فکر علما و نیں آن زماں　　کہ شاید کہ حکمت بود اندران
سخن ان کا پھیرا ھے میں تیں بار　　اے فرزند ھیں بہت عالی تبار
کہ ننھواد کر ان کو جانو نکو　　خدا بہت دانا چہ راز است درو
مبادا کہ باسی بو ھم بر خطا　　تو اشکال بکشا بدیشاں نما
حب اشکال کاڈھا و کھولی کتاب　　رکھی جا میانکے انکے جب شتاب
کہیا جب میاں کو یہ اشکال ھے　　نہ اس مبں نراھیچ ادخال ھے
میاں نیں چناں کشف کرد آزماں　　کہ علماو کے ھوئی وہ خاطر نشان
بھی حیراں ھوا اور پڑا در فکر　　کہ یا رب کہاں یو علم کیا عمر
در اثنائے آں میاں عبدالرشید　　اوس علماو کن زود تر میر سید
بہ فرمودہ اشکال دکھلا مجھے　　کشف جو کروں اس کے معنی تجھے
اٹھا بول علما کہ اے دیندار　　نہ در من عقل ماند نے کچھ قرار
کہ خوند کار جب آپ گھرمیں گئے　　میاں مصطفیٰ یہانچہ بیٹھے رہے
انھوں نے کیا مجھ سوں دوبرسوال　　کہ کیا پوچھتا تھا سو پوچھو اتال
میں دوبرانھوں سوں کری بے ادبی　　کہ لڑکوں میں جاؤ کھیلو ابھی
سویم بار پوچھا بھی تکرار کر　　جداں میں کری اپنے دل میں فکر
کہ فرزند ھیں نسل مرد خدا　　ھرانا انھوں کا سخن نہیں بھلا
جداں میں او اشکال ان کے حضور　　کیا کھول کر جب حوالا حضور

نشان خاطر من بکرد آں چناں	کہ ار من عقل ھوش رفت آنزمان
ڈبیا ھوں میں حیرت کے دریا میں آں	کہ اس عمر میں یہ فضیلت کہاں
کہا جب میاں نیں عجب میں نہ آ	کہ ان کوں علم ہے بحضرار عطا
نہ مکتب میں بیٹھے نہ سیکھے حرف	علم ہے لدنی یو از حق طرف
میاں نس رباں سوں جداں یہ کہا	او علما رضا لیکو گھر کوں گیا

یہ مثنوی نہ صرف فارسی اور ھندی زبانوں کی مجمع البحرین ہے بلکہ دکنی اور راجستھانی کی بھی سنگھم ہے ، اگرچہ بحیثیت مجموعی اردو کی تقدیم میں شامل ہے - ذیل میں بعض دکنی الفاظ یہاں درج ہوتے ھیں جو اس مثنوی میں موجود ھیں ، مثلاً : ابھا ، اشے ، اپس ، ملکو (ملکر) نکو (کلمۂ نہی) ،

ہوکو (ہوکر) :	غصہ ھوکو بولا یوں اکبر کلام
کدھن (پاس) :	کہ کھیلوں نہ میں کود کوں کے کدھن
ننہواد (بچہ) :	کہ ننہواد کر ان کوں جانو نکو
کبل (مشکل) :	جو اشکال غامض دمائی کبل
	کوئی لے کدو آسا تو کر دیتے حل
اتال (اب) :	مجھے فکر دیگر نہ دستی اتال
ھمن (ہم) :	کہ جو کچھ تو کہتا سو کرتے ھمن
بہانچہ (یہاں ھی) :	میاں مصطفیٰ یہانچہ بیٹھے رہے
انا (ابھی) :	انا تم ھو بالک تمھاری کیا شان
ندھان (آخر) :	میاں کی رباں سوں سنا جب ندھان

راجستھانی کا اثر

'ھی' مستقبل - 'ہ' اور 'س' آپس میں مل جایا کرتے ھیں - 'ھی' کے مقابلے میں 'سی' بہت عام ہے ، لیکن راجستھانی میں 'ھی' بھی بہ کثرت آ رہا ہے - چنانچہ مثال :

جو چاہے سو کر ھی تو کرنا رہے کوئی کام تجھ پر نہ دشوار ہے

رکھوار (رکھوالا) :	کہیا میری رہ پر چلنہار ہے
	بھی میری امت کا او رکھوار ہے

تیں (تو) : کسی کوں دیا ہیں لدنی علم
کسی کوں دیا کسبی از رہ کرم

جداں (جب) : جداں میں کری اپنے دل میں فکر

پاوتے (پاتے) : خضر پاوتے تھے ر راہ اصل

کاڈھا (نکالا) : جب اشکال کاڈھا و کھولی کتاب
رکوی جا میاں کے اگے جب شتاب

لاگتا (لگتا) ۔ بر (بار) : میاں نے اسے دوسری بر کہا
کہ تجھکوں دکھایں میں کیا لاگتا

پگ (پاؤں) : پگوں میں ہیں بڑیاں اوں کے کبل

آپنے (اپنے) : کہ ہم نے کیا آپیں دل بھی گیان[1]

یا (یہ) : حدا کے امر سوں یا بولو ہو تم

چیلہا (چیلے کا نساں) باھاں (ڈالنا) :
کہ گردوں کے چیلہے کی حاک ان زمان
لیاناں و آنکھوں منے باھناں

ماٹی (مٹی) : جداں لیاے چیلہے کی ماٹی اٹھا

انجنا (سرمہ لگانا) میاں اپنی آنکھوں میں انجی اول
بھی انجی یوں ہی سب فقیروں میں جل

کریں تھے (کرتے تھے) میاں جس وقت پر دوگاناں نماز
کریں تھے سو او وقت آیا فراز

دھکیلنا (دھکیانا) جو کوئی حق نہ مانے دھکیلے اوسے
محض سینہ زوری سوں ٹھیلے اوسے

اسی طرح راجستھانی کے تتبع میں اردو کی 'ڑے' کی جگہ 'ڈال' بہت استعمال ہوتی ہے یعنے :

چھڈانا (چھڑانا) ۔ کاڈھنا (کاڑھنا) ۔ پڈھنا (پڑھنا) بڈا (بڑا) چھوڈنا (چھوڑنا) ۔

دکنی میں عربی فارسی الفاظ کے تلفظ میں بہ تقلید عوام و ضرورت

۱۔ گیان بہ معنی خیال بھی راجستھانی کا مخصوص لفظ ہے (مرتب)

شعری ترمیم کر دی جاتی ہے ؛ یہی دستور اس مثنوی میں پایا جاتا ہے ۔
مصنف لفظ و معنی کا قتل عام کرتا ہوا جا رہا ہے :

نش حاری نیست کز حون شکاری سرح نیست
آفتی بود آں شکار افگن که از صحرا گدشت

بعض مثالیں درج ہیں :

یقیدا (حمیدہ) ۔ علاو (علا) ۔ کلماں (کلمہ) ۔ اُوَل (اوّل) کی شکل میں ملتے ہیں ، اور فکر ، دکر ، امر ، اسم ، اهل ، فصل ، کشف ، وقت ، خلق ، شکر ، اسم ، حزم ، عدل ، کبر ، علم اور عجز کو به تحریک دوم اور سبب ، قلم ، بزرگاں ، سخن ، محض وغیرہ کو به سکون دوم باندھا ہے ۔

۴ ۔ وفات نامہ (تالیف ۱۱۷۵ ھجری)

یہ اور شہادت نامہ جس کا دکر آگے آتا ہے ، ایک ہی شخص کی تصنیف معلوم ہوتے ہیں ۔ دونوں کے آخر میں چار چار ارل[1] دے ہیں جن میں صرف ایک ایک لفظ 'آدھین' جس کے معنی مطیع ، تابع ، مسکین اور عاجز وغیرہ ہیں ، استعمال ہوا ہے اور غالباً بحیثیت تخلص استعمال ہوا ہے ۔ اس خیال کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ 'زینت المصلی' (جس کا تبصرہ آیندہ ہوگا) کا مصنف اپنے آپ کو 'آدھین مہدوی' کے نام سے یاد کرتا ہے ۔ چنانچہ :

آدھین مہدوی ہے جس نے نظم کہی ہے

اب ظاہر ہے کہ 'آدھین' وفات نامے اور شہادت نامے میں بہ حیثیت تخلص آیا ہے ۔ ذیل کے ارل میں جو وفات نامے سے نقل ہوتا ہے 'آدھین' موجود ہے :

ارل

کہے بات آدھین گیان کر مان جیو آج کال میں موت سو آئی جان جیو

---

۱ ۔ ارل : چار مصرعوں یا دو بیتوں پر شامل ایک نظم ہوتی ہے جو ہندی میں بھی ندرت کے ساتھ استعمال ہوتی ہے ۔ ہر بیت کے قافیے مثنوی کی طرح جدا جدا ہوتے ہیں ۔ آخری مصرع میں 'پرھاں ھائجی' ضرور آتا ہے جو شاید به طور تکیۂ کلام لایا گیا ہے ۔

بھی بچار من مانہہ سو نوبا کیجیو پرھاں ہانجی رھی عمرسونیگی میں
چپ دیجیو

'وفات نامہ' کی ابتدا :

حمد حی قائم کوں ساجے آدانت جو وھی براجے
وھی سدا کا ساجا ساق ھیں تمام فانی وا باق
ساق باق مجلس فانی آدانت قدرت ربانی
ابدا ابد سو ایکوں کارا الکھ نرنجن اپرم پارا
سبکوں وھی پلاوے پیالا جیوے سدا پلاون والا
اس پیالے سوں کوئی نہ بانچا مرد استری جھوٹھا سانچا
نبی ولی اور مومن پیارے سوے رھے یہ پیکر سارے
اسکوں پیوے دنیا ساری اپنی اپنی آوے باری
کوئی پی گیا کوئی پیوے سدا نکوئی جگ میں جیوے
ایک روز وا ھول دھری ھے انت ایک دن موت کھڑی ھے
سبکوں وھی پلاوے پیالا اس پیالے کا اسے حوالا
اسکی قدرت سب میں جاری دنیا سمجھے کوں چکاری

حونکہ وفات نامۂ نبی لکھنا مقصود ھے ، اس لیے مصنف نے ایسی تمہید جس سے دل کا کنول مرجھا جاتا ھے ، شروع کی ھے ۔ ایسے موضوع کے لیے اسی قسم کی تمہید نہایت مناسب ھے ۔ اس نے اپنے مضمون میں ادبی شان پیدا کرنے کی کوشش کی ھے ، اگرچہ زبان اس کے خیالات کا ساتھ نہیں دیتی ۔ وہ اپنے سرود فنا کو جاری رکھتے ھوئے کہتا ھے :

پلک مانہہ جن خنق بنائی جا میں اپنی جھلک دکھائی
ھو کسان جن باھی کھیتی دھرن گگن میں اوگے ایتی
پھیر کاٹ لے جب وا چاھے کون کہہ سکے کیوں تو باھے
آپ کمھریا ماٹی سانے بھانڈے کیے سو بیحد بانے
کوئی مٹکیا کوئی گگریا بھانت بھانت وا میں رس بھریا
پھیر کرے ماٹی کی ماٹی ایسی کون پڈھا جو پاٹی
مالی ھو کر باغ لگایا جاکے کھلک تماشے آیا
برن برن او کی بن باڑی بھانت بھانت پھول پھلواری
آپ بھنور ھو پھول کلی پر بیٹھ باس لے رنگ رلی کر

پھیر پھول کوں پکڑ مروڑے کون کہہ سکے کیوں تو توڑے
وا جو کہے سو حق کر جانو وا جو کہے سو دل کر مانو
اکھ کتھا ہے پیم کہانی کاھو نے یا مرم نہ جانی

دوھرہ

کرن ہار جو کچھ کرے دھرن گگن میں کاج
سزاوار وا کوں سجے ہیں لوک میں راج ۔

سورٹھ : راجا کرے سو نیاؤ پرجا کا اس میں بھلا
پاسا پڑے سو داو ناتھ پرائے ہاتھ ہے

اس تالیف میں دکنی اثر بہت کم رہ گیا ہے اور راجستھانی اثر بہت بڑھ گیا ہے ۔ 'نکو' دکنی کلمۂ نفی اس شعر میں آ رہا ہے :

مار پچھاس ہمارے تن کوں نکو مار اس پاک بدن کوں

ایک خصوصیت یہ ہے کہ امر خاص خاص مصادر کے ساتھ مضارع کا افادہ دیتا ہے ، مثلاً 'ھوجا' یعنی ھو جائے ۔ مثال :

بات کم کرو کھاؤ تھوڑا ھوجا بس تمہارا گھوڑا

دیگر امثال :

لکھے آ کر مل عالم سارا تین لوک ھوجا سب ھارا

کس کوں دیکھ خوشی ھوجانگے کون بھانت اے مرمر جانگے

کھڑیا دیکھتیاں راہ تمہاری وار پھیر ھوجاں بلہاری

سنکر دیبا آنا کانے بات نبی کی ایک نمانے

بہت بے حیا ھوجاں ناریاں تھوڑیاں حیا جو کرنے ھاریاں

ھو جاں ایسیاں نہٹ امانیاں پھریں جہاں چاھیں بے مانیاں

'نے' کا استعمال

اگرچہ عام طور پر اردو کے مطابق ہے مگر بعض موقعوں پر بے قاعدہ بھی ہوا ہے ۔ مثال :

جب بلال نیں دوڑا جاکر دیا کوڑا اس کوں لیا کر ۔

امثال دیگر :

پھیر نبی صاحب نیں بولا سنو جو میری امت ٹولا

عمر اور عثمان ، علی نیں بولے مل کر ولی بلی نیں

جب رسول نیں شکر بجایا ھو نچنت ایسیں فرمایا

کرو امامت میں نیں بولا کھڑے رھو پیچھے سب ٹولا

پھیر بنی نیں سن یہ بولا سکھی رھو یہ امت ٹولا

حذف کی مثال :

پھیر گگن کوں سیس اٹھایا کہا الٰہی میں پہنچایا

بعض افعال جو اردو میں متعدی ہیں ، وفات نامے میں لازمی استعمال ہوتے ہیں ۔ مثال :

ناوا ایسی سک دھراوے ہو کر کھڑا نماز کراوے
(یعنی سک دھرے)

امثال دیگر :

کہا عائشہ کے سر سیتی گئی ھوا میں چادر اڑتی
آسمان کی طرف چلائی میرے پھیر نظر نہ آئی
(چلائی یعنی چلی)

کروں امامت وھاں چل آؤں میں نہ آپ میں سکت دھراؤں
(یعنی سکت رکھوں)

بی بی نیں جب دیکھا سینا جس میں ہاوے غیر کہیں نا
بہت گرم بے تاب دکھایا بے قرار اندام جو پایا
(دکھایا یعنی دکھا)

'جے' اور 'جیو' خطابیہ اردو میں صرف چند افعال کے ساتھ آتا ہے مگر وفات نامے میں اس کا دائرہ عمل وسیع ہے ۔ وہ امر یہ ہے اور استمرار کا کام بھی دیتا ہے ۔ مثال :

حاضر ہے سو دل میں لیا جیو غیر حاضروں کو پہنچا جیو

امثال دیگر :

جو کھاؤ سو انہیں کھلا جیو جو پہو سو انہیں پہنا جیو

بات دنیا کی وھاں نہ کیجے ادب خدا کے گھر کوں دیجے

اتفاق سوں سارے رہجیو کام نیک کرجیو اور کہہجیو

خوف خدا کا دل میں دھرجیو اور کسی کا خوف نہ کرجیو

یہ سلام میرا پہنچا جیو میں بولوں سو ادب بجاجیو

فحش ، جھوٹ ، غیبت ، بدگوئی ایسی بات نکھ جیو کوئی

پارو منکا برا مناجے دے زکات سنمکھ جاجے

یہ 'جے' راجستھانی کے اثر میں معلوم ہوتا ہے ؛ 'جے' واحد کے واسطے اور 'جیو' جمع کے واسطے ۔

راجستھانی اثر

وفات نامے پر راجستھانی اثر بہت غالب ہے جو نہ صرف الفاظ تک محدود ہے بلکہ ضمائر ، اسمائے اشارہ اور افعال تک حاوی ہے ۔ ذیل میں مثالیں درج ہیں :

ترتابی (بے تابی) : لیاؤ کوزڑا یار شتابی
هیہ مانہہ لاگی ترتابی

بیاکل (بیکل) : بیقرار بیاکل ہو پیارا
لا علاج یوں کیا اشارہ

کھم (ستون) : بڈا کھم گھر کا سو ٹوٹا
ٹھور ٹھور سوں مندر پھوٹا

جا (جس) للاٹ (پیشانی) : سیس مبارک بہت دھمکتا
جا للاٹ پہ نور چمکتا

گھالے (بنا پر ، وجہ سے) : تمکوں پوچھیں انکے گھالے
ہو جو ہم ان کے رکھوالے

باجے (کہلائے) : اگر قریشی سید باجے
کرتا بدی نہ ھرگز لاجے

کھوسا (چھینا) : کھوسا آپ نے کیا لیایا
پھیر سنگ کیا لیجایا

'لےجایا' یعنی لے گیا ، اگرچہ مطابق قیاس ھے مگر مستعمل نہیں۔

تیں (تو) : کرن ھار میننے پہنچایا
منجھے جو کجھ تیں نیں فرمایا

چھورا چھوری (بچہ بچی) : ھاتھ تلے کے چھورا چھوری
ان پر کدی نہ کیجو زوری

جیب (زبان) : اس زبان سوں آچھا بولو
غیر بات پر جیب نکھولو

کلہ کلیس (لڑائی جھگڑا) : دور ہوئی سب بلا تمہاری
کلہ کلیس مٹادی ساری

چھانا (مخفی ، چھپا) : وھاں کچھ چھپا رہے نہ چھانا
سب کوں انت خدا کن جانا

کسے (کسی کو) : کدی کسی پر ظلم نہ کیجیو
یعنی کسے نہ ایذا دیجیو

دھیر دلاسا (تسکین و تسلی) : سو تو میرا صاحب پیارا
دھیر دلاسا دینے ھارا

رنجانا (رنج پہنچانا) : مائی باپ کی بے فرمانی
جن نیں ذات ان کی رنجانی

اوپاڑنا (اکھیڑنا) : یا ھی بسے محل اجاڑے
یا ھی گھر نیویں اوپاڑے

نکالن لاگا (نکالنے لگا) : جب جم جیو نکالن لاگا
ٹوٹ گیا سب تن کا تاگا

یاھی (یہی) - واھی (وھی) : ملک‌الموت کہیں سو یاھی
دروارہ پر کھڑا واھی

اوچانا (اٹھانا) : پھیر گگن کون سیس اوچایا
کہا الٰہی مں پونچایا

اردو کی 'ڑے' کی جگہ 'ڈال' زیادہ آتی ہے - مثلاً :
بڈا (بڑا) پڈھنا (پڑھنا) چھوڈ (چھوڑ) -
نون اور نڑہ کا تبادلہ : جانڑے (جانے) ، سنڑو (سنو)

جمع

نمازاں - زکاتاں - نیازاں - فوجاں - باتاں - نکاناں - صفاں - بہشتاں -
حوراں - نوباتاں (نماب) - ناریاں - بھوڑیاں - اماں - دروداں -
تحیاناں -

بعض مثالیں :

یہ ایمان جانے کیاں باتاں	جو کہ دین میں ہوں آفاناں
اور امتاں ہیں جو ساریاں	سگل انبیا کیاں نرناریاں
بہت بیحیا ہوجاں ناریاں	بھوڑیاں حیا جو کرنے‌ھاریاں
کن دیکھیاں آگے کیا باتاں	کروں ذوق یہاں میں دن راتاں
گھر میں ہیں تمہارے ناریاں	ہویاں تمہارے سارے ساریاں
وے جو بہاریاں گھر میں رھتیاں	جو تم کہو سو کرتیاں کہتیاں

عربی فارسی الفاظ کی بگڑی شکلیں

ایشرا = اشارا ترتابی = بے تابی بے مان = بے ایمان جانو = زانو
اعلا = اعلیٰ اندیشا (یا نون غنہ) = اندیشہ درونا = درون
کھلک = خلق

خاتمہ

یہ غریب عاجز کیا ہو گا — اس بچار کی باتوں جو گا
آس نبی کی رکھے یوں خاصی — کریں شفاعت ہوئے خلاصی
میاں جی کا داس ہمارا — اس نے لکھا یہ قصہ سارا
عیسیٰ میاں سو مرشد میرا — سمجھے آسرا ہے بہتیرا
اس وفات نامہ کی باتاں — سنے بیٹھ جو کوئی نکاناں
وا ثواب ایسا بھر پاوے — جیسا مکے مدینے جاوے
جا رسول کی کرے زیارت — یوں گناہ کی ہوئے کفارت
اور مرتبے ملیں سو اعلا — ہوے خدا کن درجا بالا
نبی محمد کریں شفاعت — ہو قبول سب نیکی طاعت
نبی محمد پر صلواتاں — بے شمار دل سوں تحیاتاں
اور آل اصحاب پیارے — ان پر بھیجو مل کر سارے

دوہرہ

یک ہزار یک سو برس ستر اوپر پانچ
یہ وفات نامہ لکھا روز جمعہ تھا سانچ

وفات نامے کو آدھین مہدوی، جس کے اصلی نام سے ہم ناواقف ہیں، ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ء) میں ختم کرتا ہے۔ ایک امر حیران کن ہے کہ وہ عیسیٰ میاں (متوفی ۱۱۵۱ھ) کا مذکور کرتا ہے، ان کو اپنا مرشد مانتا ہے لیکن موجودہ پیشوا میاں نجم الدین (۱۱۶۷ھ و ۱۲۰۹ھ) کا نام نہیں لیتا۔ اس کا سبب میاں عیسیٰ کے ساتھ اس کا ذاتی خلوص ہو سکتا ہے، مگر میاں نجم الدین کے نام سے اعراض کی کوئی معقول وجہ ہمیں معلوم نہیں۔

وفات نامے میں تقریباً گیارہ سو شعر ہوں گے۔ تعداد صفحات پچھتر (۷۵)، ۱۵ سطریں فی صفحہ۔

۵ - شہادت نامہ امام حسن و حسین

غالباً اسی مصنف کا ہے جس کے قلم سے وفات نامہ مرقوم ہوا ہے۔

دونوں کتابوں کی زبان اور طرز بیان ایک ہے ۔ خاتمے کے ایک ارل میں آدھین تخلص بھی موجود ہے ۔ وھو ھذا :

اول

بنت کہے آدھین سکل سن لیجیو
گنہگار مت ہیں دعا کچھ دیجیو
اھل بیت کا داس جنوں کی آس ہے
پرھاں ھابھی یا ھی‌پوبجی خاص ھارے پاس ہے

طرز نگارش بھی وھی اور بندش کا اسلوب بھی قریب قریب وھی ہے ، اس لیے یہاں بھی وھی امور پیش نظر رکھے جاتے ہیں جو پچھلی تالیف کے تبصرے کے وقت تھے ۔

شہادت نامے کی ابتدا ہے :

عقل چه داند که کلام خدا	چون نشد اول ز الف ابتدا
ب که کلید آمده بر گنج بسم	هر که کشا دست در این طلسم

بول بچن بسم اللہ بانی	رحیم رحمت رحمانی
حمد ثنا جو کیجے ساری	ساجے اسے جو خالق باری
سبکوں وا روزی دینے ھارا	سکے کاج سدھارے پیارا
تین لوک کا کام چلاوے	وھی دلاسا دھیر بندھاوے
مہربان ویسا ستاری	ستر ما وھاں کون چکاری
مالک یوم الدین کہاوے	سبکوں لیکھا لین بلاوے
ایک ایک سوں لیکھا لیگا	جو کچھ بدلا ھو سو دیگا
کہے بندگی کر توں میری	کروں دستگیری میں تیری
چلو پکڑ کر رستا سیدھا	یعنی آچھے عقل عقیدا
جو ہے نبیوں ولیوں کا رستا	کوس کوس پرگا نو جو بستا
اودھر گیا وا نیں سکھ پایا	امرت بھوگ امر پھل کھاپا

مصنف اپنے ماخذ میں ذیل کے نام گناتا ہے :

(۱) 'در مجالس' (۲) 'تفسیرحسینی' (۳) 'شرح مقاصد' از سعد الدین تفتازانی ۔

ضمیر و اسمائے اشارات ، ظرف و صفت تشبیہی و مقداری و استفہام :

یا (یہ) ۔ وا (وہ) ۔ کا (کیا) ۔ جا (جس) ۔ یاھی (یہی) ۔ واھی (وھی) ۔ اتنا (کتنا) ۔ ایتی ، سیتی ، کاھو (کسی) ۔ ایسیں ، کیسیں ، او (اس) ۔ ییں ، یونکر ، جیونکر ، کے (کیا) ۔ کے (یا) ایتا ، جیتا ، جیتے (جتنے) ۔ ویتے (وتنے) ۔ اس ، اوس ، وس (اس) ۔ اے ، وے ، کہا (کیا) ۔

متعدی و لازمی : مثال

ایسا وقت انوں پر آیا   ملک فلک سارا لرزایا
(یعنی لرزا)

امثال دیگر :

تین لوک زاری میں آئے   عرش کرسی سارے لرزائے

(یعنی لرزے)

چھوڑو باٹ جو ہم چل جاویں   کوفے میں جا کر ٹہراویں
(یعنی ٹھہریں)

اھل بیت میں اب چل جاؤ   بی بیوں میں جا کر ٹھہراؤ
(یعنی ٹھہرو)

جیو جنت زاری میں آیا   گگن دھرن سارا لرزایا
(یعنی لرزا)

جب وے چلے شہر میں آئے   اھل بیت سب قید کرائے
(یعنی قید کیے)

بال بچے سب گلے لگائے   سب کے سر پر ہاتھ پھرائے
(یعنی پھیرے)

ہیں اس پر کیوں ہاتھ چلایا   ہی بول کر اسے ڈٹایا
(یعنی ڈانٹا)

بڈا خاص گنبد بنوایا   جا پر سارا جگت لبھایا
(یعنی رجھا)

جے کا استعمال - مثال

اپنے گھر دو اوسے سلاجے   میں جو کہوں سو خاطر لاجے

امثال دیگر :

سر حسین کا لے کر آجے   میرے کنے سو لیا پہنچاجے

کہو جو اس کوں کیا کیا کہہ جے   لعنت دیے بنا کیوں رہ جے

تو نہ آپ وہاں غافل رہجے   جو میں کہوں سو کر جے کہہ جے

کاٹ سیس اس کا پہنچاجے   میرے پاس وا بھیج دلاجے

قافیے کی خاطر بے ضابطگی

بہ الفاظ دیگر پہلے مصرع کے قافیے کی رعایت کے واسطے دوسرے مصرع کے قافیے کو اگر مؤنث ہے مذکر ، اگر واحد ہے جمع یا ان کے بر عکس کر دینا - مثال :

راہ سانہہ ہرکارا آیا   ان خبر ایسیں پہنچایا

خبر مؤنث ہے ، اس لیے اس کا فعل پہنچایا دوسرے مصرع میں مؤنث آنا چاہیے تھا ، یعنی 'پہنچائی' لیکن پہلے مصرع میں 'آیا' مذکر ہے ، اس سے مطابقت دینے کے لیے دوسرے مصرع میں فعل مؤنث کو مذکر بنا لیا گیا ، یعنی پہنچائی کو پہنچایا کر لیا - **دوسری مثال :**

اس کا گھوڑا خالی آیا   اہل بیت سارے چرلایا

اس شعر میں بہ قاعدۂ صرف 'چر لائے' آتا ، مگر پہلے مصرع کے قافیے کی خاطر فعل جمع غائب کو فعل واحد غائب میں تبدیل کر دیا ۔

دیگر:

تم جو پانی بھرن ندیتے　　تیا سے مریں خلق یو کہتے

ان دونوں کوں مار شتابی　　نہیں کروں میں تجھے خرابی

مرد ہویں سو کریں لڑائی　　نہیں عورتوں کوں فرمائی

تصریف میں بے قاعدگی : مثال

تو ہے میرا ما کا جایا　　ایسا بڈا بھوھا آیا
('میری' ماکا' چاہیے)

دیگر امثال :

اسے چھوڈ دے بیٹا میرا　　نہیں ندیکھوں منہ اب تیرا
('بیٹے میرے' چاہیے)

صالح نیں جب ان کوں بولا　　تھے جو وہی یزیدی ٹولا
('ٹولے' چاہیے)

بولی جان کلیجا میرے　　ٹوک ٹوک کن کیے سو تیرے
('کلیجے' چاہیے)

'نے' کا استعمال : مثال

پھیر یزید نیں بولا یونکر　　کرو کام میں کہوں سو جیونکر

دیگر امثال :

جب امام نیں بولا یونکر　　اوسے کہو میں بولوں جیونکر

جب حسین نیں بولا یونکر　　جان بوجھ تم کرو سو کیونکر

امر و مضارع ۔ مثال :

اور دردکیاں کہاں سو باتاں　　اگر لکھے دن ہوجاں راتاں

امثال دیگر :

اور شیرخوار تھا تیجا　　اب سن ان کی بات کھیجا

نہو جو ہوجاں اس کے چینتے　　ہرگز مت تم رہو نچینتے

آواں جو روحانیونکیاں فوجاں　　جوں دریا وکیاں امڈیں موجاں

راجستانی اثر

یاھی (یہی) ۔ واھی (وہی) : آخر کری نصیحت یاھی
جو میں بولوں کرو سو واھی

دھوں (طرح) : ایسی دھوں تروار چلاؤں
کافر ایک نہ ڈھونڈھا پاؤں

کے (یا) : حکم کرو تو پانی لیاؤں
کے جا لڑوں شہادت پاؤں

کن (کنے) : تھا جو علی اکبر کا گھوڑا
اھل بیت کن آیا دوڑا

تیاسے (پیاسے) : تم جو پانی بھرن نہ دیتے
تیاسے مریں خلق یوں کیتے

چرلانا (چلانا) : بیٹے کا منہ چوماں جاکر
اسی بھانت بولی چرلاکر

ہلنیا (پہونچ) : ایسا ھوا بجھوھا لنیا
روز حشر لگ جائے ہلنیا

بھارنا (جھاڑنا): وا کارن زمین بھاروں
روے روے تن جان بساروں

ہازی (پاجی) : دروں جو ایسا موذی ماضی
ھو ملعون کمینا ہازی[۱]

بیاکل (بےکل) ۔ ات (بہت) :

وس نیں اوس پر ڈنک جو مارا
ات ھی بیاکل ھوا بچارا

---

۱ ۔ وارث شاہ نے بھی 'ہازی' استعمال کیا ھے ۔ (مرتب)

باهون (بٹھاؤں) : جیوں اسے اذن میں لیاؤں
کر نکاح لے گھر میں باھوں

نکوڈی (نکوڑی) : نیں جس ایسی عورت چھوڈی
بے گناہ یوں کری نکوڈی

دھول ملانا (خاک میں ملانا) : میں تو ان کوں دھول ملاؤں
اوسی روز راحت پاؤں

دوتی (کٹنی) : اونے بات جب یو سن پائی
اوسی وقت دوتی بلوائی

سکھچائی (ھچکچائی ، ڈری) : میں اپنے من میں سکھچائی
ہو دل گیر سو تجھ کن آئی

جیو ڈگانا (دل ڈولانا ، دل ڈگمگانا ، بے وفائی کرنا) :
توں امام کوں اگر بلاوے
کوئی نہ تجھ سوں جیو ڈگاوے

گھابرا ھوا (گھبرایا ھوا) : جیو گھابرا ھوا سو بھاگا
اوسی وقت جیو نکلن لاگا

پلیکھا (اندوہ ، قلق ، رنج) : کبھو اماں ہم نیں کیا دیکھا
رو رو ایسا کیا پلیکھا

مثال دیگر : میں نے اپنی آنکھوں دیکھا
جس کا منجھ کوں بڑا پلیکھا

کھوسنا (چھیننا) : ننگے پاؤں سر سب کھلے
کھوس لیے ان سب کے حلے

بھرمایا (للچایا) : عبداللہ من میں بھرمایا
ہو فریفتہ دل میں بھایا

عربی فارسی الفاظ کی بگڑی شکلیں

خوشیالی (خوشحالی) ۔ باژی (باجی) ۔ جاد (زاد ، توشہ) ۔ ترتابی (بے تابی) ۔ داغل (داغ ، داغدار) ۔ بشارا (بشارت) ۔ کفرانا (کفر) ۔ امامین (اسلم) ۔ نبیوں (نبی ، با یائے مخلوط) ۔ دریاو (دریا) ۔ رانی (مؤنث از راعیہ) ۔ صحی (صحیح) ۔

جمع

یہاں میں صرف مثال کے چند ابیات پر قناعت کرتا ہوں :

(۱) اور درد و ماتم کیاں باناں سو کاهو سوں کہیاں نجاتاں

(۲) اور نبیوں کیاں بیبیاں پیاریاں ڈولی بیٹھیاں آیاں ساریاں

(۳) آیاں فرشتوں کیاں چل فوجاں جیوں دریاو کیاں اٹھیں موجاں

(۴) جب وے بولیاں بیبیاں ساریاں هم تو نیاسیاں مریں بچاریاں

ایک امر قابل گزارش ہے کہ 'شہادت نامہ'، 'وفات نامہ' از آدھین اور 'تاریخ غریبی' اهل دائرہ کی دیگر تالیفات کو دیکھتے هوئے جن کا تبصرہ آئندہ صفحات میں هو گا، ایک هی سلسلے کی چیزیں معلوم هوتی هیں ۔ ان میں آپس میں قریبی تعلق اور مناسبت ہے ۔ اگرچہ یہ تو دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک هی مصنف کے قلم سے نکلی هیں ۔

خاتمے میں چار ارل مرقوم هیں ؛ ان میں سے نمبر تین اس تبصرے کے آغاز میں نقل هو چکا ہے ؛ نمبر چار یہاں درج کیا جاتا ہے ۔ تعجب ہے کہ اس موقع پر بھی آدھین صرف میاں عیسیٰ کے نام کو شہرت دے رہا ہے ۔

ارل

عیسیٰ میاں جو مرشد کامل ذات ہے مجھ اناتھ کی ناتھ اس کے هاتھ ہے

وے دکھ والا هرن چرن چت لائے

پرهاں هالجی تین لوک میں چین سرب سکھ پائے

نمونۂ مثنوی

اور نقل ایک سن لے بھائی بحر سعادت میں بتلائی

تھا دمشق میں بھاری صوبا جس کا کہیں بلدا منصوبا

نپٹ فوج رکھتا تھا بھاری بھانت بھانت مدھ ماتی ساری

لیا فوج کا اٹی سوهلا دیکھ نین سوں بھائی چلا

عرض کری بخشی نیں یاهی اے نسواب کر شکر الٰہی

تیری اے دل بادل فوجاں　　جیوں دریاو کیاں امڈیں موجاں
تو کیوں دل میں کرے اوداسی　　ایسی تیری دولت خاصی
کہا منجھے ایک خطرا آیا　　میں افسوس یو کر پچھتایا
آپ امام حسین پیارا　　ایسا عاجز کر کر مارا
میں جو ہرول مین اس کے ہوتا　　مار یزیدیوں کی سدھ کھوتا
ان پر یوں تروار چلاتا　　ملعونوں کو پکڑ ڈوباتا
ایسی ان کی کرتا خواری　　کاٹ کاڈھتا سب سرداری
یوں امام آگے میں لڑتا　　جان نثار ہو کر میں مرتا
سو دریغ میرے من آوے　　نین نیریوں بھر بھر لیاوے
اوسی رات وا سویا غازی　　کر کر وضو طہارت تازی
ایسا خواب اسی کوں آیا　　آں سرور نبی گلے اکایا
بہت پیار کر بولا یاھی　　توں مقبول بندہ درگاھی
تجھے خدا نیں بخشیا پیارے　　ہو تم خاصے دوست ہمارے
ہے میرا فرزند جو پیارا　　آپ امام حسین بے چارا
اوس کا رحم جو تجھ کوں آیا　　تجھے خدا کن میں بخشایا
لڑ کر جیوں تو ہوا سو غازی　　مارے میں وے کافر بازی
ایتا تجھے ثواب دیا ہے　　حق نیں تجھ پر فضل کیا ہے
مسلمان پر فرض یہی ہے　　بات لکھی سو سانچہ صحی ہے
جن امام زادے مروائے　　اور جو که مارن کوں آئے
اون پر لعنت سانچہ سکارے　　مسلمان سب بھیجیو سارے
الله نبی لعنت برساویں　　مسلمان کیوں ڈھیل لگاویں
جو یزید بازی کوں لیاویں　　اوس لعین کے ٹوک کراویں
وھی ٹوک سارے لے جا کر　　کاگ کتوں کوں ڈالین لا کر

شہادت نامے کے اشعار کی تعداد ساڑھے بارہ سو کے قریب ہو گی؛
تعداد صفحات پچھتر، فی صفحہ سترہ سطریں -

٦ ـ رسالہ راگ (تالیف ۱۱۸۱ھ - ۱۷٦۷ء)

یہ رسالہ بھی آدھین مہدوی کی تالیف ہے - اس میں ناظم نے سماع کے متعلق مختلف عالموں اور صوفیوں کی آرا جمع کر دی ہیں - لیکن وہ

کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں ؟ میں نہیں جانتا ۔ رسالے پر کسی نے بعد میں لکھا ہے ''این رسالہ تصنیف محمد جی صاحب'' لیکن متن میں محمد جی کا نام نہیں آتا بلکہ آدھین مہدوی کا ، اس لیے مؤخرالذکر کی تالیف ہونے میں ہمیں کوئی شبہ نہیں کرنا چاہیے ۔

جس طرح 'تحفۃالنصائح' کو مولانا یوسف نے ایک ہی وزن و قافیہ میں نظم کر دیا ہے ، اسی طرح آدھین نے بھی اس رسالے کو ایک ہی وزن و قافیہ میں نظم کا جامہ پہنا دیا ہے ۔ اشعار کی تعداد ایک سو چالیس کے قریب ہے اور صفحوں کی تعداد دس ہے ؛ فی صفحہ ۱۴ سطریں ۔ اس کے تمہیدی ابیات ہیں :

بولو جو حمدللہ جیوں حق بتاوتا ۔۔۔ دیکھو جو سورہ فاتحہ سب کوں دکھاوتا
صلواۃ بے حساب و تحیات بے عدد ۔۔۔ بر مصطفیٰ کہ دین جگت میں جگاوتا
برآل و بر صحاب جو ارکان دین کے ۔۔۔ جن کے سبب شریعت کا پنتھ پاوتا
اب راگ کا بیان سنو دل کے کان دے ۔۔۔ عاجز بڈی کتابوں سے ہے جوسناوتا
یو راگ ہے مباح سو دیکھو قرآن میں ۔۔۔ تفصیل ہے بیان سو آیت میں لیاوتا
سنتے ہیں راگ نیک طرف کوں لگاوی ۔۔۔ تعریف دوستوں کی پیارا بتاوتا
یا قول جو کہا سو عوارف میں لکھ دیا ۔۔۔ کامل جو سہروردی ہے صاحب سناوتا

میں خاتمے سے چند اشعار دیتا ہوں جن میں مصنف کا تخلص بھی موجود ہے:

بے انت راگ ساگر بالوکی کہاں ہے ۔۔۔ طاقت نہیں کسیکو جو سارا بتاوتا
افسوس ہے خبر کو کہاں لگ کریں خبر ۔۔۔ جوبا نگرنگر کی ڈگر میں نہ آوتا
اپنا اگر گمانے کوئی پھرتو کیا کریں ۔۔۔ اپنا کیا سو آپ ہی آگے سو پاوتا
آیت حدیث اجماع کھولا عقل قیاس ۔۔۔ اے چارہیں اصول شرع کے بتاوتا

جنکیاں کہیاں دلیلاں سب کھول کر تمام	اس بات سوں زیادہ پھر کیا بتاوتا
کہبت ادھر اودھر کی لکھی سو نمانجیو	یا بات ہے اصل کہ جو عاجز لکھاوتا
ایتیاں لکھیاں کتاباں تیار سب دھریاں	دیکھے سو آے دیکھو جو نا پتیاوتا
آدھین نیں لکھی ہے غزل ریختہ تمام	یا بے سمجھ ضعیف جو طاقت نہ لیاوتا
اس کی مدد ھیں خوب میاں مصطفیٰ ولی	ان کا طفیل ہے یو زبان میں سو پاوتا
یا راگ کا رسالہ اس کا جو نانو ہے	آسان کر دیا ہے ڈھونڈ ہے سو پاوتا
ایتا بھی جو نمانے اس کوں خبر پڑے	جب موت کا پیالہ جم بھر پلاوتا
مرشد نیں دی بشارت مجھ کوں یو خواب میں	یا خوب ہے رسالہ جو تو بناوتا
احیا علوم کیاں سو دلیلاں جو خوب ھیں	ھیں معتبر رسالہ میں تو جو (ہے) پاوتا
یا خواب میں جو دیکھا عاجز غریب نیں	عربی کی جو عبارت اس میں لکھاوتا
جس کے جو کھول معنی یہاں مختصر بیاں	عربی جو ھندویکوں یہاں لیا ملاوتا
اشجارھا کوں دیکھو اثمارھا لذیذ	اظہار (کذا) گل عذار سو کیا کیا دیکھاوتا
اس میں جو دیکھ چوک صحی کر لکھے یو بات	بیشک اجر ثواب خدا کن سو پاوتا
ناظم غریب عاجز عاصی کرے یو آس	بخشے خدا فضل کر یوں دل میں لیاوتا
هجرت کا (۱۱۸۱ھ) ایکاسی یکصد و یک هزار	یا راگ کا رسالہ طیار پاوتا
صلوات بے نہایت تحیات بے شمار	خاتم نبی ولی ہو جو قرآن بتاوتا

تمت تمام شد رسالہ راگ وقت دوپہری

دستخط عاصی حافظ محمد اسداللہ ولد محمد عارف حافظ ابن محمد مجتبیٰ مہدوی
تحریر تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱۸۲ھ

اس رسالے کی زبان کے متعلق مجھے زیادہ حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ؛ اسی قدر کہنا کافی ہو گا کہ وہ اسی طرز میں گامزن ہے جیسے پچھلی کتابیں ۔ دکنی کا اثر برائے نام موجود ہے اور راجستھانی شدت سے غالب آ چکی ہے ، مثلاً 'کو' به معنی 'کر' ، 'پو' به معنی 'پر' اور 'کبل' (مشکل) وغیرہ جو دکنی کی یادگار ہیں ابھی تک موجود ہیں ۔ نبھاونا ، کاوتا ، چھڈاوتا ، اوڈاوتا ، سہاوتا ، بجائے نبھاتا ، گاتا۔ چھڑاتا ، اڑاتا ، سہاتا ، راجستھانی کے اثرات میں ہے ۔ ہندی حروف کا فرق 'ٹ' کو 'ت' چار نقطے اوپر دے کر اور 'ڑ' 'ڈ' کو 'ر' 'د' تین نقطے نیچے دے کر دکھایا ہے ۔

نمونۂ زبان کے واسطے چند شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں :

بھی تحفۃالنصائح دیکھو سو کیا کہے ۔۔۔ دیکھو دیوان حافظ جو کیا دکھاوتا
یا بین بانسری جو کہے روح کوں پیام ۔۔۔ گندا یو خاکدان تجھے کیوں سہاونا
تیرا قدیم وطن عرش ہے سو بھول کر ۔۔۔ ایسے اجاڑ میں بھی کوئی جیو لگاوتا
دنیا ہے بھاگسی سو نپٹ نا کسی نکر ۔۔۔ یو خاک سے خراب تجھے کیوں سہاوتا
سن کر پیام روح نپٹ بے قرار ہو ۔۔۔ جانے نکل چلوں سو بدن تلملاوتا
'تحفہ' میں ہو بہو لکھیا ہے سو کھول دیکھ ۔۔۔ دیکھو دیوان حافظ میں کھول پاوتا

اس راگ کوں سواد کہو رنگ روپ باس ۔۔۔ کیا ہے کہانسوں آونا کیوں جیو ھلاوتا
باچوں کیا کریگا بیچوں کا کیا بیان ۔۔۔ اپرم اپار ساگر پیندا نہ پاوتا
ہے بانسری جو ایک برن سانسری الیکہ ۔۔۔ یا بانسری کوں دیکھ جو کیا کیا بجاوتا
کہتے ہیں چار تار تجھے بار بار یوں ۔۔۔ اس تار کو بسار کہاں جیو لگاوتا
قانون جو سناوے بیچوں کی ندا ۔۔۔ دل میں دھمال دھوم کیا کیا مچاوتا
کہتا سرود سرد نکر دل کوں درد سوں ۔۔۔ ہے مرد سوں بعید کہ دل کوں ڈکاوتا
کہتا طبل کبل ہے نپٹ پنت پیم کا ۔۔۔ سولی کی سانتھری پو سلوتا بلاوتا

گہنتا رباب باب کھلیگا ہے جاں کو ذوق	ہرون ہمیشہ ہردم سنکلی ہلاوتا
دف چنگ میں جو رنگ کہے تجکون بیدرنگ	یا چھوڑ نام و ننگ جو تجکون ڈوباوتا
ایسیں کہے تنبورا دیدے کے گوشمال	پورا نہیں سو کام پیا کے نہ آوتا
بردنگ کون حرام شریعت نیں جو کہا	اسکا بیان خاص ولی یون بتاوتا
لعنت کرے نہاوج شیطان کی آواز	بوجھیں منجیرے کس پتر چوٹاں چلاوتا
کچنی کا بھاؤ بھر بھر بانٹے برابری	چاروں طرف کہے کہ جو حاضر سو پاوتا

---

۷ - زینت المصلی

جیسا کہ اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے ، آدھین مہدوی کی تالیف ہے - یہ ایک مختصر سی نظم ہے جس میں نمازیوں کے واسطے وضو اور نماز کے متعلق ھدایات ھیں - نظم ھذا میں تین ھم قافیہ مصرعے اور ایک ترجیعی مصرع مل کر چار مصرعوں کا ایک بند بنتا ہے - تمام نظم میں ایسے ستاسی اٹھاسی بند ھوں گے - اس کا وزن مفعول فاعلاتن ، بحر مضارع اخرب مربع ہے - ہر مصرع کے آخر میں سرخ سیاھی سے تین تین واو معکوس بہ طور علامت وقفہ دیے گیے ھیں -

نظم کا آغاز :

سن بات ایک بھائی ،،،	بولوں میں یاد آئی ،،،
تنبیہ میں بتائی ،،،	دل ٹھیک رکھ نمازی ،،،
عربی میں معتبر ہے ،،،	امت میں مشتہر ہے ،،،
اس میں لکھی خبر ہے ،،،	دل ٹھیک رکھ نمازی ،،،
کرتے [ھو] جور کمتاں ،،،	انکیاں سنو جو باتاں ،،،
کیا کیا بھرے نکاتاں ،،،	دل ٹھیک رکھ نمازی ،،،

بارا هزار مسلا ،، ان میں بھرے جو اصلا ،،
مجمل سنو جو فصلا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،

یہاں ایک اقتباس جو وضو سے تعلق رکھتا ہے ، نقل کیا جاتا ہے :

اب سن وضو کیاں باتاں ،، اس کیاں جو ہیں صفاتاں ،،
کہنے مں جو کہ آیاں ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
کینا حسد برائی ،، دل میں سوں کاڈھ بھائی ،،
اس بات میں بھلائی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
دل میں جو رکھے پاکی ،، ہرگز نہ ہو ہلاکی ،،
بندہ غریب خاکی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
تن میں جو ہو خرابی ،، توبا کرو شتابی ،،
بے شک نجات پابی ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
پیچھے وضو کا پانڑیں ،، لے کر وضو سو جانڑیں ،،
جسے کہ ہیں پچھانڑیں ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
جاماں جو پاک پاوے ،، جیسیں شرع بتاوے ،،
خاصا حلال لیاوے ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
دامن زمین بہارے ،، اس کوں شرع بدارے ،،
آگے خدائے مارے ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
جاماں نچھوڑ لنبا ،، دھرتی کوں جا بلنبا ،،
ہرگز نہ پہن ننبیا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
پگھڑی نہ باندھ گھیرا ،، دل پر جو [ہو] اندھیرا ،،
جس میں زیان تیرا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
یا طور یا زیاناں ،، اسراف نیں نماناں ،،
تیرا بڈا ٹھکاناں ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
پہنو نہ لال پیلا ،، کیسر کسونبھ نیلا ،،
ریشم کوں ڈال ڈھیلا ،، دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
پہنو جو پاے جاماں ،، ٹخنا کھولیے تماماں ،،
یا ہے شرع کا ساماں ،، دل ٹھیک رکھ نمازی .
ململ جو پہن خاصا ،، نیت رکھو خلاصا ،،

عنتر پھولیل باسا ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
کپڑ جو ہو رزالا ،،   پھاٹا جو میل والا ،،
دل پر نہو اوجالا ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
اس کو نہ پہن بھائی ،،   ہے نیستی ریائی ،،
سانچی حدیث پائی ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
سامان پاک ساجیے ،،   مسجد منے سو جاجیے ،،
حق کے حضور آجیے ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،

ابیات خاتمہ :

ایسیں نماز کرجیے ،،   آخر خدا سوں ڈرجیے ،،
دل میں جو آس دھرجیے ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
خالص خدا کوں راضی ،،   دل سوں کرو نمازی ،،
جیوں ہوے سرفرازی ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
آدھین مہدوی ہے ،،   جس نیں نظم کہی ہے ،،
سب مان لیو صحی ہے ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
یا زینت المصلی ،،   جس میں ہے بات بھلی ،،
حق کی طرف کی کلی ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
صلوات ہے نبی پر ،،   آل و اہل سبھی پر ،،
اصحاب مقتدی پر ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،
اس کوں جو یاد کیجے ،،   دل سوں دعاء دیجے ،،
بنتی یو مان لیجے ،،   دل ٹھیک رکھ نمازی ،،

٨ - گناہ کبیرہ (از محمد جی میاں)

ابتدا :

اول صفت اللہ کی کر تو بھیج درود سلاماں
خاص نبی اور آل پر اور اصحاب کراماں
جو کوئی پوچھے گناہ کبیرے کہتے ہیں بتلاؤ
اس کوں پاس بٹھا کر تم یہ سب مسلے کھول سناؤ
ہیں پینتیس کبیرے سارے نکتہ یہ سن لیجے
آنہوں پھر خدا سوں ڈرچے ایسا کام نہ کیجے

رسالے کے اشعار کی تعداد پچاسی نوے کے قریب ہو گی۔ اشعار کا وزن وهی هے جو کثرت سے پنجاب میں رائج هے اور فقهی کتابوں کے لیے بڑی حد تک مخصوص هے ۔ 'باران انواع' جس کے مصنف مولوی عبداللہ لاهوری جہانگیر و شاهجہان کے عہد کے بزرگ هیں ، اسی وزن میں هے ۔

محمد جی میاں کے حالات سے هم واقف نہیں ۔ ان کا ایک خط اهل دائرہ میں بہت مشہور هے جو غالباً ۱۱۹۰ھ میں مدینہ سے جب ان کی عمر اسی سال کی تھی ، بھیجا تھا ۔ جس کا عنوان هے : "اظہار دعوت مہدی موعود علیہ السلام در مدینہ منورہ محمد جی میاں‌صاحب رحمہ اللہ علیہ اظہار کردہ بودند" اور ان فقروں سے شروع هوتا هے :

"حقیقت حرمین شریفین بہ طریق مختصر آنکہ چون این ضعیف و میاں امیرالدین رحمہ‌اللہ‌علیہ و بایزید فقیر و بختیارا بھائی از برهان‌پور بہ طرف سورت روانہ شدند ، درمیان راہ بہ زیارت بندگی میاں شاہ دلاور رضی‌اللہ عنہ مشرف شدیم ۔"

اس خط سے معلوم هوتا هے کہ ۱۱۹۰ھ میں محمد جی میاں نے حرم روضۂ رسول میں ایک روز مہدی موعود کے نام کی منادی کی تھی ، جس کو هزاروں زائروں نے سنا ۔ ان میں مکی ، مدنی ، شامی ، بغدادی مغربی ، هندی و سندهی شامل تھے ۔

'گناہ کبیرہ' محمد جی نے ۱۱۹۰ھ سے بہت سال قبل تصنیف کیا هو گا ، کیوں‌کہ اردو زبان میں فارسی اوزان اور بحور کے رواج سے پیشتر هندی اوزان میں لکھنے کا دستور تھا ، اور محمد جی میاں جو متعدد کتابوں کے مصنف هیں ، ۱۱۸۰ھ کے قریب فارسی اوزان میں نظمیں لکھ رهے هیں ۔ اس سے ظاهر هے کہ ان کے هندی اوزان کی نظمیں اس عہد سے پہلے کی تالیف هوں گی ۔ یہاں چند ابیات بطور نمونہ درج کیے جاتے هیں :

گانجھا اور تماکو تاڑی سیندھی بوزا سارے
اصل حرام جو پیویں کھاویں بڈے خدا کے مارے

لایق ہیں تعزیر کرن کے ان کی ساکھ رزالی
حکم شرع میں بات شاهدی ان کی ساری ڈالی

سونگھ تماکو پانوں میں کہاں بولیں اس کوں بوٹی
یہ مردار نجاست بھونڈی بد عملوں کی گھوٹی

گنجیفہ شطرنج پچیسی چوپڑ جوا جو کھیلیں
لاکھ لعنتاں ان پر برسیں پاپ سمندر ریلیں

تمبا پہن منڈاویں ڈاڑھی سنا پہن دکھاویں
پشتیاں راکھیں بڈھاویں موچھاں مسلماں کہلاویں

سرا ریشمی کپڑا پہنیں جامہ زمین بہاریں
مغروری کی چال چلیں تن ایسی بھانت سنواریں

مجلس بیٹھ نچاویں کنچنیاں ریجھیں دے دے پیسے
ان کے اوپر لعنت برسے ہیں کیدی وے ایسے

اهل علم کی مجلس سیتی بیگے بھاگ جو جاویں
وہ خرچی دوزخ کی باندھیں دوزخ ٹھار بساویں

عیب چھپائیں مول چڈھائیں بیچیں جنس ادھاری
ان پر لعنت کریں فرشتے پاپ کمایا بھاری

سارے تن کے بال منڈاویں چوٹی پٹے رکھاویں
کیہڑا رکھیں کلپ کر ڈاڑھی اجلے بال چکاویں

هولی کھیل دیوالی دیکھیں دسرا ہی میں جاتے
آتش بازی لیے شبرات گگن کی طرف چلاتے

ڈولے کاڈھیں آگ جلاویں اور فقیری لیتے
اهل بیت کے دوست کہاویں ان کو ایذا دیتے

پڈھیں نمازاں نپٹ گھابرے سجدہ رکوع ملا کر
سب ارکان بجاویں نا وہ ہر یک ٹھور جدا کر

لعل کسنبا پگڑی باندھ نماز اسی سوں کرتے
حیلہ کریں لپیٹیں کپڑا رخصت دل میں دھرتے

بیاز : کال تجارت کرتے سو بنیاد پلیتے
کدی برکت ہو نا ان میں جنم جنم کوں ریتے

بار گیری اور نفری کیجے گھوڑا ایک لکھاجے
گھاس کھود کر لکڑیاں لیاجے سودی مال نکھاجے

لکڑی گھاس جو مول کریں پھر داہیں دمڑی کوڈی
اس کی لذت چاکھیں گے جب پہنچے قبر نکوڈی

خاتمہ :

مسلہ کوی اٹھا کر دلسوں بناں دلیل کہے گا
وہ پھر بھار اسی کی گردن ابدا ابد رہے گا

قول امر معروف خدا کا بولا ہے سن لیجو
جگ میں جینا تھوڑا یارو عمل اسی پر کیجو

اس رسالے کے آخر میں اگرچہ کوئی تاریخ کتابت موجود نہیں مگر اس کے ساتھ کے باقی رسالوں پر ۳۷-۱۲۳۶ھ (۲۱-۱۸۲۰ء) درج ہے ، اور کاتب کا نام فقیراللہ بن عبدالرحمان میاں مہدوی ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ رسالہ ھذا اسی کاتب نے انہی تاریخوں میں نقل کیا ہوگا ۔

۹ ۔ عقائد گروہ مہدویان

من تصنیف محمد جی میاں صاحب رحمہ‌اللہ علیہ

یہ رسالہ بھی اسی قدیم پنجابی وزن میں ہے جو گزشتہ رسالے کا ہے ۔ اشعار کی تعداد بانوے (۹۲) اور موضوع جیسا کہ رسالے کے نام سے ظاہر ہے ، مہدویوں کے اعمال و عقائد ہیں ۔

ابتدا :

اول کیجے صفت اللہ کی جسے ایک کر جانا
دوجے کہو درود نبی پر جو برحق کر مانا

رسالۂ ھذا پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ امر روشن ہوتا ہے کہ مہدویوں اور سنیوں کے اعمال و عقائد میں کوئی فرق نہیں ، سوائے اس کے کہ انہوں نے سنی معتقدات کے ساتھ حضرت سید محمد جونپوری کی

ذات کے لیے مہدی موعود ہونے کا عقیدہ ضم کر لیا ہے ، اور ان تمام مذہبی تعدیوں کے باوجود جس کا دسویں صدی ہجری میں یہ گروہ ہدف رہا ہے ، اس کا اہل سنت سے بچھڑ کر' عقائد میں انحراف ، جس کا بہ صورت حالات بہت قوی امکان تھا ، واقع نہیں ہوا ۔

اشعار از خاتمہ :

اگر تفاوت کہوں تو آگے اس کا بدلہ پاؤں
سانچی کہوں توسداں سرخ روسرب سکھی ہوجاؤں

سانچ بات جو کوی نمانے آدانت پچھتاوے
آنکھاں مونچے خبر پڑے گی یوں غریب بتلاوے

جن کا لکھا رویا سارا جو مہدی کا ٹولا
لکھا ہندوی میں کر ساکھی محمد جی نیں بولا ۔

گنہگار یہ عاجز بندا کرے بینتی زاری
خطا چوک اس میں جوپاوے کردے پوری ساری

سب گروہ کا خاک پاے ہے دعا خیر تم کیجیو
خوب نعمتاں صاحب آگے بدلا بھر بھر لیجیو

ان لوگوں کی کرو پیروی جن کی لکھی نشانی
کہو درود نبی مہدی پر پوری ہوئی کہانی

تمام شد بدستخط فقیراللہ بن عبدالرحمان میاں مہدوی غفراللہ ولوالدیہ ۔

سید خیرالدین صاحب وکیل ٹھکانجات جے پور کے مجموعہ کتب میں اس رسالے کے دو نسخے ہیں ؛ پہلا وہی جس کا فقیراللہ کاتب ہے ، دوسرا نسخہ محمد کمال الدین ولد محمد اسداللہ ولد محمد عارف حافظ مہدوی کے ہاتھ کا جو ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ء) میں نقل ہوا ۔

ذیل میں بعض پرانے الفاظ درج کیے جاتے ہیں :

لاگے (لگے) ۔ ناری (عورت) ۔ دارو (شراب) ۔ بیاز (بیاج) ۔ بنتی (منت) ۔ آندھا (اندھا) ۔ بھانے (توڑے) ۔ کوڑا گیانی (کودن ، نادان ، غبی ، ٹھس) ۔ ناری تیاگے (عورت چھوڑ دے) ۔ بھ نستارے (بے بخشے) ۔

مونڈھا کر (پابند کرکے) ۔ کانجھا (کلیجا) ۔ کھونٹی (کھٹی) ۔ بونٹی (بوٹی) ۔ موچھاں (مونچھیں) ۔ ٹھار (ٹھور) ۔ آدھاری (آدھار) ۔ دسراھی (دسہرہ) ۔ گگن (آسمان) ۔ کاڈھیں (نکالیں) ۔ گھابرے (گھبراتے) ۔ بجاویں (بجا لائیں) ۔ آپاڑ (جڑ سے کھودنا) ۔ کھوسیں (چھینیں) ۔ بوجھن لاگے (بوچھنے لگے) ۔ اٹھاون ھارے (اٹھانے والے) ۔ چھوڈاون (چھڑانا) ۔ کال (کل) ۔ بیگے (جلدی) ۔ کریماں (کریم) سانچھ (سچ) ۔ ارادہ (محبت و خلوص) ۔ ٹھاڈے (کھڑا) ۔ جانڑ (جان) ۔ سندیسا (پیغام) ۔ دھرن (زمین) ۔ جیتیاں (جتنی) ۔ اتریاں (اتریں) ۔ آدانت (اول آخر) ۔ بخشاون ھارے (بخشانے والے) ۔ تیرے (قریب) ۔ باٹ (راستہ) ۔ دوھیلی (مشکل ، کٹھن) ۔ ادبارے (نجات دے) ۔ نستارے (رھائی دے) ۔ ایسیں (ایسے) ۔ چکاری (بے کار ، ناکارہ) ۔ سودھی (سیدھی) ۔ آپا مارنا (نفس کشی) ۔ باھنا (بونا) ۔ آچھے (اچھے) ۔ پاچھے (پیچھے) ۔ آنکھاں موچے (آنکھیں میچے) ۔ کیہرا (کیسری ، زعفران) ۔

---

۱۰ ۔ قصیدہ (حق حاضر ھے حق ناظر ھے)

رسالے سے ایک ورق چھوڑ کر جس میں مہدوی بزرگوں کی تاریخ ھائے وفات درج ھیں ، ایک قصیدہ آتا ھے جو با ردیف و بے قافیہ ھے ۔ جعفر زٹلی اور دوسروں کے ھاں بھی ایسی نظمیں ملتی ھیں ۔ مہدویوں کو اپنے مذھب سے قریبی لگاؤ ھے اور وہ دینی احکام پر نہایت سختی کے ساتھ عامل ھیں ۔ ھمیں جس قدر ان کا لٹریچر ملا ھے تقریباً سب کا سب مذھبی ھے یا اخلاق جو پند و تلقین سے آراستہ ھے ۔ یہ قصیدہ بھی ایک نصیحت نامہ ھے جس کا انداز بے لاگ اور لہجہ کسی قدر تلخ اور حکمانہ ھے ۔ وھوھذا :

حق حاضر ھے حق ناظر ھے ، ھشیار کہ آخر بوجھے گا
وہ اول ھے وہ آخر ھے ، ھوشیار کہ آخر بوجھے گا

وا حق باطل سب جانے ھے ، ترے دل کی بات پچھانے ھے
تو کرتا ھے سو جانے ھے ، ھوشیار کہ آخر بوجھے گا

تو کھوٹا دمڑا دیتا ہے ، پھر لیتے آچھا لیتا ہے
اب کہو جیونا کیتا ہے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

سودے میں عیب چھپاتا ہے ، تو دھوکا دے سمجھاتا ہے
یوں اپنا کام چلاتا ہے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

تو نیکی سانگ دکھاتا ہے ، جیوں آچھا ہو کہلاتا ہے
باطن میں بورا دکھاتا ہے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

تیرے سوں جو کوئی پیار کرے ، تو اس کے ٹکڑے چار کرے
انصاف نہ دل میں یار کرے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

مونہہ میٹھا دل میں کھٹا ہے ، پھر ظلم پیاز اور بٹا ہے
تو ایسا کافر کٹا ہے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

تو باہر بڈا نمازی ہے ، دل اندر گیدی پازی ہے
حق کیوں کر تجھ سوں راضی ہے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

تو فرض وقت کیوں کھوتا ہے ، کیوں غافل ہو کر سوتا ہے
دوزخ کے لایق ہوتا ہے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

تیرے سر قرض جو آتا ہے ، تو اس کوں بہت کڈھاتا ہے
اور اپنا کام چلاتا ہے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

جس کے سر تیرا آتا ہے ، تو اس کوں پکڑ بٹھاتا ہے
دونا ڈیوڑھا لکھواتا ہے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

تو چار عرض بازار کرے ، جو اس کے آٹھ ادھار کرے
پھر بارا لے کر خوار کرے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

تو دابے حق برانے کوں ، تو روا رکھے ظلمانے کوں
کر یاد خدا کن جانے کوں ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

تو تریا پر قربان ہوا ، ماں باپ سوں بے فرمان ہوا
تو جان بوجھ انجان ہوا ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

تو چغلی چاڑی کھاتا ہے ، ہر یک کوں جا سکھلاتا ہے
تو آپس بیچ لڑاتا ہے ، ہوشیار کہ آخر بوجھے گا

جھوٹھی سوگند جو کھاوے گا ، دوزخ میں چل کر جاوے گا
جب اس کا بدلا پاوے گا ، ھوشیار کہ آخر بوجھے گا

سکھ دیکھ پرانا جاتا ھے ، دل اندر حسد اہلتا ھے
تو تیری اگن میں جلتا ھے ، ھوشیار کہ آخر بوجھے گا

قصیدے میں اگرچہ کسبی ناظم کا نام موجود نہیں مگر ھمیں کوئی تعجب نہیں ھو گا اگر وہ بالآخر محمد جی میاں کا ثابت ھو ۔

تاریخ غریبی
(۱۱۶۴ھ ۱۱۷۰ھ)

(از 'اورینٹل کالج میگزین' بابت ماہ نومبر ۱۹۳۸ء و فروری ۱۹۳۹ء)

یہ ایک ضخیم مثنوی ہے جو تقریباً سات سو صفحات پر شامل ہے اور آفرینش نور محمدی سے لے کر تمام سلسلۂ انبیاء علیہم السلام کے حالات و قصص از آدم تا خاتم النبیین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اِس میں مرقوم ہیں ۔ اُس کا وزن ہندی عروض سے تعلق رکھتا ہے جسے امیرخسرو دھلوی نے فارسی میں بھی روشناس کر دیا ہے ۔ عنوان سرخ سیاھی سے اور مطالب سیاہ روشنائی سے مسطور ہیں ۔ ہر موضوع ایک علیحدہ عنوان سے شروع ہوتا ہے اور ہر عنوان کے خاتمے پر ایک ایک دوھرہ اور ایک ایک سورٹھ بہ زبان ہندی درج ہے ۔ فی صفحہ ۱۳ سے ۱۷ تک سطریں اور تعداد ابیات تقریباً دس ہزار ہے ۔ خط بدنما نستعلیق مختلف کاتبوں کے ہاتھ کا ، کاغذ دیسی اور یورپین ۔ مؤخرالذکر کئی کارخانوں کی ساخت کا جس پر مختلف آبی نشانات و علامات موجود ہیں ۔ کسی ورق پر بڑے تاج کی تصویر ہے ، کسی پر ایک بڑے دائرہ نما حلقے کے اندر مختلف اشکال اور خطوط درج ہیں ۔ کئی ورقوں پر تین سطروں میں یہ عبارت درج ہے :

سطر اول Finde ، سطر دوم Ohannot ، سطر سوم Dannonay ۔
ایک ورق پر آبی حروف میں ۱۷۴۲ء مرقوم ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ولایتی کاغذ ہندوستان میں اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں تجارتی مال کے طور پر آنے لگا ہے ۔

تصنیف کے سلسلے میں دو تاریخیں ملتی ھیں - پہلی ۱۱۶۴ھ جو دیباچے میں مذکور ھے :

گیارہ سے چوسٹھ پر بنی   پوری کری فضل کر دھنی

دوسری تاریخ ۱۱۷۰ھ خاتمے میں آتی ھے - چناں چہ :

پندرھویں جو صفر کی پیر بار یہ آج
گیارہ سو ستر بھئے ھوا سو پورن کاج

ان میں پہلی کتاب کی ابتدا کی اور دوسری اختتام کی تاریخ معلوم ہوتی ھے - کتاب بہر حال شہر بیانہ میں جسے مہدوی روایات میں کسی قدر اھمیت حاصل ھے ، لکھی جاتی ھے :

شہر بیانے میں بہی پوری ھوئی کتاب
لکھے پڑھے کوئی سنے سب کوں ھوئے ثواب

تاریخ غریبی۱ اگرچہ ایک اھم تالیف ھے مگر بد قسمتی سے اس کے مصنف کے نام پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جا سکتی - متعدد موقعوں پر شاعر نے اپنے متعلق اشارے کیے ھیں مگر ھر بار وہ اپنے آپ کو جیسا کہ متقی اور دیندار مسلمانوں کا دستور ھے ' غریب ' اور ' عاجز ' کے الفاظ سے یاد کرتا ھے ، بلکہ ایک دو موقعے ایسے بھی آئے ھیں جن میں وہ اپنے لیے ' ساقی ' کا لفظ لاتا ھے - یہ اشارے شاعر کے نام کی گتھی سلجھانے کے لیے ناکافی ھیں - ذاتی حالات کے سلسلے میں اس نے اسی قدر بیان دیا ھے کہ وہ خوب میاں کا خانہ زاد ھے اور میاں عیسوی اس کے مرشد ھیں - ذیل میں یہ اشارے نقل کیے جاتے ھیں :

۱- تاریخ ھذا کے لیے میں محترمی سید خیرالدین صاحب وکیل ٹھکانہ نجات جے پور کا ممنون احسان ھوں - موصوف نے انتہائی مہربانی سے کام لے کر نہ صرف یہ کتاب بلکہ دیگر مہدویہ اردو مؤلفات کے مخطوطے بھی میرے حوالے کر دیے جن پر تبصرہ عنقریب شائع ھونے والا ھے - راقم یہاں سید صاحب ممدوح کی اس کرم فرمائی کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فرض سمجھتا ھے -

(۱) سنو عاجزی کرے بچارا ان باتوں کا لکھنے ھارا
ھے غریب یہ عاجز بندا ساری باتوں میں شرمندا
مہدی کے جو سیوک سور ان سب کے پاین کی دھور
خوب میاں کا خانہ زاد کھوئی عمر سبھی بربار
مرشد میاں محمد عیسو ان کے صدقہ سوں کچھ دیسا
(صفحہ ۱۲)

(۲) سنڑو پھر قصہ کی باق کہے بچارا عاجز ساق
(صفحہ ۱۵۹)

(۳) اب سورہ یاسین بتاوے یہ غریب هندی میں لیاوے
(صفحہ ۲۹۸)

(۴) یہ غریب عاجز بتلاوے جیسا جانڑا ویسا لیاوے
(صفحہ ۳۰۱)

(۵) ایک تردد من میں آوے یہ غریب عاجز بتلاوے
(صفحہ ۳۰۷)

(۶) ایک فاطمہ رهی جو باق کہے بچارا عاجز ساق
(صفحہ ۳۳۱)

(۷) نثر میں سوں جو سیر نکالا سو یہاں کہے غریبی والا
(صفحہ ۳۳۴)

(۸) یہ غریب عاجز کیا ہو گا اس بیان کا پاوے جوگا
اس غریب نیں لکھی غریبی پہنچے سب کوں نفع نصیبی
(صفحہ ۳۴۵)

الفاظ 'غریب' و 'عاجز' بہ حیثیت اسم صفت آئے ھیں نہ بہ حیثیت علم ۔ لیکن یہ خیال بھی آتا ھے کہ چوں کہ کتاب کا نام تاریخ غریبی ھے ، اس لیے 'غریب' مصنف کا نام یا نام کا حصہ ھو ۔ دو جگہ 'ساق' ایسے طور سے استعمال ھوا ھے کہ اس پر نام یا تخلص کا گمان گزرتا ھے ، مگر یہ بھی یاد رھے کہ مصنف اس لفظ کو ایک خاص مفہوم میں لاتا ھے جو دیگر مصنفین اردو کے ھاں نا معلوم ھے ۔ اس موقعے پر خوب میاں اور میاں محمد عیسو کے متعلق چند الفاظ کہنے ضروری معلوم ھوتے ھیں ۔

خوب میاں ان کا عرف اور نام سید مرتضیٰ ہے ۔ ان کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں حضرت میراں سید محمد مہدی جون پوری سے اس طرح ملتا ہے کہ سید مرتضیٰ ابن میاں شاہ شریف ابن سید حیدر ابن سید ابراھیم ابن سید یعقوب ابن سید محمود ثانی مہدی ابن میراں سید محمد مہدی ۔ سید مرتضیٰ بظاھر اھل دائرہ سے علاقہ نہیں رکھتے بلکہ اصل جماعت مہدویہ کے رکن ھیں ۔ انھوں نے ایک فارسی رسالہ میاں مصطفیٰ کے پیرووں کی حمایت میں لکھا ہے جس کا نام ”رسالہ در تائید تابعان بندگی میاں مصطفیٰ“ ہے ۔ اس رسالے کی تاریخ تصنیف معلوم نہیں مگر ایک قلمی نسخہ ۱۱۸۱ھ کا نوشتہ راقم کی نظر سے گزرا ہے ۔ اسی موضوع پر ایک اور منظوم رسالہ اردو میں اسی مصنف کا موجود ہے جس کی ابتدا ہے :

اول حمد خدا کی کرھوں ہے خالق کرتارا
جنے میاں ملیں نعمتاں ھو جو متقی بلہارا ؟

مصنف اپنے آپ کو خوب میاں کا خانہ زاد کہتا ہے ۔ اس سے ہم اس قدر سمجھتے ھیں کہ وہ خوب میاں کا فرزند ہے یا اس قسم کا کوئی اور رشتہ رکھتا ہے ۔

بندگی میاں محمد عیسیٰ اھل دائرہ کے نہایت مقبول اور مشہور پیشوا ھیں وہ بندگی میاں عمادالدین کے بعد جن کا سال وفات ۱۱۱۳ھ ہے ، مسند ارشاد پر فائز ھوتے ھیں ۔ 'فیض عام' دکنی مثنوی جو میاں مصطفیٰ کے حالات میں ایک مقبول تالیف ہے ۔ ۱۱۲۱ھ میں انھی کے زمانے میں لکھی جاتی ہے ۔ ۱۱۵۱ھ میں وفات پاتے ھیں مگر وفات کے بعد بھی ان کی شہرت دیر تک قائم رھتی ہے اور مختلف تالیفات میں ان کا مذکور آتا ہے ۔ چنانچہ محمد جی 'فتحنامہ امامین' (۱۱۸۰ھ) میں، شیخ محمد 'رسالہ عمل مہدویاں' میں اور آدھین مہلوی 'شہادت نامۂ امام حسن و حسین' اور 'وفات نامۂ رسول' (۱۱۷۵ھ) میں بڑے احترام سے ان کا ذکر کرتے ھیں ۔ اسی طرح کتاب 'بحرالمعانی' عرف 'معراج نامہ' کا مصنف بھی ان کی یاد تازہ رکھتا ہے ۔ الغرض یہ تمام مصنفین میاں عیسیٰ کو ان کی وفات سے پچیس تیس سال بعد تک بھی اپنا مرشد بیان کرتے ھیں ۔

یہ خیال ہمارے اذہان پر قبضہ کیے ہوئے ہے کہ یہ شعر و غزل ہے جس نے اردو کے ارتقا میں بڑا کام کیا ہے ، لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شعر و شاعری اور اس کا مذاق خواص کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ۔ عوام میں جس چیز نے اردو کو مقبول بنایا اور اس کی نشر و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا وہ اس کے نیم مذہبی قصص اور اسی قسم کے دیگر موضوع ہیں جنھوں نے عوام‌الناس کے قلوب کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے ۔ گزشتہ دو صدیوں میں جس قدر کتابیں ان مضامین پر مرقوم ہوئیں اور جس تعداد میں چھپیں ، کسی اور مضمون پر شائع نہیں ہوئیں ۔ ان نیم مذہبی تالیفات سے ہمارا مقصد نور نامے ، معراج نامے ، وفات نامے ، شہادت‌نامے (امام حسین) و مراثی و جنگ نامے وغیرہ قسم کی مولفات ہیں جو کثرت کے ساتھ طبع ہوئی ہیں ۔ شعرا کے دیوان بے شک کثرت سے لکھے گئے لیکن اول تو یہ دیوان کم طبع ہوئے اور جو طبع ہوئے ، سوائے معدودے چند کے ان کو پڑھنے والے میسر نہیں ۔ مگر حلیمہ دائی اور شاہ روم اور شیخ معین الدین چشتی کے قصے پڑھنے والوں کی تعداد آج بھی لاکھوں سے متجاوز ہے ۔ جیسے ہی ہمارے لڑکے اور لڑکیاں اردو حرف شناسی سے فارغ ہوتے ہیں وہ ان تالیفات کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کی وجہ مذہب سے قریبی لگاؤ کے علاوہ اس شاخ ادب کی ایک اور خصوصیت یعنی سادگی بیان اور سلاست زبان میں تلاش کرنی چاہیے ۔ یہ کتابیں ایسی آسان اور عام فہم زبان میں مرقوم ہوئی ہیں کہ ہماری قوم کا نیم تعلیم یافتہ طبقہ بھی ان کے مطالب کے سمجھنے سے عاجز نہیں رہتا اور یہی دراصل ان کی مقبولیت کا راز ہے ۔ یہی خصوصیت 'تاریخ غریبی' میں بھی بڑی حد تک معائنہ کی جاتی ہے ۔ اس کی ابتدا ہے :

اول صفت اللہ کی کرو   تاہ نانو رس رسنا بھرو

حمد و نعت و منقبت اصحاب اربعہ کے بعد مصنف اپنے فرقے کے پیشوا حضرت سید محمد مہدی اور ان کے پانچ اصحاب و جانشین یعنی سید محمود ثانی مہدی ، میاں سید خوند میر ، میاں شاہ نعمت ، میاں

شاہ نظام ، میاں شاہ دلاور کے ذکر سے فارغ ہو کر سبب تالیف کتاب میں لکھتا ہے :

ہے غریب یہ عاجز بندا	ساری باتوں میں شرمندا
نا کچھ عربی علم پچھانا	ہیں فارسی کا کچھ جانا
نا کچھ دکنی بولی آئی	نا کچھ بدیا ہندی پائی
مہدی کے جو سیوک سور	ان سب کے پاین کی دھور
خوب میاں کا خانا زاد	کھوئی عمر سبھی برباد
میاں جی کا دربل داسی	ناجی ٹولی کا ہے باسی
ان کے صدقہ اللہ ابارے	بھو ساگر سوں پار اتارے
ہے وہ صاحب بخشنہارا	جس کی رحمت ابرم پارا
مرشد میاں محمد عیسیٰ	ان کے صدقہ سوں کچھ دیسا
نور نبی کیاں بعض نکاتاں	اور نبیوں کیاں دو دو باتاں
لکھاں نپٹ کر سیدھی بولی	جو کچھ گنٹھڑی تھی سو کھولی
سمجھیں سارے خاص عوام	مورکھ چتر سگھر نرہام
پہنچے سب کوں نفع نصیبی	نانو رکھا تاریخ غریبی
گیارا سے چوسٹھ پر بنی	پوری کری فضل کر دھنی

میں نے صرف ضروری ابیات پر کفایت کی ہے :

اس زمانے میں ادبی مقاصد کے لیے رسماً فارسی استعمال میں آ رہی تھی اور ہندی (اُردو) کے خلاف لوگوں کے دلوں میں تعصب کے جذبات موجزن تھے - چنانچہ مصنف کو اردو میں اپنی کتاب لکھنے کے متعلق معذرت کی ضرورت محسوس ہوئی اس لیے کہتا ہے کہ ہندی میں لکھنے کی بنا پر طعنہ زنی نہ کرو ، سب جگہ ہندی میں مطالب بیان کرنے کا عام دستور ہے حتیٰ کہ کلام پاک کے معنی بھی ہندی بولی میں ہمیشہ سمجھائے جاتے ہیں - جن اقوام میں انبیاء آئے وہ انھی اقوام کی زبان میں تلقین و ہدایت کرتے رہے - حضرت مہدی نے ہندی استعمال کی اور خوند میر نے بھی - چنانچہ کئی دوھرے اور ساکھی وغیرہ ان سے منقول ہیں ، اور میاں مصطفیٰ نے بھی بولی ہے ، پھر اوروں کا تو کیا

ذکر بلکہ مہدی نے نو راہ ہدایت دکھاتے ہوئے بعض اشعار بھی نقل فرمائے ہیں ۔ مصنف لکھتا ہے ۔

هندی پر نا مارو طعنا سبھی بتاویں هندی معنا
یہ جو ہے قران خدا کا هندی کریں بیان سدا کا
لوگوں کوں جب کھول بتاویں هندی میں کہہ کر سمجھاویں
جن لوگوں میں نبی جو آیا آن کی بولی سوں بتلایا[1]
هندی مہدی نیں فرمائی خوند میر کے منہ پر آئی
کئی دوھرے ساکھی باب بولے کھول مبارک ذات
میاں مصطفیٰ نیں بھی کہی اور کسی کی پھر کیا رہی
نقل یو مہدی نیں فرمائی بھولے جنکوں راہ دکھائی
جو ساری باتوں کا جیو نقل تم کوں بھوجن همکوں پیو
پھاٹا پہنیں ٹوکا کھائیں راول دیول کبھی نجائیں
اس گھر آئی پاھی ریت پانی چاھیں اور مسیت

مصنف کے اس استدلال سے ظاہر ہے کہ اس عہد تک جماعت مہدویہ (مقیم دائرہ) میں آردو کا استعمال اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا ۔ وہ ان کے تعصب کے بندھن کو توڑنے کے لیے اپنی جماعت کے پیشواؤں اور هندی کے ساتھ ان کی وابستگی کا ذکر کرتا ہے :

کتاب میں پچھلے پانچ مصرعوں پر خط کھینچا ہؤا ہے اور اس سے قبل لفظ 'نقل' لکھا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک یہ پانچ مصرعے وہ ہیں جو ان کے دینی پیشوا حضرت میران سید محمد مہدی سے منقول ہیں ۔ میرے خیال میں کسی غلط فہمی کی بنا پر پہلے مصرعے پر خط ڈالا گیا ہے ۔ صرف پچھلے دو شعر سید صاحب سے مروی ہیں اور ان سے قبل کا شعر خود سید صاحب ممدوح کی تعریف میں لایا گیا ہے ۔ یعنی :

جو ساری باتوں کا جیو تمکوں بھوجن همکوں پیو

---

۱ ۔ آیۂ کریمہ 'وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ'' کی طرف اشارہ ہے ۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ ان اشعار کے مالک سید محمد مہدی ہیں۔
ہمارے نزدیک وہ ان کے راوی ہیں نہ مالک۔ لیکن جس کثرت سے
مہدوی روایات میں یہ شعر منقول ہیں ان سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے
کہ حضرت مہدی کے طبع زاد مانے گئے ہیں۔ دراصل ان شعروں کے
مالک شیخ بہاءالدین باجن ہیں جو حضرت میراں مہدی کے ہم عہد
ہیں اور ان سے دو سال بعد یعنی ۹۱۲ھ میں بمقام برہان پور وفات
پاتے ہیں۔ باجن جس کے معنی سار ہیں، ان کا تخلص ہے۔ گجرات کے
رہنے والے اور شیخ رحمت اللہ کے مرید ہیں۔ یہ ابیات کسی قدر
اختلاف کے ساتھ ان کی تصنیف 'گلستان رحمت' میں یوں ملتے ہیں :

راول دیول ہم بجانا بھاتا پہنا روکھا کھانا

ہم درویشن ایہی ریت بانی لوڑھیں ہور مسیت

بیٹھے آچھیں ٹھنڈی چھاہو جو کچھ دیویں سو ہی کھانو

ہماری نگاہ میں تاریخ غریبی اس کی لسانی قدامت، آردوے قدیم
سے اس کی قرابت اور مقامی زبانوں کے ساتھ اس کے تعلقات و مشارکت
کی بنا پر ایک نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔ قدیم آردو کے گجراتی و دکنی
نمونے کثرت سے ملتے ہیں، لیکن راجپوتانہ اور اطراف اجمیر کی آردو
کے نمونے اب تک نامعلوم کمیت کا حکم رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں
یہ اور دیگر کتب مہدویہ جو اہل دائرہ کی مساعی کی یادگار ہیں، جدید
روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کی آردو ایک موٹی قسم کی آردو ہے جس پر
قصباتی لہجہ غالب ہونے کے علاوہ راجستھانی زبان کا بھی کافی پرتو ہے
اور کسی قدر گوجری اور دکنی کی بھی نمون ہے۔ اس کی صرف اور
قواعد کے سرسری مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر میں کئی
زبانیں شریک ہیں؛ مثلاً اس کا حال گوالیری کی تقلید میں 'مارت ہے'۔
'جات ہے' بھی آتا ہے اور الف کے اضافے سے بہ تقلید پنجابی
'مارتا ہے' اور 'جاتا ہے' بھی آتا ہے۔ اس کی ایک تیسری شکل 'آوے
ہے' 'جاوے ہے' آتی ہے۔ ایک اور نادر شکل 'جان ہے' (جانے ہے) بھی
ملتی ہے۔ مستقبل میں بھی ایک سے زیادہ شکلیں ملتی ہیں۔ چنانچہ

'مر جاویں گے'، 'کھاویں گے' کی ایک شکل 'مر جانگے اور 'کھانگے' بھی ہے۔ ایک تیسری نادر شکل 'مر جاهی' (مر جائے گا) 'مار هوں' (ماروں گا) ہے جو مطلق راجپوتانہ سے علاقہ رکھتی ہے:

اب وقت آگیا ہے کہ هم تاریخ غریبی کی املاء و انشا و قواعد زبان پر ایک سرسری نظر ڈالیں جس سے ناظرین کو اس کی خصوصیات کا کسی قدر اندازہ هوسکے گا۔

املا : 'تاے' هندی پر چار نقاط دیے هیں۔ مثلاً 'بات' ۔ 'ٹھور' 'بھروٹا' ۔ تریسٹھ وغیرہ ۔ دال هندی اور راے هندی کے نیچے پ اور چ کی طرح تین تین نقطے دینے کا دستور ہے ۔ یعنی بڑا ۔ 'ڈال' ۔ 'بوڑھا' ۔ 'جھاڑ' ۔ 'کھڑا' 'لڑکا' :

هندی کا 'نڑا' 'نڑ' کے ذریعہ سے جیسے سنڑایا ، سنایا ۔ پانڑیں ، پانی ، اپڑاں ، اپنا ۔ اونٹڑیں ، اونٹنی ۔ کھانڑا ، کھانا ۔ دانڑا ، دانہ وغیرہ :

یائے معروف و مجهول و هائے هوز و دو چشمی اور کاف و گاف میں کوئی فرق ملحوظ نہیں ۔ تمام ایسے مسلمانی الفاظ جو 'ہ' پر ختم هوتے هیں الف سے لکھے هیں ، چنانچہ حصہ ، حصا ۔ قصہ ، قصا ۔ خزانہ ، خزانا ۔ پیشہ ، پیشا ۔ جامہ ، جاما ۔ تماشہ، تماشا ۔ خاصہ، خاصا ۔ خلاصہ ، خلاصا ۔ غصہ ، غصا ۔ همیشہ ، همیشا ۔ اندیشہ ، اندیشا ۔ تشنہ ، تشنا ۔ طعنہ ، طعنا ۔ معنیٰ ، معنا :

حروف کا تبادلہ

ایسے الفاظ کے تعلق میں جن میں اردو اور پنجابی میں 'ڑے' اور برج و راجستھانی میں 'ڈال' پائی جاتی ہے ، هارا مصنف مؤخر الذکر زبانوں کی پیروی کرتا ہے ۔ چنانچہ :

ڈاڑھی ، ڈاڑھی ۔ کاڑھی ، کاڑھی ۔ بڑی ، بڑی ۔ چڑھے ، چڑھے ۔ بڑھا ، بڑھا ۔ پڑھے ، پڑھے ۔ کاڑھی ، کاڑھی ۔ اڑاوے ، اڑاوے ۔ بوڑھی، بوڑھی ۔ آڑے ، آڑے ۔ کاڑا ، کاڑا ۔ کڑھا ، کڑھا ۔ بھیڑ ، بھیڑ ۔

ایڑی ، ایڈی ۔ بیڑھ ، بیڈھ ۔ پاڑی ، پاڈی ۔ گاڑی ، گاڈی ۔ بڑائیاں ، بڈایاں ۔ چھڑانا ، چھڈانا ۔ نکوڑا ، نکوڈا ۔ اوڑھنا ، اوڈھنا :

'نون' اور 'نڑا' کا تبادلہ

جانیں ، جانڑیں ۔ سنو ، سنڑو ۔ جنی ، جنڑی ۔ کھانے ، کھانڑے پہچانے ، پچھانڑے ۔ اپنا ، انپڑاں ۔ گون ، گونڑ ۔ تنکے ، تنڑ کے ۔ سرنائی ، سرنڑائی ۔ گنی ، گنڑتی ۔ ٹخنوں ، ٹخنڑوں ۔ سوکن ، سوکنڑ منکا ، منڑکا ۔ چنایا ، چنڑایا ۔ برانا ، برانڑا ۔ ہنومان ، ہنڑومان ۔ دھنی ، دھنڑیں ۔ بچھونا ، بچھونڑا ۔ ٹھکرانی ، ٹھکرانڑی ۔ ہونا ، ہونڑا ۔ کہانی ، کہانڑیں :

'رے' اور 'لام' کی تبدیلی

بادل ، بادر ۔ ڈالی ، ڈاری ۔ سگلی ، سگری ۔ ڈالا ، ڈارا ۔ کملی ، کمری ۔ گلے ، گرے ۔ کالے ، کارے ۔ رکھوالی ، رکھواری ۔ بلواراں ، برواروں ۔ بدلی ، بدری ۔

'بے' اور 'دال' میں تبادلہ

پلید ، پلیب ۔ مدد ، مدب ۔ گھاد ، گھاب :

اسے ڈال اس میں لیجاوے داؤ گھاد کر کہیں چھپاوے
(صفحہ ۱۳۹)

'واؤ' کا 'بے' سے 'میم' کا 'واؤ' سے بدل جانا :

بورچی ، برچی ۔ دامن ، داون ۔

'یے' اور 'واؤ' میں تبادلہ

سیدھی ، سودھی ۔ پیٹھ ، پوٹھ ۔ مینجنا ، مونجنا ۔

بعض صوتی تبدیلیاں :

بٹار ، بٹپاڑا ۔ چھلکے ، چھلتے ۔ چیونٹی ، چمٹی ۔ کلہاڑی ، کہاری ۔ جانور ، جناور ۔ ڈکار ، دھکار ۔ چوٹی ، چٹیا ۔ مسکرایا ، مسکانا ۔ طعنہ ، تارا ۔ چڑیا ، چرِی ۔ بھجیا ، بھاجی ۔ بھیا ، باچھی ۔ ناؤ ، نیا ۔ کتیا ، کوتی ۔ ننھیال ، نسال ۔ گوندھا ، گونہا ۔ اتوار ، دیوار ۔ پالا ، پانا ۔ کہاوت ، کہبت ۔ انیس ، گونڑیس ۔ بائیس ، باویس ۔ تیئیس ، تیویس ۔

اٹھائیس ، اٹھاویں :

الٹھاویس اٹھارویں آٹھ تین تیویس
اور تیرھویں منع ہے جانو بسوابیس

ضمیر و اسمائے اشارہ :

غائب :

واحد : اے ۔ ان ۔ اس ۔ یہہ ۔ یو ۔ ایسے ۔ وا ۔ یا ۔ اسی ۔
آسی ۔ وھی ۔
ان نیں (اس نے) ۔

جمع : وے ۔ ان ۔ انو ۔ اونو ۔ انوں ۔ انہوں ۔

مخاطب :

واحد : تو ۔ تیں ۔ تیرا ۔ تو ۔ توہ ۔ توکوں ۔ توسوں ۔

جمع : تم ۔ تمہارا ۔ تمہیں ۔ تم ۔

متکلم :

واحد : میں ۔ میرا ۔ منجھ ۔ منجھکوں ۔ مجھ ۔ موہ ۔ مو ۔
مو کوں ۔ موسوں ۔

جمع : ھم ۔ ھارا ۔ ھمیں ۔

قدیم اُردو میں 'الف' قریب کے لیے ، 'واو' بعید کے لیے ، 'کاف' استفہام کے لیے ، 'جیم' شرط و موصول اور 'تے' جزا و صله کے لیے آتے ھیں ۔ ان سے مختلف الفاظ بن کر مختلف مقاصد یعنی ضمیر و اشارہ ، موصول صفت ، ظرف ، مقدار و تشبیه وغیرہ کا اظہار کرتے ھیں ۔ 'واؤ' اور 'تے' کی ترکیب سے بننے والے الفاظ زیادہ رائج نہیں ۔ ذیل میں تاریخ غریبی سے مثالیں دی جاتی ھیں ۔ جو لفظ قلابوں میں درج ہے ، اس کا یه مقصد ہے که وہ لفظ اگرچه قاعدے کی رو سے آتا ہے ، لیکن اس تالیف میں میری نظر سے نہیں گزرا ۔

ضمیر و اشارہ :

اے ۔ وے ۔ کے ۔ جے ۔
یو ۔ وو ۔ کوؤ ۔ جو ۔ تو ۔

یا ۔ وا ۔ (کیا ، کا ، کہا ۔ کوئی ۔ جا ۔ تا)
یاہ ۔ واہ ۔ (کاھے ، کاہ ، کاھو ۔ جاہ ۔ تاہ)
ان ۔ آون ۔ (کن ۔ جن ۔ تن)
(کنڑ ، جنڑ ، تنڑ)

مفعولی

اس (آس ، وس) ۔ کس ۔ جس ۔ تس ۔
اسے (آسے ، وسے) ۔ کسے ، جسے ، (تسے)
انو (انو ، ونو) ۔ کنو ، جنو ۔

فاعلی :

انے (ونے) کنے ۔ جنے۔
انیں (ونیں) کنیں ۔ جنیں ۔
ان نیں (ون نیں) کن نیں ۔ جن نیں ۔

ظرف زمان :

اب ۔۔ کب جب تب ۔
۔۔ ۔۔ کد جد تد ۔
۔۔ ۔۔ کدی جدی تدی ۔
ابھی ۔۔ کبھی جبھی تبھی۔

ظرف مکان :

اھاں : (اوھاں ، آھاں)
یہاں : (وھاں ۔ کہاں ۔ جہاں ۔ تہاں ۔
واھاں ۔ کہوں)
یہیں ۔ وھیں ۔ کہیں ۔
یہانکر ۔ وھانکر ۔ کہانکر (جہانکر) ۔
ادھر ۔ آدھر ۔ کدھر ۔ جدھر ۔ تدھر ۔

صفت تشبیہی :

ایسا ۔ ویسا ۔ کیسا ۔ جیسا (تیسا)
ایسے ۔ ویسے ۔ کیسے ۔ جیسے ۔ تیسے ۔
ایسو ۔ (ویسو) ۔ کیسو (جیسوں ۔ تیسو)
ایسی ۔ (ویسی)۔ کیسی ۔ جیسی ۔ (تیسی)

ایسیاں - ویسیاں - کیسیاں - جیسیاں (تیسیاں)
ایسیں - (ویسیں) - کیسیں - جیسیں -
یوں (ووں) کیوں - جیوں - تیوں -
یونکر ــ کیونکر - جیوں کر ــ

صفت مقداری :
ایتا - ویتا - کیتا - جیتا ــ
ایتے - ویتے - کیتے - جیتے ــ
ایتوں ، ایتو ــ کیتوں (جیتوں) ــ
ایتی - ویتی - کیتی - جیتی ــ
ایتیاں - ویتیاں - کیتیاں - جیتیاں -
اتنا ، وتنا ، کتنا ، جتنا -
اتنی ، وتنی (کتنی) جتنی -

حروف ظرف : میں - مانہہ - ماں - مانہی - مانہیں - منے - میانے - درمیانے - بھیتر - بلیچہ :

حروف جارہ : سے - سیں - ستی - سیتی - تیں - تھیں - سوں - اوپر - پر - پہ - پو - پۂ - تل - تلے :

حروف نفی : ناں - نا - ناھی - ناھیں - نانہہ - نانہی - نانہیں - نہیں - نہ - نی - مت - جن - نکو (دکنی) مت (مبادا) :
اگر نا کریں ہم شکرانہ مت کہوں کھوس رکھیں یہہ کھانا نہیں (ورنہ)

حروف شرط : جے - جو - اگر - اگر جو -

حروف ندا : اے - ارے - رے - اے - ھیں (تنبیہی) -

حروف تردید : یا - ویا - یاچے - کے :

دے طلاق جیوں باھر آؤں کے میں خبر ھنسی کی پاؤں
(صفحہ ۲۶۱)

'جو' - 'سو' - 'جیوں' اور 'جب' ایک سے زیادہ معنوں میں آتے ھیں - بعض مثالیں :

جو = اگر :

جو سہاے ہو گی نا بیری — دیسے آج خرابی میری
(صفحہ ۱۰۱)

جو پناہ تیری نہیں پاؤں — کون بھانت انسوں بر آؤں
(صفحہ ۱۰۱)

جو = چونکہ :

جب سزدار انکوں کا بولا — جو وے نہے شیطانی ٹولا
(صفحہ ۵۸)

آج خوشی کا دن جو آیا — یوسف تجھسوں آن ملایا
(صفحہ ۱۲۶)

جو = کہ :

رسی چھری حو وھاں نا پاویں — بھلا جو اپنے ساتھ لیجاویں
(صفحہ ۶۷)

جب وے بولے بھائی گیارہ — ہم جو کیا لیا کہو تمہارا
(صفحہ ۱۱۴)

جو = جسے :

جس نیں کال خون کر دالا — وھی موسیٰ جو ہیں نیں پالا
(صفحہ ۱۴۴)

لیکن مہتر یوسف پیارا — جو حق نیں معصوم سنوارا
(صفحہ ۹۴)

جو = اور ؟

اترے نبی جو مومن سارے — وہی اسّی اللہ پیارے
(صفحہ ۵۲)

سو = وہ :

بیٹا چال باپ کی چالے — بیٹا سو جو نا نو اُجالے
(صفحہ ۵۱)

سنت سو جو دونو تیاگے — حلق خلق کے کبہے نہ لاگے
(صفحہ ۲۸۰)

سو = پس :

هم بهی بت خانے میں جا کر — مانگیں دعا سو جیو لگا کر
(صفحه ۵۷)

کاٹوں جیبھ لگاؤں لون — یہہ تو بات کہے سو کون
(صفحه ۷۳)

سو = جو :

سنو پھیر کیا ہویاں سو باتاں — بیبیاں چلیاں باپ کن آیتاں
(صفحه ۱۳۶)

فجر اٹھ چلے دونوں ذاتاں — سنڑو پھیر کیا ہویاں سو باتاں
(صفحه ۱۸۹)

سو = اور :

سورج چاند سو گیارہ تارے — مجکو سجدا کریں جو سارے
(صفحه ۸۴)

اس کی طرف جو چل کر آوے — ہوئے نہال سو بخشا جاوے
(صفحه ۹۴)

حق نیں انہڑاں فضل دکھایا — لوہی گیا سو پانڑیں آیا
(صفحه ۱۶۰)

مہتر موسیٰ ندی کنارے — دیکھیں کھڑے سو مومن سارے
(صفحه ۱۶۵)

جیوں = تا کہ :

کرو معجزا ظاہر ہمکوں — جیوں ہم سانچا جانڑیں تمکوں
(صفحه ۵۷)

چاہو پھیر نکالو ہم کوں — خالی رہے شہر جیوں تمکوں
(صفحه ۱۵۵)

جیوں = جس طرح :

بی بی نیں من بات جو ساری — حکم ہوا جیوں کری تیاری
(صفحہ ٦٧)

جب = جس وقت :

جب یوسف مانگے تم دیجو — جو کچھ ہمیں کہے سو کیجو
(صفحہ ٨٧)

جب غـریب وہ لاگا مرنے — الـتماس یـوں لاگا کرنے
(صفحہ ١٨٨)

جب = تب :

یوسف نیں جب بیگ بلائے — جب محل کے انـدر آئے
(صفحہ ١١٠)

جبرئیل جب سن کر بھاگے — جا خلیل سوں کہنے لاگے
(صفحہ ٦٠)

تصریف کے عام قاعدے وهی هیں جو اُردو میں رائج هیں لیکن بہت سے موقعوں پر ان کی پیروی سے اعراض کیا گیا ھے ۔ میں بعض مثالیں یہاں درج کرتا ھوں ۔ جن الفاظ کی تصریف نہیں ھوئی ان پر ایک خط ڈال دیا گیا ھے :

لگھـبان میرا رکھـوالا — جیو جان سب تجھے حـوالا
(صفحہ ١٠١)

ڈیرے جا کر گونڑاں کھولیں — آپس میں دیکھیں ا کیا بولیں
(صفحہ ١١١)

کروں توکل اس پر میرا — اسی یاد میں سانجھ سنویرا
(صفحہ ١١٣)

جب تیں خوشی ھوا تو پیارا — خوشی ہو گیا عالم سارا
(صفحہ ١٢٦)

کر صندوق میں خوب بچھونا — محکم کیے سو چاروں کونا
(صفحہ ١٣٩)

رود نیل میں جا کر ڈالا — کیا خدا کے فضل حـوالا
(صفحہ ١٣٩)

مہتر موسول آٹھ کر بھاگے   پیچھا پھر پھر ویکھن لاگے
(صفحہ ۱۴۵)

کہا بات سن مائی جایا   منجھے انہوں نس ھلکا پایا
(صفحہ ۱۷۱)

پھیر کلیم دھرتی کوں بولا   پکڑ جوھیں شطانی ٹولا
(صفحہ ۱۸٦)

گوپھیا کوں خوب پھرایا   اس پلیت کی طرف چلایا
(صفحہ ۲۲۰)

وھاں تھے جو ما بیٹا پیارے   رھتے دور شہر سوں نیارے
(صفحہ ۲۲۸)

پھیر کہیا سا بیٹا آؤ   لیو قصاص اب ڈھیل نلاؤ
(صفحہ ۲۳۱)

کدی نہ آن کا ھوئے میلا   آپ اب میں رھیں آکیلا
(صفحہ ۲۳۳)

اسے کہا تو میرے پاچھے   قدم بر قدم دھرجے آچھے
(صفحہ ۲۷٦)

جبریل کوں ھوا حوالا   چھات پھاڑ کر نبی نکالا
(صفحہ ۲۸۲)

ایک بات میں کہوں بھتیجا   لاجوں توسوں نہیں کہی جا
(صفحہ ۳۳۲)

باغ پھیر کر ھو جا ایسا   پہلے تھا جیسے کا جیسا
(صفحہ ۲۲٦)

یہ مثالیں بہر حال مستثنیات میں شمار ھونے کے قابل ھیں ۔ خود اُردو میں ان ایام میں قواعد کی پابندی نہیں تھی، حتیٰ کہ میرزا غالب بھی بعض موقعوں پر ایسی بےضابطگی برت گئے ھیں ۔ چنانچہ :

دل ان کو پہلے ھی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ھمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

یہاں 'تقاضے' آنا چاھیے ۔

جمع

جمع دو طرز کی ملتی ہے :

(الف) بطرز راجستھانی و گوالیری (برج) جس میں صرف ایک نون لفظ کے آخر میں اضافہ کر دیتے ہیں ۔ مثلاً 'گای' سے 'گاین' اور 'چور' سے 'چورن' ۔ لیکن یہ جمع ندرت کے ساتھ آتی ہے اور بہت کم موقعوں پر ملتی ہے ۔ چنانچہ :

ایسی بساب کا کر وسواس کری دور دابن سوں باس
(صفحہ ۱۶۶)

مہدی کے حو سیوک سور ان سب کے پاین کی دھور
(صفحہ ۱۲)

گل سو ہے سوس کی مسالا بھانت بھانت کا کپڑا ڈالا
(صفحہ ۲۲۸)

جو یوشع بن نون کہایا نبی نورن میں آئے سمایا
(صفحہ ۳۰۹)

قدیم اُردو میں اس جمع کا رواج رہا ہے ۔ مثلاً شیخ باجن لکھتے ہیں :

ہم درویشن ایہی ریت بانی لرھڑیں ھور مسیت

اور افضل اپنی 'بکٹ کہانی' میں لکھتا ہے :

سلام از طرف این غمخوار کیجو پگن کو پرس پاتی ھاتھ دیجو

ان شعروں میں 'درویشن' اور 'پگن' بحالت جمع ہیں ۔

(ب) دوسری جمع لفظ کے آخر میں 'اں' کے اضافہ سے بنتی ہے جیسا کہ پنجابی اور قدیم اُردو میں دیکھا جاتا ہے ۔ یعنی :

قندیلاں ، برجاں ، ابتیاں ، چوریاں ، دلیلاں ، زمیناں ، بونداں ، باتاں ، گھاتاں ، نکاناں ، فوجاں ، موجاں ، سوگنداں ، ذاتاں ، ساریاں ، قبراں ، نیاریاں ، کیاں ، ارواحاں ، پیڑاں ، لاگیاں ، آیاں ، لگایاں ،

بھاگیاں ، دیواراں ، پکاریاں ، اوملیاں ، حوراں ، بچاریاں ، خدمتگاراں ، بدیاں ، بلایاں ، بڑھالاں ، ترواراں ، اصحاباں ، یاراں، پیلاں ، اونٹاں ، عرضاں ، آنکھاں ، کرکساں ، محراباں ، کتاباں ، گایاں ، بچھیاں ، نعمتاں ، بھتیریاں ، دیگاں ، کرسیاں ، امیراں ، وزیراں ، شیطاناں ، چمٹیاں ، ناماں ، چیزاں ، تمیزاں ، چیریاں ، کناریاں ، ایسیاں ، بنڑیاں ، سہیلیاں ، ساریاں ، ناریاں ، آفاتاں ، نمازاں ، لکڑیاں ، لاتاں ، قلاں ، بیبیاں ، نیکیاں ، کھوٹیاں ، روٹیاں ۔

مگر ایسے الفاظ جن کے آخر میں 'ئی' لا حقہ آتا ہے ، جمع کی حالت میں اس کی ہمزہ حذف کر دی جاتی ہے ۔ چناں چہ :

واحد : بھائی ، دائی ، آئی ، لگائی ، بڑائی ، ہوئی ، کسائی (قصاب)
جمع : بھایاں ، دایاں ، آیاں ، لگایاں ، بڑایاں ، ہویاں ، کسایاں ۔

جملے میں فاعل یا مفعول یا مبتدا اگر جمع مؤنث ہے تو اس کا اثر اس کی صفت ، اضافت ، حالیہ ، فعل اور توابع فعل و خبر تک پر پڑتا ہے ، یعنی یہ سب جمع مؤنث آئیں گے ۔ یہ قاعدہ امثلۂ ذیل سے واضح ہوگا :

چل کر آیاں فوجاں ایتیاں   کھاے گیاں انکیاں سب کھیتیاں
(صفحہ ۱۵۷)

اس شعر میں 'فوجاں' چوں کہ بحالت جمع ہے اس لیے اس کی صفت 'ایتیاں' اور فعل 'آیاں' جمع میں آئے ۔ اسی طرح مصرع دوم میں 'کھاے گیاں' بھی جمع میں آیا ۔ ادھر 'کھیتیاں' (مفعول) جمع مؤنث تھا اس لیے اضافت بھی جمع میں آئی ۔

گیاں بلوں میں چمٹیاں ساریاں   کاپڑے تھیاں ساماں بچاریاں
(صفحہ ۲۰۳)

یہاں 'چمٹیاں' (فاعل) کی بنا پر 'گیاں' اور 'کاپڑے تھیاں' فعل اور 'ساریاں' اور بچاریاں' صفت بہ حالت جمع آئے ۔

مرد برن جو نہیاں سرمایاں   کپڑوں سدھیاں ساریاں نہایاں
(صفحہ ۲۰۹)

یہاں 'کپڑوں سدھیاں' حالیہ ہے ، 'ساریاں' صفت اور 'نہایاں' فعل ہے -

تیریاں باتاں سانچیاں سارباں اے سب جھوٹیاں ہویاں بچاریاں
(صفحہ ۱۰۷)

اس میں 'باتاں' مبتدا ، 'تیریاں' اس کی اضافت ، 'ساریاں' صفت اور 'سانچیاں' خبر ہے -

بی بی کوں حب پڑاں لاگیاں آیاں اور لگایاں بھاگیاں
(صفحہ ۳۱۳)

مصرع دوم میں 'لگایاں' فاعل ، 'آیاں' فعل اور 'بھاگیاں' حالیہ ہے -

ایک روز میں اور سہیلیاں کھیلیں بیٹھیاں کرب کہیلیاں
(صفحہ ۲۵۷)

اس میں 'کھیلیں' فعل اور 'بیٹھیاں' حالیہ ہے -

تھیاں ہزار وھاں کرساں دھریاں سو تو سب سونے سوں جریاں
(صفحہ ۲۴۰)

یہاں 'تھیاں' فعل 'دھریاں' کا تابع ہے :

تھیاں جو گوشت روٹی وے کھاتیاں
کاٹ کاٹ نیبو برکاتیاں (صفحہ ۹۹)

'کھاتیاں' فعل ، 'تھیاں' تابع فعل اور 'برکاتیاں' حالیہ ہے :

کھانے چکیاں جب کھانڑاں ساریاں
سنڑو پھیر کیا کیاں بیاریاں (صفحہ ۹۹)

اس میں 'کھانے چکیاں' فعل مرکب ہے :

مفعول کی مثالیں :

دیکھیاں سات جو سوتیاں گایاں سوکی ندی میں سوں آیاں
(صفحہ ۱۰۵)

سونے کیاں وھاں اینٹاں تین پایاں پڑیاں سنڑو پرین
(صفحہ ۲۸۷)

دیاں نبی کے ہاتھوں کیلیاں — برن بون کیاں رنگ رنگیلیاں
میریاں بکریاں ساریاں لیاں — اسی کھیت والے کوں دیاں
(صفحہ ۲۲۵)

یہ جمع قدیم اردو اور پنجابی میں بہ کثرت ملتی ہے ، جس سے ان زبانوں کے اتحاد و یگانگت کا ہم کو پتا چلتا ہے ۔ میں یہاں چند اور مثالیں عرض کرتا ہوں :

ایسیاں بنڑیاں سہیلیاں ساریاں — اصل ہو بہو دیسیں ناریاں
(صفحہ ۲۴۷)

حوراں ساریاں کہیں بچاریاں — ہم تو اس کیاں خدمتگاراں
(صفحہ ۳۱۷)

حور ملائک کیاں سب فوجاں — جیوں دریا وکیاں اومبڑیاں
(صفحہ ۳۱۶) موجاں

لوہے کیاں بھیاں قلاں ساریاں — سب کوں ملا کیاں یکتھاریاں
(صفحہ ۶۶۹)

گانو گانو سوں دایاں آیاں — بال بچوں کوں لے کر جاتیاں
(صفحہ ۳۱۷)

تذکیر و تانیث

مذکیر و تانیث کے لحاظ سے متعدد الفاظ ایسے ہیں جن کی حیثیت اردو سے مختلف یا متضاد ہے ۔ ان کی مثالیں ذیل میں آتی ہیں ۔ اس کے علاوہ وہی لفظ ایک مقام پر مؤنث آیا ہے اور دوسری جگہ مذکر ہے ، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تذکیر و تانیث کے قواعد اس عہد تک انتشاری کیفیت میں تھے :

مؤنث	مذکر
نیّا :	ناؤ :
دھم رجبیّ چڑھی جو نیّا	جب تنور میں پانی آیا
نبی نوح جا بھیا کھوییّا	بیٹھ نوح نیں ناو چلایا
(صفحہ ۵۰)	(صفحہ ۵۰)

ناو :
نبی نوح نیں ناو بنائی
جس کی باب سو یوں بتلائی
(صفحہ ۴۹)

کاروان :
کاروان جب وہاں اک اتری
تھی زمین جو خاصی ستھری
(صفحہ ۹۱)

درہم :
سترہ درہم کھوٹیاں سبھی
حاضر ہیں جسے لیو تم ابھی
(صفحہ ۹۲)

سال :
سنڈو ساتویں سال جو آئی
ملے مصر کے لوگ لگائی
(صفحہ ۱۰۹)

دلاسا :
اب میں تیری کروں جو آسا
تو کر میری خوب دلاسا
(صفحہ ۲۵۸)

ہوش :
جا کر ان کے سیخ چبھائی
کہیں کسی کے ہوش نہ آئی
(صفحہ ۲۱۰)

من :
کہا اگر تیری من مانی
کرو خوشی ہو کر مہانی
(صفحہ ۲۸۳)

عداوت :
دل میں رکھا عداوت کینا
کافر تھا ملعون کمینا
(صفحہ ۱۳۶)

گھونٹ :
ایسا گھونٹ جو کوئی پی جا
جس کی کیا تعریف کہی جا
(صفحہ ۲۳۴)

عمر :
بارا برس عمر جب پایا
اسے خدا نیں خواب دکھایا
(صفحہ ۸۳)

باب :
ساروں میں یہہ جیو کر آیا
عجب باب یہ منجھے دکھایا
(صفحہ ۱۴۰)

گھاب :
تجھ سوں ڈر یہ گھات نکالا
ماں نیں منجھے ندی میں ڈالا
(صفحہ ۱۵۲)

قوم :
سونپا قوم اسی کوں سارا
چلا خدا کن نبی پیارا
(صفحہ ۱۶۶)

کتاب :
رود نول سوں خوب بنچایا
تھی کتاب تم کوں پہنچایا
(صفحہ ۱۷۵)

غم :
پھیر نبی نیں یوں بتلائی
تجھے قوم کی غم کیوں آئی
(صفحہ ۲۴۲)

درم :
کیتیاں درماں کھول نکالیاں
لے طباخ کے آگے ڈالیاں
(صفحہ ۳۰۴)

سفر :
بات ان دونوں کی سنڑ پائی
سفر شام کی آگے آئی
(صفحہ ۳۲۶)

انار :
بھری آدمیوں سوں یوں دھرتی
جیوں انار داڑوں سوں بھرتی
(صفحہ ۲۰۹)

التماس :
جب رسول سجدے میں جا کر
التماس کی جیو لگا کر
(صفحہ ۲۲۷)

درد :
موسیٰ کے وہ درد کھٹکتی
بات بولتے جیبھ اٹکتی
(صفحہ ۱۴۳)

رحمت :
جس نیں حق کی رحمت پایا
جس نیں علم لدنی سکھایا
(صفحہ ۱۷۷)

چادر :
خواجہ خضر کوں دیکھا لیٹا
مکھ پر چادر لیا لپیٹا
(صفحہ ۱۷۷)

جان :
سنڑ بیان الحان نبی کا
بہت لرزتا جان سبھی کا
(صفحہ ۲۲۱)

روزی :
نا شکری کا یہہ پھل لاگا
تھا حلال روزی سو بھاگا
(صفحہ ۲۲۸)

سانچہ :
کہا سانچ تو لاگے کڑوا
نیب آک کا جیسیں چڑوا
(صفحہ ۲۴۲)

نظر :
سنڑا غلغلہ باہر آیا
کعبہ کانی نظر چلایا
(صفحہ ۳۱۵)

مؤنث

دانہ : سکل سسف جن ایسیں جانا
جیوں ھاتھ مانہ رائی کی دانا (صفحہ ۶)

قصہ : جگ سوں ہیڑا چار سو حصا
اس کی سنڑو سمنجھ کسر قصا (صفحہ ۲۱)

حج : بھنک تاہ سروں جا پڑی
حج آئے مکے کی کری (صفحہ ٦٦)

شہر : فجر ہوئی جبرائیل آئے
جڑ سوں ساری شہر اٹھائے (صفحہ ۷۸)

مجھے ایسا شبہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض الفاظ محض قافیے کی غرض سے اگر وہ مؤنث ہیں تو مذکر یا مذکر ہیں تو مؤنث لائے گئے ہیں ۔ ایسے موقعے اس تالیف میں کثرت سے ملتے ہیں ؛ مثلاً 'بات' اردو میں مؤنث ہے اور اس کتاب میں بھی سینکڑوں جگہ مؤنث باندھی گئی ہے ؛ چناں چہ :

سنپڑرو پھیر یوسف کیاں باتاں کبھے بیجھ میں دوی نکاتاں
(صفحہ ۱۰۱)

ھای مکر نیں بات ڈبوئی جنھوں مرد نہ پوچھے کوئی
(صفحہ ۱۰۰)

سوائے باتاں جب یوسف آگے کیاں سواٹھ کر وھاں سوں
(صفحہ ۱۰۰) بھاگے

تاہم متعدد موقعے ایسے موجود ہیں جن میں غالباً بہ ضرورت قافیہ 'بات' کو مذکر لایا گیا ہے ؛ مثال میں یہ دو شعر ملاحظہ ہوں :

ترت عاج بس نوح بلایا اسے بات یونکر سمجھایا
(صفحہ ۴۸)

'بلایا' کا فاعل حضرت نوح ہیں اور بلایا چوں کہ قافیہ ہے اس لیے دوسرے مصرعے میں 'بات سمجھائی' کو 'بات سمجھایا' میں تبدیل کر دیا ؛ شعر آیندہ میں بھی یہی صورت معلوم ہوتی ہے :

حسب کلیم جذبے میں آیا بات قوم سوں یوں بتلایا
(صفحہ ۲۰۱)

یہی سلوک میں سمجھتا ہوں 'ناو' اور 'گھات' کے ساتھ کیا ہے جنھیں ضرورتاً مذکر لایا گیا ہے ۔

'راہ' اردو میں مؤنث ہے اور مصنف کے نزدیک بھی مؤنث ہے ،

تاهم به غرض قافیه وہ اس کو مذکر لایا ہے ۔

دنیا پر یوں حکم چلایا حق کی سیدھی راہ بتایا
(صفحه ۴۴)

دوسرے مصرعے میں 'بتائی' آنا چاهیے تھا ۔

الف زائدہ

لفظ کے آخر میں ایک زائد الف بیسیوں جگه لایا گیا ہے ۔ یه مثالیں ملاحظه هوں :

تو جو غیب سوں ہے بے خبرا لادطیق سعی هرگز صبرا
(صفحه ۱۷۹)

ایسی جوب بنے گلزارا مانو پھولے پھول هزارا
(صفحه ۱۲۳)

اس کا مس جو لیا ادهارا دیا هاتھ میں اس کے سارا
(صفحه ۲۲۲)

لیا مال بوڑھی نے سارا آئی گھر کوں شکر گزارا
(صفحه ۲۲۷)

آٹھ مہینے دوڑے گھوڑا ایتا دستر خوانا چوڑا
(صفحه ۲۳۸)

ایک بادشاہ تھا کفرانا بیٹا بلی بلونت سیانا
(صفحه ۲۸۵)

سنڑے ندیکھے نا کچھ جانڑے پتھرا ہے سب لوک پچھانڑے
(صفحه ۲۹۲)

جن کوں روئے عالم سارا عرس کرس میں پڑا پکارا
(صفحه ۲۹۷)

آج گھاس منجھے دے ادهارا کر لگے جی بچ کوں پیارا
(صفحه ۲۶)

میں خدای کا بندا خاصا میرا اب تم سنڑو خلاصا
(صفحه ۲۷۲)

دی کتاب موہ کیا نبیا او صافی مسا دمت حسیا
(صفحہ ۲۷۲)

نیک عمل کوں کرو وسیلا ہے کــرم رحمان وکیلا
(صفحہ ۳۰۷)

نرا سالنا روٹی کھانڑا میوا بھاجی کــورا دانڑا
(صفحہ ۳۳۵)

نہا آسکنے جو صحی صحیفا جو کلام انجیل لطیفا
(صفحہ ۳۲۸)

منجھے مل گیا وهاں بھٹ پاڑا اس نس لیا سو میرا جھاڑا
(صفحہ ۲۵۴)

هاتھ چلمچی بھی استاوا هیرے موتی لال جڑاوا
(صفحہ ۳۱۳)

ایتا هوتا شور پکارا سنے نو مرجا عالم سارا
(صفحہ ۲۸)

بیٹھ سانپ کے منہ میں سارا گیا بہشت میں وہ مکارا
(صفحہ ۳۸)

آؤ بیٹھ میرے مہانا هم تم مل کر کھا لیں کھانا
(صفحہ ۴۵)

دکھ بن ملے نہ درجا حاصا دکھ بن سکھ کی کریں نہ آسا
(صفحہ ۴۷)

اول احدا بھا کرتارا آپ اکیلا سرجن هارا
(صفحہ ۱۳)

عرض کری جب اے کرتارا منجھے قوم کا کر سردارا

یاے زائدہ

یاے زائدہ فارسی سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی تقلید میں پنجابی اور اردوے قدیم میں بھی آتی ہے ۔ ہمارا مصنف هندی الفاظ میں کم اور مسلمانی الفاظ میں زیادہ استعمال کرتا ہے ۔ چناں چہ :

کہیں ایک تھی بوڈھی بی‌بی — مومن من میں بہت غریبی
(صفحہ ۵۱)

دیگر امثال

جب بولا وہ فتنہ بازی — جس تہیں سارے ہیں ناراضی
(صفحہ ۴۷)

جب فرعون کمینہ پازی — بولا ان کوں ہو ناراضی
(صفحہ ۱۵۵)

دیکھ نبی نیں جب ترتابی — عرض خدا کن کری شتابی
(صفحہ ۱۳۰)

اٹھ سلام کی دئی علیکی — پھیر بوجھ لی بات بھلے کی
(صفحہ ۱۷۷)

گھوڑے سوں جب اتر شتابی — کر سلام دل سوں آدابی
(صفحہ ۱۴۵)

بیٹی پیٹی صفورا بی‌بی — سو کلیم کے ہوئی نصیبی
(صفحہ ۱۳۸)

وہ زبوں ایسا ہوا ماضی — جو دیکوے سو ہو ناراضی
(صفحہ ۲۰۰)

بنا پیو کچھو رکھے نہ غرضی — جو کچھ کرے اسیکی مرضی
(صفحہ ۲۰۳)

وہ پکارتا رین جو ساری — برا مانتے وہ مرداری
(صفحہ ۲۱۰)

بہت غروری من میں لیایا — وہاں بیٹھ کر یوں بتلایا
(صفحہ ۲۱۱)

بادشاہ ہو کر ناراضی — یوں کر بول اٹھا وہ پازی
(صفحہ ۲۹۳)

اس پر تھی یو سب آسانی — جس نے سانچی کری کہانی
(صفحہ ۲۵۷)

کری سلام علیکی کد کی — ظہر پڑھی تھی میں نیں جد کی
(صفحہ ۲۵۸)

کہا بھول جن کرو اداسی — یہی نشانی جاڑو خاصی
(صفحہ ۲۶۵)

جاگ پڑا جب کری خوشیالی — اٹھا شتابی سوں در حالی
(صفحہ ۳۱۲)

آسان سوں خوان شتابی — بھیجہ سالنا نان کبابی
(صفحہ ۲۷۳)

اول سلام علیکی کرتے — پہلے کوئی کرے یوں ڈرتے
(صفحہ ۳۳۵)

ہوے انبیا جو مل سارے — ایک لاکھ چوبیس ہزارے
(صفحہ ۳۴۴)

کافر کے یوں موکی ماری — ترپ مر گیا وہ مرداری
(صفحہ ۱۴۴)

گوشت کھاے جب بھئے خوشیال — کری دعا حاصی درحال
(صفحہ ۸۰)

سزازیل نیں کیا عروری — حکم نمانا حال حضوری
(صفحہ ۷۳)

مصدر

آردو میں مصدر کی علامت (نا) ہے - مگر 'نا' والا مصدر کتاب ھذا یں قلت کے ساتھ ملتا ہے - میں بعض مثالیں دیتا ہوں :

دعا ہمارے حق میں کرنا — آحر ہے تم کوں بھی مرنا
(صفحہ ۷۵)

شام طرف کا کیا پیانا — اب نسال طرف کوں جانا
(صفحہ ۸۱)

لیکن یاد خدا کی ھونڑا — وھی اوڈھنڑا وھی بچھونڑا
(صفحہ ۷۰)

دوجے سال دیا سب گہنا — بنا ناج کہو کیوں کر رھنا
(صفحہ ۱۰۹)

اس مصدر میں تصریف بھی ہوتی ہے لیکن اس کتاب میں یہ تصریف بہت کمی کے ساتھ نظر آتی ہے ، چناں چہ :

جب تو سارے یوسف آگے بہت عاجزیاں کرنے لاگے
(صفحہ ۱۱۷)

دیگر امثال

بھائی ایک جو ہم سوں لیجے اسے باپ کن جانے دیجے
(صفحہ ۱۱۷)

اس پر حق ہمارا آوے اب یو کہاں سو جانے پاوے
(صفحہ ۱۱۵)

رکھے خوانچے بھایوں آگے مہتر یوسف کہنے لاگے
(صفحہ ۱۱۳)

ایک روز مایوں بتلاوے کیوں نہ کھیلنے کوں توجاوے
(صفحہ ۲۶۵)

عیسیٰ کہو رسول الٰہی جیو دھونڈیکی گت یاھی
(صفحہ ۲۷۲)

جس مصدر کا عام رواج ہے وہ وہی ہے جو گوالیری اور راجستھانی میں مستعمل ہے - یہ مصدر صرف 'ن' پر ختم ہوجاتا ہے اور تصریف اس میں جاری نہیں ہوتی - مثالیں :

اس نیں پکڑ جگائے سارے یوسف آیا ملن تمہارے
(صفحہ ۹۳)

جب محبوب مصر مں آیا دیکھن کوں سب لوگ لبھایا
(صفحہ ۹۳)

یوسف کوں تم ڈھونڈھن جاؤ بن یامین کی بات چلاؤ
(صفحہ ۱۱۹)

آن پڑی بچھرن گھڑی دھری رھی سب باب هاتھ جھاڑ کیں اٹھ چلے نبی مبارک ذات (صفحہ ۱۲۸)

تو وہ صحی سراھن جو گا جیوں تو کہے سو ویسا ہوگا
(صفحہ ۱۲۹)

کسی کانوں میں رھن نپاویں سبھی تم گھیرتے ساتھے آویں
(صفحہ ۱۳۲)

کئی ایک دن کرن مزوری	بہت بار کھوں بھئی ضروری (صفحہ ۱۳۲)
شاید اس کے بیٹا ہو گا	پادشاہ کے مارن جو گا (صفحہ ۱۳۹)
مہتر موسیٰ اٹھ کر بھاگے	پیچھا پھرپھر دیکھن لاگے (صفحہ ۱۴۵)
موسیٰ ان سوں بوجھن لاگے	لیاؤ کیوں نہ تم بکریاں آگے (صفحہ ۱۴۵)
پھیر آدمی ملیں جو ویتے	لگے دول کا دھن کوں جیتے (صفحہ ۱۴۵)
یہ تو بی خدا کا پیارا	بھاری بوجھ نباھن ھارا (صفحہ ۱۴۷)
ہپا اژدھا ہو کر بھاگا	لکڑی رسی نکلن لاگا (صفحہ ۱۵۵)
ساروں نے جب چلن بچارا	لیا مانگ کر ابھرن سارا (صفحہ ۱۶۲)
تھا یوشع بن نون جو بیٹھا	وضو کرن پانڑیں میں پیٹھا (صفحہ ۱۷۶)
جب تم سوے رہے آس جاگا	میں اٹھ وضو کرن کوں لاگا (صفحہ ۱۷۶)
نئی ناؤ تیار کھڑی تھی	پار چاں کوں خوب بھری تھی (صفحہ ۱۷۸)
جب وہ بیٹا بوجھن آوے	ماں صاحب کو سوتی پاوے (صفحہ ۱۸۹)
دکا جیو جب نکلن لاگا	موسیٰ آسا لے کر بھاگا (صفحہ ۱۹۴)
بہت بار رو رو پچھتایا	دعا کرن حجرے میں آیا (صفحہ ۱۹۷)

هوں تیار میں تیرے آگے — جب جم جیو نکالن لاگے
(صفحہ ۲۰۰)

جب کلیم انسوں بتلائے — کیا تم آج ملن کوں آئے
(صفحہ ۲۰۲)

میں ہوں عزرائیل فرشتا — جیو لین کا رکھوں سرشتا
(صفحہ ۲۱۱)

دیس دیس سوں دنیا بھاگی — خلق ساری آون لاگی
(صفحہ ۲۳۸)

کہا لال میں لے کر بھاگا — موتھی کھول سو دیکھن لاگا
(صفحہ ۲۵۳)

آپ سمندر مانہیں پیٹھے — یعنے غسل کرن کوں بیٹھے
(صفحہ ۲۵۴)

ترت ویکھ ہم ساریاں بھاگیاں — دیکھ تماشا بوجن لاگیاں
(صفحہ ۲۵۶)

پری جن سب مونہہ کے آگے — تسلیمات بجاون لاگے
(صفحہ ۲۵۶)

دبلا ویکھ کسائی بھاگے — تجھے لین کوں جیو نہ لاگے
(صفحہ ۲۶۰)

کوئی ایک نہ آونڑ پاوے — نا کوئی قضیا جھگڑا لیاوے
(صفحہ ۲۶۳)

کہا ہم نہ یہاں کھیلن آئے — بھجن کار نے ہمیں بنڑائے
(صفحہ ۲۶۵)

انکوں کہا بلا کر سارے — اے کپڑوں کے دھوون ہارے
(صفحہ ۲۷۲)

بادشاہ کوں مارن لاگا — وہ بیحال پکارن لاگا
(صفحہ ۲۷۷)

افضل کے 'بارہ ماسے' میں بھی یہ غیر منصرف مصدر نظر آتا ہے مثلاً :

ملں پاچھے مجھڑناں بھی کٹھن ہے کہو اب زندگی کا کیا جتن ہے

دیگر

پیا بن سیج ری ناگن بھئی ری ہس کھیلن کی سب سودھ بودھ گئی ری

جعفر زٹلی کے ہاں بھی موجود ہے :

چوکی لکھیں اور حاضری ، کھاوں ساویں ساحری
سٹر چلاویں نساطری ، یہ نوکری کا خبط ہے

اسم فاعل

عربی فارسی اسم فاعل کے علاوہ جو بہت کم استعمال ہوئے ہیں ، ایسے ہندی اسم فاعل جو 'ونت' اور 'ار' پر ختم ہوتے ہیں ، بہت قلت کے ساتھ ملتے ہیں ۔ مثلاً 'بھاگونت' ۔ 'دیاوت' ۔ 'گنونت' ۔ 'سانونت' ۔ 'لحوںا' ۔ 'دھوںتا' ۔ 'سوںتا' ۔ 'آدھار' ۔ 'برادھار' ۔ 'دانا' ۔ 'کرنہار' 'کرہار' وغیرہ ۔ اسی طرح 'گوپال' ۔ 'پرنپال' ۔ 'گنی' ۔ 'دھنتر' ۔ 'بسیا' بھی ندرت کے ساتھ آئے ہیں :

ایک اور اسم فاعل ہے جو اسم اور 'والا' کی ترکیب سے بنتا ہے ۔ اس تالیف میں اگرچہ ملتا ہے مگر کمی کے ساتھ مستعمل ہے ۔ یہ اسم فاعل پنجاب سے تعلق رکھتا ہے جہاں وال اور والا کی صورت میں ملتا ہے ، حتیٰ کہ اس کے شہروں اور قصبات کے ناموں میں بھی موجود ہے ، جیسے ملکوال ، بگووال ، دھاریوال ، گوجرانوالا -

یہ 'وال' غزنویوں کے دور میں بلکہ شاید ان سے بھی پیشتر فارسی میں پہنچ گیا ہے 'کوتوال' (کوٹ وال) بہ معنی محافظ قلعہ ہندی الاصل ہے - اور فردوسی کے شاہنامے میں استعمال ہوا ہے :

چو آگاہ شد کوتوال حصار برآویخت با رستم نامدار

'نخچیر وال' بہ معنی شکاری ایک اور لفظ ہے جو فرخی کے دیوان میں موجود ہے :

نخچیر والان این مملکت را شاگرد باشد افزون ز بہرام

'والا' اسم فاعل کی بعض مثالیں اس تالیف سے :

بھیجا پانی کا دھن والا — اس نیں ڈول کوئے میں ڈالا
(صفحہ ۹۱)
نگہباں میرا رکھوالا — جیو جاں سب تجھے حوالا
(صفحہ ۱۰۱)
پیچھ وہ گیا میں رکھوالا — تیرے اونٹ چراون والا
(صفحہ ۱۳۰)
تھے جو دھاپکر پیوں والے — ہونٹھ ہو گئے ان کے کالے
(صفحہ ۲۱۷)
رسول آٹھا جب جپاڑونوالا — دیکھ نبی یہہ کھڑا گوالیا
(صفحہ ۲۲۵)
جب وہ بکریوں والا بوجھا — باغ برانا تجھے نسوجھا
(صفحہ ۲۵۲)
باغ سنبھالے بکریوں والا — سینچے جتن کرے رکھوالا
(صفحہ ۲۲۶)
دیکھ نبی کا نور اجالا — بول آٹھا وہ لکڑیوں والا
(صفحہ ۲۵۲)
اسی ٹھور اک مچھلی والا — جال سمندر میں جا ڈالا
(صفحہ ۲۵۵)
پھیر ہنسا وہ بیلوں والا — عورت بیٹھی کھائے نوالا
(صفحہ ۲۶۰)
جب وے ساریاں بکریاں لیاں — اسی باغ والے کوں دیاں
(صفحہ ۲۲۵)
بول اٹھے پھر آون والی — ہم بھی نہیں علم سوں خالی
(صفحہ ۲۵۰)

سات سو صفحوں کی ایک تالیف میں اس اسم فاعل کا استعمال اس قلت کے ساتھ ہونا بہ ظاہر تعجب خیز ہے ، کیونکہ 'والا' اُردو میں کثرت کے ساتھ آ رہا ہے مگر ان ایام میں اس کا رواج بہت کم تھا -

چنانچہ دکنی تالیف 'سب رس' میں جو ۱۰۴۵ھ میں لکھی جاتی ہے، بالکل نامعلوم ہے۔ 'تاریخ غریبی' میں جو اسم فاعل کثرت سے آ رہا، وہ راجستھانی مصدر پر 'ہارا' کے اضافے سے بنتا ہے۔ چنانچہ :

حافظ ہوے دنیا میں بھارے مصحف یاد سناون ہارے
(صفحہ ۱۵)

دیگر امثال

ناویں انگری پونٹھ بہارے درزی بھئے جو سیون ہارے
(صفحہ ۱۶)

بھئے انبیاء جگ میں سارے امت پار لنگھاون ہارے
(صفحہ ۱۶)

پسوڑا جن دیکھا غازی رانو دیکھن ہار نمازی
(صفحہ ۱۶)

اس نس کئے ملائک سارے حق کا حکم بجاون ہارے
(صفحہ ۱۴)

جو وے عرس اوٹھاوہارے اونکی سنڑو بڈائی سارے
(صفحہ ۱۹)

لکھ جائیں کیا سوچ بچارا وے پاپی میں بخشنہارا
(صفحہ ۲۰)

اسمیں پتھر بھرے ہیں سارے دوزخ آگ جلاون ہارے
(صفحہ ۲۶)

ہوئیں اسی کی صورت سارے حق کا حکم بجاون ہارے
(صفحہ ۳۰)

چاروں عرش اٹھاون ہارے چاروں بڑے ملائک پیارے
(صفحہ ۳۲)

اتنا کہہ کر گئی بچاری سوت کات کر بیچن ہاری
(صفحہ ۵۱)

قوم عاد کے مل کر سارے تھے وے بت کو پوجن ہارے
(صفحہ ۵۵)

ابـراهـیم خـلیل پـیارا　　جگ میں دین جگاون هارا
(صفحه ۵۹)

تها یعقوب غریب بچارا　　بکریاں پال چراون هارا
(صفحه ۷۹)

دوسرا اسم فاعل مصدر میں تصریف کے ساتھ ملتا ہے ، یعنی :

انگری درس برس جو دارے　　بهئے کتاباں لکهنے هارے
(صفحه ۳۱)

دیگر امثال

وے نماز جو کرنے هارے　　سہو خطا کچھ کریں بچارے
(صفحه ۱۷)

هیں جو آگ میں جلنے هارے　　ان کے دفتر اس میں سارے
(صفحه ۲۹)

جتنی خلق دنیا میں ساری　　جیو جنت سب هلنے هارئے
(صفحه ۳۱)

کہاں گئے تم عالم سارے　　میری میری کہنے هارے
(صفحه ۳۱)

اپنے ذکر کیے جو سارے　　کافر هیں سب جلنے هارے
(صفحه ۳۴)

اُمت هوئی نبی کی ساری　　کلمه طیب کہنے هاری
(صفحه ۳۴)

رهی اونٹڑیں وهاں بچاری　　تهی ایکانترے چرنے هاری
(صفحه ۵۸)

جو که کاهلی خود بچارے　　فجر دوگانا پڑهنے هارے
(صفحه ۷۰)

وهاں بسیں تهے کافر سارے　　سبهی گهاٹ تولنے هارے
(صفحه ۱۳۴)

سکهی هوے مظلوم دکهیارا　　دکهی هوے دکھ دینے هارا
(صفحه ۱۵۶)

جب وے سجدے کرنے هارے　　کریں عاجزی کهڑے بچارے
(صفحه ۱۷۱)

الغرض اسم فاعل کی یہ دو قسمیں ہیں جو اس تصنیف میں بہ کثرت ملتی ہیں۔

جملوں میں بے ربطی

آردو کے دستور کے برخلاف مصنف دو جملوں یا ایک ہی جملے کے اجزا کی ترتیب و تعلق قائم رکھنے میں کئی موقعوں پر بے ربطی سے کام لیتا ہے۔ حروف عاطفہ و استدراک اور ضمیر وغیرہ حذف کر دینے سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے اور اصل مفہوم کے سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ میں چند مثالیں دیتا ہوں:

جب دوڑے ملعون لئیم   جا کر پکڑے ابراہیم
(صفحہ ۶۰)

اس جملے میں ابراہیم فاعل بھی مانا جا سکتا ہے اور مفعول بھی جس سے معنوں میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ مصنف کا مقصد یہ ہے کہ ''تب کافر ملعون دوڑے (اور انھوں نے) جا کر حضرت ابراہم (کو) پکڑ لیا۔'' اب ظاہر ہے کہ اس جملے میں یہ بے ربطی حرف عاطفہ و ضمیر فاعلی و علامت فاعل و مفعول کے حذف کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔

مثال دیگر:

اسی تھور ایک مچھلی والا   جال سمندر میں جا ڈالا
(صفحہ ۲۵۵)

یہاں جملے کے دونوں ٹکڑوں میں ایک بے تعلقی پائی جاتی ہے۔ اگر 'مچھلی والا' کی جگہ 'مچھلی والے' اور اس کے بعد 'نے' علامت فاعل ہوتی تو مفہوم صاف ہو جاتا۔

مثال دیگر:

جب کلیم نیں زمیں پکاری   پکڑ لیے تینوں مرداری
(صفحہ ۱۸۵)

یہ شعر قارون اور اس کے ساتھیوں کے زمین میں اتارے جانے کے ذکر میں آتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب کلیم نے زمین (کو)

پکارا تب اس نے (یعنی زمیں نے) ان تینوں مرداروں (کو) پکڑ لیا ۔
خطوط ہلالی میں جو عبارت ہے وہ ادا ہونے سے رہ گئی ۔

مثال دیگر :

ہار ماندگی جب کچھو پاتا — مرکب ہو کر خوب چڈہانا
(صفحہ ۴۱)

یہ بیت عصائے موسوی کی تعریف میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ
جب عصا (حضرت موسیٰ میں) کچھ خستگی دیکھتا (تب) مرکب بن
کر (اپنی پشت پر آن کو) چڑھا لیتا ۔

مثال دیگر :

اور انگوٹھی لسیائے سادھ — سلیمان کے آئی ہاتھ
(صفحہ ۴۲)

دونوں مصرعوں میں ربط دینے کے لیے 'جو' درمیان میں آنا چاہیے۔

مثال دیگر

پیچھے سوں مریم کا پیالا — آ پہنچا جی کاڈھن والا
(صفحہ ۲۸۰)

یہ شعر حضرت مریم کی وفات کے بیان میں ہے اور مطلب یہ ہے
کہ حضرت عیسیٰ کی غیبت میں حضرت مریم کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا
اور جان نکالنے والا آ پہنچا ۔

مثال دیگر

ایک بات میں کہوں بھتیجا — لاجوں تو سوں نہیں کہی جا
(صفحہ ۳۳۲)

اس میں دونوں جملوں کے درمیان (مگر) حرف استدراک چاہیے ۔

مثال دیگر

کہا موت آئی تسو مر جا — خبر ہنسی کی موکوں کر جا
(صفحہ ۲۶۱)

دونوں مصرعوں کو ربط دینے کے لیے وہی حرف استدراک آنا چاہیے۔

مثال دیگر

پکڑ بھتیجا حونی پسازی — گردن مار کر دیا ماضی
(صفحہ ۱۹۰)

اور نقائص سے قطع نظر دونوں مصرعوں کے درمیان حرف عاطفہ 'اور' آنا ضروری ہے -

مثال دیگر

جو پہاڑ یہاں چل کر آیا ایک ایک پنہر پہنچایا
(صفحہ ٦٥)

دونوں مصرعوں کے درمیاں ضمیر غائب 'اُس' اور 'نے' علامت فاعل آنی چاہیے -

فاعل اور مفعول کی علامتوں کا حذف

اسی طرح فاعل اور مفعول کی علامتیں کئی موقعوں پر ترک کر دی گئی ہیں - بعض امثال :

یوسف نیں جب دیکھ بشارا بھائی یہودا ترت پکار'
(صفحہ ۱۲۸

یعنی یہودا کو -

اس کا میں جو لیا آدھارا دیا ھاتھ میں اس کے سارا
(صفحہ ۲۲۲)

'میں جو لیا' یعنی میں نے جو لیا -

فضل خدا نیں جب یوں کیا جو تیں مانگا سو ہم دیا
(صفحہ ۸۸)

یعنی جو تو (نے) مانگا وہ ہم (نے) دیا -

جب بلائے میرے پر آئی میں ضرور یہہ بات چلائی
(صفحہ ۹٦)

منجھے بھاگسی میں کیوں دیا میں کیا کہو تمہارا لیا
کاڑھ یہاں سوں منجھے ہلاؤ میں کیا کیا سو منجھے بتاؤ
(صفحہ ۱۰۳)

جب وے بولے بھائی گیارا ہم جو کیا لیا کہو تمہارا
(صفحہ ۱۱۳)

ان چاروں شعروں میں 'نے' علامت فاعل محذوف ہے -

جب طالوت فتح کر آیا انوڑیں کن داؤد بلایا
(صفحہ ۲۲۰)

جب خلیل آگ میں ڈالا جبریل نیں جاے سنبھالا
(صفحہ ۱۰۴)

کاروان اتری وھاں آ کر یوسف کا ڈھا ڈول لگا کر
(صفحہ ۱۱٦)

ترت عاج بن عوج بلایا اسے بات یوں کر سمجھایا
(صفحہ ۳۸)

ان چاروں شعروں میں 'کو' علامت مفعول محذوف ہے ۔

فعل کی فاعل و مفعول کے ساتھ عدم مطابقت

اُردو میں قاعدہ ہے کہ فعل لازمی ماضی میں اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے اور فعل متعدی بعض مستثنیات کے ساتھ مفعول کے مطابق ہوتا ہے اور اس کتاب میں بھی اسی قاعدے پر عمل درآمد ہے ۔ لیکن ایسے موقعے بھی بہت نظر آتے ہیں جب فعل نہ فاعل کے مطابق آتا ہے اور نہ مفعول کے ۔ میں کچھ مثالیں نقل کرتا ہوں :

نرب زلیخا کوں دھمکائی کہا تجھے کچھ لاج نہ آئی
(صفحہ ۹۷)

یہاں دھمکائی کا فاعل عزیز مصر ہے اور فعل بہ ظاہر اپنے مفعول زلیخا کے مطابق معلوم ہوتا ہے مگر اُردو کا قاعدہ ہے کہ جب جملے میں 'کو' علامت مفعول مذکور ہو تو فعل ہمیشہ واحد مذکر آتا ہے ۔ مثلاً 'عزیز نے زلیخا کو دھمکایا' اور 'زلیخا نے عزیز کو دھمکایا' پہلی مثال میں مفعول مؤنث ہے اور دوسری مثال میں مذکر ہے لیکن فعل ان کے ساتھ تطابق سے بے نیاز ہے ۔

مثال دیگر :

یہی سمجھ اک رانپڑ بلائی پاس بٹھا کر یوں سمجھائی
(صفحہ ۸۴)

اس شعر میں فاعل قارون ہے جو حضرت موسیٰ پر تہمت لگانے

کے لیے ایک فاحشہ عورت کو بلواتا ہے اور اسے سکھاتا ہے ۔ دوسرے مصرع میں 'اسے' یا 'اس کو' مقدر ہے اور فعل 'سمجھائی' بہ صیغۂ واحد مذکر ہونا چاہیے ، یعنی سمجھایا ۔

مثال دیگر

ایک نھانب پتھر کالیائے   بھے خلق نیں آسے اٹھائے
(صفحہ ۲۹۲)

'اٹھائے' اپنے مفعول 'اسے' کی مطابقت میں 'اٹھایا' چاہیے ۔

مثال دیگر

سوداگر سوں یوں بہلائے   یہ غلام جو تم نیں پائے
(صفحہ ۹۲)

برادران یوسف فاعل ہیں اور غلام مفعول ہے اس لیے اس کا فعل 'پائے' بہ صیغۂ واحد مذکر 'پایا' آنا چاہیے۔

میں نے یہ چار مثالیں مفعول کے ساتھ فعل کے عدم تطابق کی دی ہیں اور ایسی مثالیں کثرت کے ساتھ اس کتاب میں پائی جاتی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ملتا اور نہ قواعد میں کوئی ضابطہ پایا جاتا ہے ۔ کافی غور کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مصنف قافیے کی خاطر سے اس بے قاعدگی کا ارتکاب کرتا ہے ، جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے :

مثال دیگر

یوسف نیں جب حکم چلایا   زمین مصر کی خوب بسایا
(صفحہ ۱۰۹)

پچھلے مصرع میں فعل 'بسایا' اپنے مفعول (مؤنث) زمین کی مطابقت میں 'بسائی' آنا چاہیے تھا ، لیکن چوں کہ پہلے مصرع میں قافیہ 'چلایا' ہے اس کے تطابق میں 'بسائی' کا بسایا کر لیا ۔

لوک خدا کی طرف بلائے   بھانت بھانت کر ان کو سمجھائے
(صفحہ ۴۷)

دوسرے مصرع میں قواعد کی رو سے 'سمجھایا' آنا چاہیے لیکن پہلے مصرع کے قافیے کی بنا پر جمع میں لایا گیا ۔

مثال دیگر

رہے دیس برس گوال کہائے   بکریاں ان کیاں خوب چرائے

فاعل حضرت موسیٰ ھیں اور فعل 'چرائے' اپنے مفعول 'بکریاں' کی مطابقت میں 'چرائیں' آنا مگر مصرع اول میں قافیہ 'کھائے' جمع مذکر ھے ، اس کی بنا پر 'چرائیں' کی جگہ 'چرائے' لایا گیا ۔

مثال دیگر

جب صالح پیغمبر پیارے   دو رکعت کر وضو گزارے
(صفحہ ۵۵)

دو رکعت کی مناسبت سے فعل 'گزاریں' لایا جاتا لیکن قافیہ 'پیارے' تھا اس لیے 'گزارے' رقم کیا ۔ مطلب یہ ھے کہ وضو کرکے دو رکعت ادا کیں ۔

بعض اور مثالیں درج ھوتی ھیں :

بارا برس عمر جب پایا   اسے خدا نیں خواب دکھایا
(صفحہ ۸۳)

یعنی عمر جب (پائی) ۔

ان کیاں بکریاں پاس منگایاں   ایک ایک کوں خوب دھپایاں
(صفحہ ۱۴۶)

یہاں 'دھپایا' چاھیے ۔

اس لڑکی کوں لے کر آئے   موسیٰ کا لب اسے لگائے
(صفحہ ۱۴۱)

'لگایا' صحیح تھا ۔

جب اسحاق نبی آلھ بولے   جو کچھو بات ھوئی سو کھولے
(صفحہ ۸۱)

'کھولی' درست ھوتا ۔

کیتے برس شام میں رھے   ایک روز بی‌بی سوں کہے
(صفحہ ٦۴)

بروے قواعد 'کہا' آنا چاھیے ۔

بی‌بی بیٹی جو اول آئی   چھ بیٹے تو اس نے جائی
(صفحہ ۸۳)

یعنے (جائے) جمع میں آتا ۔

ترت خدا نیں اسے جلائی   الھی گور سوں باھر آئی

'جلایا' چاھیے۔

دنیا پر یوں حکم چلایا   حق کی سیدھی راہ بتایا

'بتائی' درست ھوتا کیونکہ راہ مؤنث ہے۔ (صفحہ ۴۴)

چھوڑیا روح روتے آئے   سارے جگ کا بھرم گنوائے

'گنوایا' صحیح ھوتا۔ (صفحہ ۸۹)

حق نیں قدرت یوں دیکھلائی   اسی دھار صندوق چلائی

'چلایا' درست ہے کیونکہ صندوق مذکر ہے۔ (صفحہ ۱۳۰)

آٹھ روز تک دودھ نہ پیا   اپنی انگلی مونہہ میں لیا

'انگلی منہ میں لی' درست ھوتا۔ (صفحہ ۱۳۱)

برس روز لگ پھر پھر آئے   کہیں ایک دن بیٹھا پائے

'بیٹھا پایا' صحیح ہے۔ (صفحہ ۱۵۱)

ترت ھاج سں عوج بلایا   اسے بات یوں کر سمجھایا

'بات سمجھائی' درست ہے۔ (صفحہ ۳۸)

اسے تخت پر سوتے پائی   ترت جائے چٹھی پہنچائی

(صفحہ ۲۳۲)

فاعل ھدھد ہے اور 'پائی' کا مفعول ملکہ بلقیس ہے اس لیے 'پائی' کی جگہ 'پایا' آنا چاھیے۔

بی بی سارا کن آنسولیے   وھاں کی بات جوتھی سب کھولے

'کھولی' درست تھا۔ (صفحہ ۶۴)

ان لوگوں نیں ھمیں چڑھائے   کر احسان نٹھا کر لیائے

'چڑھائے' کی جگہ 'چڑھایا' چاھیے۔ (صفحہ ۱۳۸)

بھینت وھاں اک ٹوٹی پائی   خواجہ خضر نیں اسے بنائی

'بنائی' کی جگہ 'بنایا' چاھیے۔ (صفحہ ۱۷۹)

میں نیں شیث خلیفہ کیا   اسے نبوت حق نیں دیا

گویا نبوت حق نے 'دی' (صفحہ ۳۲)

ایک لونکتی سامہیں آئی   عیسیٰ نیں اس کوں بتلائی

'بتلایا' چاهیے۔ یہاں بتلانا کے معنے بات کرنا هیں - (صفحہ ۲۷۵)

جب دونو یا هی بتلائے   بادشاہ نیں همیں بلائے

'بلایا' درست هوگا۔ (صفحہ ۱۵۳)

ذیل کی مثال ایک عجیب استثنا قائم کرتی هے :-

ایک نبی نیں اس کوں چاهی   کر نکاح لے گھر میں باهی

اردو کے محاورے کی رو سے دونوں جگہ فعل مذکر آنا چاهیے ، یعنے 'چاها' اور 'باها' -

نے کا استعمال :

قواعد کی رو سے 'نے' ماضی مطلق ، قریب ، بعید اور شکیہ میں فاعل کے ساتھ متعدی افعال میں آتا هے اور بعض مصادر لانا ، بولنا اور چلنا وغیرہ کے ساتھ نہیں آتا ، مگر همارا مصنف ان مصادر کے ساتھ بھی 'نے' استعمال کر رها هے - چنانچہ :-

'بولنے' کی مثالیں :

مہتر یوسف نیں جب بولے   مالک جھولے وهاں هنڈولے
(صفحہ ۹۶)

یوسف نیں جب بولا یاهی   منجھے خوار مت کرے الٰہی
(صفحہ ۹۵)

اس نیں بولا نبی خدا کے   همتو خانا زاد سدا کے
(صفحہ ۲۲۳)

جب رئیس نیں بولا یوں کر   کبھو کای وہ بولے کیوں کر
(صفحہ ۲۳۰)

اس نیں بول آٹھا جب یاهی   عجب هوا یو فضل الٰہی
(صفحہ ۳۱۲)

'لانے' کی مثالیں :

اس نیں شرع جو پرگھٹ لیایا   اس نیں اس کا بھید بتایا
(صفحہ ۵)

اس نے لیایا بھاری بوجھ   اس نیں لیا اسی کا کھوج
(صفحہ ۵)
یوشع نبی دل میں یوں لیایا   عجب تماشا منجھے دکھایا
(صفحہ ۱۷٦)

'چلنے' کی مثالیں :

بوڑھی نے جب لے کر تھیلا   چلی دعا کر پکڑا گیلا
(صفحہ ۲۲٦)
ایک ایک دونوں نے کہا کہ   چلے وھاں سوں شکر بجا کر
(صفحہ ۲۷٦)

ذیل کی مثال بھی عجیب معلوم ھوتی ھے ۔

دیکھ چیل نیں اس کو آئی   کہا گوشت کی بوہائی
(صفحہ ۲۵۲)

افعال

اس تصنیف میں افعال کی کئی قسمیں ایسی موجود ھیں جو اب آردو کے دائرے سے خارج ھیں ۔ بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ھے :۔

(۱) بعض قدیم زبانوں میں دیکھا جاتا ھے کہ امر ، حال ، مضارع ، مستقبل بلکہ مصدر کے لیے بھی ایک ھی فعل کام دیتا ھے ۔ اس کے کچھ آثار اس کتاب میں بھی نظر آتے ھیں اور تعجب کی بات یہ ھے کہ یہ خصوصیت صرف جانا ، کھانا اور جاننا وغیرہ مصادر سے متعلق ھے ، مثلاً جانا مصدر سے امر 'جا' اور مضارع 'جائے' ھے لیکن اس تالیف میں مضارع 'جا' واحد میں اور 'جاں' جمع میں آتی ھے ۔ اسی طرح کھانے سے مضارع 'کھا' اور جمع میں 'کھاں' آتا ھے ۔
مثلاً :

بیٹی سوں پھر یوں بتلائی   دیکھ کہاں جا تیرا بھائی
(صفحہ ۱۳۹)

یعنے کہاں جاتا ھے ۔ 'جا' یہاں مضارع بھی ھے اور 'حال بھی ۔

امثال دیگر :

مار طمانچہ اس کون برجا   کیا جانو موکی سون مر جا
یہاں 'مرجا' 'مرجائے گا' کے مفہوم میں ہے ۔   (صفحہ ۱۵۱)

سیر ناج دا ہے ایک لتا   ایک روز مر جا البتا
یعنی مر جائے گا ۔   (صفحہ ۲۱۸)

باغ پھیر کر ہو جا ایسا   پہلے تھا جیسے کا جیسا
یہاں 'ہو جا' ہوجائے مضارع ہے ۔   (صفحہ ۲۲۶)

ایسا گھونٹ جو کوئی پی جا   جس کی کیا تعریف کہی جا
'پی جا' پی جائے اور 'کہی جا' کہی جائے ہے ۔   (صفحہ ۲۳۴)

اولے سون بھی ٹھنڈا ہو جا   ایسے عقل اسي کی کھو جا
(صفحہ ۲۳۴)

پکھل پکھل دیکھے سون مر جا   جیونکر لونڈ میں پانڈیں بھر جا
(صفحہ ۲۸۳)

اگر اسے تولے جا پی ی   تیرے نعمت ہوئی نصیبی
(صفحہ ۳۱۸)

بھا خلیل کا سگا بھتیجا   ساروں میں یہہ نقل چلی جا
(صفحہ ۷۷)

مال اونمٹ میں چاھوں بھیجا   اگر مجھ تو دے لے جا
(صفحہ ۳۲۳)

جمع کی مثالیں :-

کلمہ کہہ کر سارے مر جاں   ترت نور سون قبراں بھر جاں
(صفحہ ۲۸۳)

اسی غار میں جیوں وے مرجاں   پھیر کدی نا اٹھ‌ڑیں گھر جاں
(صفحہ ۳۰۳)

کھوجھاڑجیونکہ تیوں ہو جاں   ڈال پھول پھل بھر کر سوجاں
(صفحہ ۲۹۴)

جیسیں ہو جاں گور اندھاری ان نینوں پڑ آئی کھاری
(صفحہ ۳۰۶)

کہاں کہہ سکیں اسکیاں باتاں اگر بیب جاں سب دن راتاں
(صفحہ ۳۳۹)

ڈوب ڈوب کافر سب مر جاں مومن خوشی خورمی گھر جاں
(صفحہ ۱۶۲)

سنڈیں بنی اسرائیل سارے ترب بھاگ جاں ڈریں بچارے
(صفحہ ۱۶۲)

دیکھیں اسکوں حمتیاں ساریاں غافل ہو جاں وہی بچاریاں
(صفحہ ۲۴۱)

اسی واسطے لاگے پیارا یہہ اجیر جو کھا جاں سارا
(صفحہ ۳۹)

ساتھ نکوئی گھیرن والے بیل چلے جاں الله حوالے
(صفحہ ۲۱۶)

کھانے کی مثال :

کھا مریض جو وہ نارنگی ہو جا اس کی دیہی چنگی
(صفحہ ۱۹۱)

دیگر :

کر کباب راکھے گھر ماہیں روز بھون کھاں بیٹھے واں ہیں
(صفحہ ۲۲۹)

جانے کی مثال :

اس میں پاھا جو کچھ چاھا وہی جان ہے کیا کیا پاھا
(صفحہ ۳۶)

دیگر :

کون کہہ سکے وا کی برنی وہی جان ہے۔ واکی کرنی
(صفحہ ۱)

دھرہ :

خلق کی صفت نہ کر سکے پاکی اپرم پار واکی واہی جان ہے جو کچھ کیا بچار

میں اس امر کی تشریح سے قاصر ہوں کہ ان مصدروں میں یہ خصوصی مضارع کیوں لایا جا رہا ہے ۔ مضارع کی یہ قسم راجستھانی سے تعلق رکھتی ہے جو ہریانی میں بھی استعمال ہو رہی ہے ۔ چناں چہ درد نامۂ محبوب عالم :

مرے پاچھے دکھ بہت تجھ پر پڑاں
صبر کیجو جب سر اوپر پڑاں

دیگر :

کہا یہہ خدا نے جو قرآن ماں   مرے نو محمد اور اے بھی مراں

(۲) مضارغ کی ایک اور قسم ہے جو برج اور اودھی میں ملتی ہے ۔ یہ مضارع امر پر ایک 'تے' کے اضافہ سے بنتی ہے ۔ چناں چہ :

اور بات ہم جانت ناہیں   پیالا پایا گونڑی مانہیں
(صفحہ ۱۱۷)

دیگر امثال :

داھنڑیں بانویں ہوے اشارا   گر ترور سب ویت بشارا
(صفحہ ۳۱۹)

پکڑ گود میں لیت بلیّا   کرے کھڑی یوں ہا ہا دیا
(صفحہ ۱۴۳)

بولا پھر وہی سن بات   جے توں دور نہیں ہو جات
(صفحہ ۹۷)

کھلک ہلک یاکی دو نیناں   جاسوں دیت جگت کوں سینا
(صفحہ ۲۸۰)

لالچ کام بکاوت سارے   نہیں لالچی حق کے پیارے
(صفحہ ۲۴۷)

یہی مضارع ماضی کے معنی بھی دیتا ہے ، جن میں حالیہ اور ماضی نا تمام زیادہ نمایاں ہے :

کوئی کرے تھی خدمت کاری   گھر آنگن [میں] دیت بہاری
(صفحہ ۱۴۰)]

دیگر امثال :

سبھی سہیلیاں بلبل گباں ایک ایک سب لیت بلیاں
(صفحہ ۱۴۰)

کئی بہت تھوڑوں نس مارے تھوڑے جیت زیادہ ہارے
(صفحہ ۲۱۸)

سب بہشت کیاں حوراں آیاں ویکھ ویکھ سب لیت بلایاں
(صفحہ ۳۱۴)

زرد برن کنچن جیوں سوہے ویکھت ہی من مورت موہے
(صفحہ ۱۸۹)

۲ - یہی مضارع 'ہے' کے اضافے سے حال بن جاتا ہے :

جا کارن کہہ سکوں نہ توکوں ہی لاج آوت ہے موکوں
(صفحہ ۳۳۲)

امثال دیگر :

جنب سوں کاڈھا آدم کوں اب گمراہ کرت ہے تم کوں
(صفحہ ۱۷۴)

وتنی اس کے تن پر نن سبکوں نرکھت ہے دن رین
(صفحہ ۳۱)

جانت ہیں سبھی پر بین جھلک جوت جاکی پاسین
(صفحہ ۲)

کوئی فتنآ کے بھی معنے کھول کہت ہیں ایسیں یعنے
(صفحہ ۲۵۱)

جاکارن کہہ سکوں نہ توکوں ہی لاح آوت ہے موکوں
(صفحہ ۳۳۲)

مذکورۂ بالا مضارع سے گویا مضارع اور ماضی کا افادہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی مضارع کا کام دیتا ہے اور کبھی ماضی کا ۔ افضل کے بارہ ماسے میں بھی یہ مضارع استعمال ہوا ہے ۔ چناں چہ :

اندھیری ہو چلی روت مری نین
نہیں یک دم مجھے دن رین میں چین

پیہا پیہ پیہ نس دن پکارا
پوکارت دادرو جھنگر چنگارا
کہ جس کے بیچھ پہ آنس پری رے
وھی دن رین سلگ ہے سر یرے
تم اوروں سے پیارے سکھ کرت ھیں
ھمن سی برھنی سود کھ بھرت ھیں

(۴) صرف امر باضافۂ 'گا' علامت مستقبل ، فعل استقبال بن جاتا ہے ۔ امثال :

بے شعور ھو جاگا ایسا
بنا جیو مردا ھو جیسا
کی شتاب تو ھی مر جاگا
کیا جو رونا تجکوں لاگا
(صفحہ ۱۱۸)

یہ ماروں زمیں میں جاگا
ھو بدبخت ھلاک ابھاگا
(صفحہ ۱۸۵)

اس میں بیٹھا آ کر بھاگا
ایسی بھانت نرب مر جاگا
(صفحہ ۲۶۶)

لیکن فتح سو ھوگی تیری
کھلک بھاگ جاگی بہتیری
(صفحہ ۳۴۱)

جمع کی مثالیں :

ڈوب ڈوب سب مر جانگے
ایک ایک غوطے سب کھانگے
(صفحہ ۳۸)

رسی چھری لیاؤ ھاتھ
لیجانگے ھم اپنے ساتھ
(صفحہ ٦۷)

کہا دوست کے گھر کو جانگے
وھاں جائے مہمانی کھانگے
(صفحہ ۷۳)

فجر بھوڑ جانگے سب بھائی
پھر یہ گھڑی منجھے کہاں پائی
(صفحہ ۹۲)

سولی پر اسکوں لیجانگے
وھاں پنکھیرو اسکوں کھانگے
(صفحہ ۱۰۳)

برس روز تو روٹیاں کھانگے
موسیٰ کے نزدیک نہ جانگے
(صفحہ ۱۵۸)

اتـنـا کیا تـو بخشے جانگے نہیں سـر جـوتیاں کھانگے
(صفخه ۱۷۳)

پڑی سانجھ اب ہم کہاں جانگے اور کہاں سوں کھا نڑا کھانگے
(صفحه ۱۷۹)

حیتی مار پڑے سو کھانگے ہمتو طرف خدا کے جانگے
(صفحه ۱۵۶)

(۵) ماضی میں ایک اور شکل ہے جو اسی مضارع سے ملتی جلتی ہے اور 'تھا' یا 'تھی' کے اضافے سے استمراری بنتی ہے۔ یہ بہت نادر ہے۔ صرف ایک مثال مجھے ملی ہے :

اور ایک دائی تھی ساتھی الف مدینه سوں جب جاتھی
(صفحه ۳۲۴)

(۶) معمولی مضارع ماضی استمراری کا کام دیتا ہے۔ بعض مثالیں درج ہیں :-

بدل بھیس بن کمری کاری پھریں گاؤنمیں شب بیداری
(صفحه ۲۲۱)

بیابان میں دونو رہتے کسکی سنیں نه انپڑیں کہتے
(صفحه ۲۲۸)

بی بی ساراں کہیں سو کرے حکم انوں کا دل پر دھرتے
(صفحه ۶۲)

پری جن اور دیو بچارے مسجد چنڑیں کماویں سارے
(صفحه ۲۶۲)

خوشی خوشی کیاں لہراں آویں کھڑے خدا کا شکر بجاویں
(صفحه ۲۶۳)

بڑا شہر کنعان جو خوب جہاں بسیں مہتر یعقوب
(صفحه ۱۱۰)

ایک باب بولیں داؤدی بھول رہی داؤدی اودی
(صفحه ۲۶۴)

کھڑے خوشی وہاں لیکر آسا دیکھیں چاروں طرف تماشا
(صفحه ۲۶۳)

واحد کی مثالیں :

سارا عالم حکم بجاوے   بے فرمانی کہیں نپاوے
(صفحہ ۲۶۳)

باد حکم میں فوج چلاوے   کہو جہاں بیگی پہنچاوے
(صفحہ ۲۶۳)

چلانسنگ بنڑیں سوں آوے   ہولے ہولے قدم اٹھاوے
(صفحہ ۲۵۲)

اس زمیں میں چمٹیاں ساریاں   رھیں بلوں میں سدا بچاریاں
(صفحہ ۲۴۱)

(۷) مضارع پر 'تھا' بڑھانے سے بھی ماضی استمراری بنتی ہے :

سلیماں پیغمبر پیارا   چلا جاے تھا لشکر سارا
(صفحہ ۲۵۸)

امثال دیگر :

کوئی کرے تھی خدمت گاری   گھر آنگن دویت بہاری
(صفحہ ۳۱۴)

اسے پڑکاویں نہیاں ہم سب ساریاں   یوسف جینا ہم سب ہاریاں
(صفحہ ۱۰۹)

گیاں بلوں میں چمٹیاں ساریاں   کاڑھیں تھیاں سامان بچاریاں
(صفحہ ۲۴۳)

مسلماں پاروس رھیں تھے   کافر ان کو برا کہیں تھے
(صفحہ ۱۵۷)

لوگ خدا سوں بہت ڈریں تھے   آپس میں احسان کریں تھے
(صفحہ ۳۲۳)

سنڑو وھاں کی کتھا کہانڑیں   لوگ بھریں تھے اس میں پانڑیں
(صفحہ ۱۴۵)

جہاں بسیں تھے ماتا بھائی   ملاقات کی من میں آئی
(صفحہ ۱۴۹)

(۸) مضارع کی ترکیب سے افعال مرکب :

کھاے چکیاں جب کھانڑاں ساریاں   سنو پھیر کیا کیاں تیاریاں
(صفحہ ۹۹)

دیگر امثال

نہاے دھوے دریا و کنارے　　بیٹھے تھے وھاں نبی پیارے
(صفحہ ۲۵۵)

بول اٹھاوے ھی دو روٹیاں　　لیاے دیاں سو پتلیاں موٹیاں
(صفحہ ۲۷۸)

سو اس کوں ہم لے کر آئے　　بادشاہ کـن لیاے بٹھائے
(صفحہ ۱۱۲)

جب گلاب کا شیسا لیائے　　مونہہ دھلاے کر یوں بتلائے
(صفحہ ۱۱۳)

سونے رھو تو ھو رکھ والا　　خوب سو چوکی دینے والا
(صفحہ ۴۱)

گھوڑا ھانک شتابی آیا　　پاس جاے کر یوں بتلایا
(صفحہ ۳۲۴)

کہا ہکاے یوں لنت چاکھو　　تھوڑا بیجہ واسطے راکھو
(صفحہ ۱۰۶)

وھاں جاے کر ھم شرمائے　　جانڑیں چور چور کر لیائے
(صفحہ ۲۴۹)

ھوے جائیں دو ٹکڑے میرے　　کوئی کہیں دو سانجھ سنویرے
(صفحہ ۷۱)

ایسی کری نہایت زاری　　روے تھکی پیدایش ساری
(صفحہ ۲۶۷)

(۹) افعال مزیدفیہ :

بیبیاں دوے سو بکریاں لایاں　　مردوں میں آتیاں شرمایاں
(صفحہ ۱۴۵)

دیگر امثال

بکریاں چار ھزار جو آیاں　　گھیو ڈال سب بھونیاں جاتیاں
(صفحہ ۲۳۷)

نہیں یہاں آویں گیاں فوجاں　　جیوں دریاو کیاں اپڑیں موجاں
(صفحہ ۲۴۹)

مرد برن جوتھیاں وے چیریاں　　کمر باندہ ٹھاڑھیاں بھتیریاں
(صفحہ ۲۴۹)

بیٹھ گیاں پانڑیں لے آگے　　جن کے لوگ تماشے لاگے
(صفحہ ۲۴۹)

وے تینوں اینہاں سرھانڑے　　دھریاں رھیاں سب اسی ٹھکانڑے
(صفحہ ۲۷۹)

کے بہشت میں ڈالیں جھولا　　کھڑیاں جلاویں جگ کا دولہا
(صفحہ ۳۱۷)

پال پوس دو چار برس کے　　لیا پہنچاتیاں کمی سرسکے
(صفحہ ۳۱۷)

کہیں نیستی میں سب خواری　　پھریں ڈھونڈتیاں دنیا داری
(صفحہ ۳۱۷)

تھیاں جو گوشت روٹی وے کھاتیاں　　کاٹ کاٹ نیبو بھرکاتیاں
(صفحہ ۹۹)

(۱۰) استعمال 'کر' - یہ 'کر' عاطفہ کے علاوہ اور معنوں میں بھی آتا ہے - امثال :

(ا) عاطفہ - مثال :

سنڑ کر اٹھا جو موسیٰ پیارا　　آسا پکڑ پتھر میں مارا
(صفحہ ۱۹۵)

دیگر

کر نماز سجدے میں جا کر　　دعا کری یہہ من میں لیا کر
(صفحہ ۱۹۸)

(ب) بہ معنی 'سے' - امثال :

کوئی روایت یوں کر لیائے　　اول دنیا میں دیو بنائے
(صفحہ ۳۵)

جب خلیل نیں بولا یوں کر　　میں مریض ہوں آؤں کیونکر
(صفحہ ۵۹)

کہیں باپ جب بولا یوں کر　　منجھے بتا تو دیسے جیوں کر
(صفحہ ۶۱)

دیکھ اسے پھر یوں بتلایا — کہہ تو آج کہاں کر آیا
(صفحہ ۲۱۲)

تیری دعا سبب کر پیارے — بخش دیے اے ہم نیں سارے
(صفحہ ۱۹۳)

بہت خوشی کر تجھ سوں لیونگی — جو تو مانگے سو ہی دیونگی
(صفحہ ۱۳۸)

کسی بھانت کر پیسا آؤ — دین ذوق سوں جا تو جاؤ
(صفحہ ۷۰)

باغ پھیر کر ہو جا ایسا — پہلے نہا جیسے کا جیسا
(صفحہ ۲۲۶)

تجھے نپٹ کر ایذا دیں گے — اختلاف اور جدہ کریں گے
(صفحہ ۳۴۱)

اسے لے گئے مل کر بھائی — جس کی پھر کر خبر نہ آئی
(صفحہ ۱۱۹)

جو حاکم کا حکم نہ مانے — اسکوں پکڑ پہلیں کر بھانے
(صفحہ ۲۳۲)

بوڈھا بنی جو باپ ھمارا — بھانت بھانت کر دکھی بچارا
(صفحہ ۱۱۷)

یہ شیطان جو ہے ابلیس — ات کر من میں آنے ریس
(صفحہ ۳۷)

(ج) بہ معنی 'پر' ۔ امثال :

ھر کوئی جو وھانکر آوے — سوداگر لے اسے بساوے
(صفحہ ۶۳)

کاروان جب وھاں کر آئی — ترت سیوڑے نیں سنڈ پائی
(صفحہ ۳۲۶)

نبی محمد یہاں کر آوے — اس پر بادل چھانہہ کراوے
(صفحہ ۳۲۶)

(د) میں کر = بذریعہ ، ذریعہ سے - مثال :

اب تیری کیا کروں بڑائی — ساقی میں کر عرض کرائی

یعنی ساقی کے ذریعے سے - (صفحہ ۱۰۴)

ایکوں کے سر دھڑ پر ناہیں — ہے سوراخ سو گردن ماہیں

اس میں کروے کھائیں جو ہوویں — اسی بھانت وے جگ میں جیویں

(صفحہ ۳۴)

(ہ) برابر و طرح - امثال :

بات نبی کی ایک نمانی — ساری جھوٹھ غلط کر جانی

(صفحہ ۵۷)

اس نیں کیا سو حق کر مانو — اپنی خیر اسی میں جانو

(صفحہ ۱۲۷)

ان مثالوں کے باوجود 'کر' کا استعمال ابھی اور بھی وسیع ہے :

لازمی و متعدی

کئی افعال جو آردو میں متعدی ہیں اس کتاب میں لازمی کی طرح برتے گئے ہیں اور کئی جو متعدی المتعدی ہیں متعدی مانے گئے ہیں - بعض مثالیں یہاں نقل ہوتی ہیں :

(۱)متعدی مثل لازمی :

جب نزدیک چل کافر آئے — دل میں مومن بہت ڈرائے

'ڈرائے' ، یعنی ڈرے : (صفحہ ۱۶۳)

دیگر امثال :

وهاں جائے دونوں ٹھہرائے — مہتر موسیٰ یوں بتلائے

'ٹھرائے' ، یعنی ٹھرے : (صفحہ ۱۷۶)

آپس میں یوں چرلاویں — زمین آسمان بھی لرزاویں

یعنی زمین و آسمان لرزیں : (صفحہ ۲۸۹)

یہاں نہ کھیلن کوں ہم آئے   بھجن کارنے ھـم اجائے
یعنی ابجے - 'سدا ہوئے' -   (صفحہ ۳۲۱)
ساروں میں یہہ جیو کر آیا   عجب بات یہ منجھے دکھایا
'دکھایا' یعنی دکھی (نظر آئی) -   (صفحہ ۱۴۰)
مسجد میں یوں ہوئے اجالا   جانوں سورج چاند نکالا
(صفحہ ۲۶۲)
پھر موسیٰ کن جب آئے   ھو غریب ایسی بتلائے
'بتلائے' یعنی بولے -   (صفحہ ۱۵۷)
گیہوں بھر کر گوڈاں لیائے   لاد لسود کر سبھی چلائے
یعنی چلے 'روانہ ہوئے' -   (صفحہ ۱۱۴)
سلیماں باھر سوں آئے   دوپڑے سوں یوں بتلائے
(صفحہ ۲۲۶)
پھر نبی کن دوڑے آئے   سو گند کھا کر دوں بلائے
(صفحہ ۱۵۸)
جب داؤد نبی لررائے   کیا حوف رو رو پچھتائے
(صفحہ ۲۲۴)
اسی وقت میں وحی جو آئی   سن سبھال موسیٰ کی مائی
(صفحہ ۱۳۸)
یہی بات آتھ بولی دائی   مں تو اس پر بہت لبھائی
(صفحہ ۱۳۸)
اس میں دیکھ مور شرمایا   ایی چھب در آپ لبھاینا
یعنی ریجھا -   (صفحہ ۱۴)
شہر مکے کن چل کر آئے   گھڑی ایک لک وہاں ٹہرائے
(صفحہ ۳۲۳)
اسی ٹھور وہ بادل پایا   اسی جھاڑ اوپر ٹہرایا
(صفحہ ۳۲۰)
ہو تم کون کہاں سوں آئے   ہمکوں تم جاسوس دیکھائے
(صفحہ ۱۱۱)

ویتا وهانسوں دور دیکھایا جب مردود بہت شرمایا
(صفحہ ۱٦۱)

(ب) متعدی المتعدی مثل متعدی ۔

شیث نبی کے بیٹا جایا اس کا نانو انوس دھرایا
دھرایا یعنی 'رکھا' ۔
(صفحہ ۴۳)

دیگر امثال :

کیا طاقت فرعون دھراوے تیرے اوپر ہاتھ چلاوے
(صفحہ ۱۵۱)

مدین نیں جو نگر بسایا مدین اس کا نانو دھرایا
(صفحہ ۱۳۴)

نبی هود کے بیٹا جایا سارو وغ جس کا نانو دہرایا
(صفحہ ۵٦)

هم کا ڈھیں نو باهر آوے نو نہ آپ میں سکت دھراوے
(صفحہ ۴٦)

ڈالیں جال سو مچھلیاں لیاویں پکڑ پکڑیوں ڈھیر کراویں
یعنی ڈھیر کریں ۔
(صفحہ ۲۷۲)

ایسا نیک کہاں پھر پاؤ بکریوں پر تم اسے رکھاؤ
یعنی رکھو ۔
(صفحہ ۱۴۸)

کیتوں کی یوں بھانت بتاویں هاتھی کی سی سونڈ رکھاویں
یعنی رکھیں ۔
(صفحہ ۳۴)

ہے جو دودھ پلایا بھائی اسی واسطے وہ رکھوائی
یعنی رکھی ۔
(صفحہ ۳۱۸)

دس هزار روتیاں واکھاتا کدی نہ اس کا پیٹ بھراتا
یعنی بھرتا ۔
(صفحہ ۴۸)

کہا وهی دونوں بتلاویں بت پوجا کو منع کراویں
منع کریں ۔
(صفحہ ۲۹۹)

کہا نبی عیسیٰ جو آیا — اس نیں ہم کوں بھیجہ دلایا
بھیج دیا ۔ (صفحہ ۲۹۸)

حکم ہوا تم جن اکتاؤ — چار یار کوں بھیجہ دیلاؤ
بھیج دو ۔ (صفحہ ۳۰۵)

یعنی دوئے فرشتے آئے — وے خدا نیں بھیجہ دیلائے
(صفحہ ۳۲۱)

مہتر عیسیٰ نے سنڈ پایا — ترت تیسرا بھیجہ بلایا
(صفحہ ۲۹۹)

یہہ نہیں ہاتھ کسی کے آیا — بڑے بھاگ جو تجھے ملایا
'ملا' ۔ (صفحہ ۳۱۸)

نا جوان نا بوڑھی لیاؤ — درمیان کی ذبح کراؤ
'ذبح کرو' ۔ (صفحہ ۱۸۷)

قافیہ

قافیے میں مصنف فن قافیہ کے قواعد و ضوابط کی پیروی نہیں کرتا بلکہ زیادہ تر صوتی اشتراک و مماثلت کی پابندی کرتا ہے ۔ 'س' کو 'ص' کا 'ز' کو 'ض' کا 'حائے حطی' کو 'ھائے ہوز' کا 'ت' کو 'ط' کا ہم قافیہ لے آتا ہے ۔ صحت الفاظ کی پروا نہ کرتے ہوئے 'طرز' کو 'گز' کا 'ہوی' کو 'ھوے' کا 'داب' کو 'ساتھ' کا 'صحی' (صحیح) کو 'وحی' کا کھلک (خلق) کو 'ملک' کا قافیہ لایا ہے ۔ ادھر 'ع' کو الف سے اور بعض وقت 'ی' سے بدل لیا ہے ۔ بعض وقت حذف کر دیا ہے ۔ مثال :

بھئے موذن کریں جاعت — پانچہ وقت کی بانگ صلواۃ
(صفحہ ۱۶)

یہاں مصنف نے جاعت کو 'جات' بروزن صلواہ پڑھا ہے ۔ غیر تعلیم یافتہ طبقہ آج بھی 'جات' بولتا ہے ۔

دیگر امثال :

جب نماز کی باندھی نیت — حق کی طرف کری جمعیت
(صفحہ ۱۷)

'ی' کو مشدد کر کے 'جمعیت' کا 'ع' گرا دیا ہے۔

اسے دیکھ کر کرے مطالا — اسی وقت دل ھو جا کالا
(صفحہ ۶۹)

الٹ گئے جب نذروں والے — کہا ہمارے پھوٹے تالے
'طالع'۔
(صفحہ ۲۴۹)

مسلمان مارو گے ھم سے — جیوں فعلت نفساً بالا مس
(صفحہ ۱۴۴)

چھڑی اوپڑہ بنا کر بھیس — کہا میں جو آیا ھوں عیص
(صفحہ ۸۰)

سنڑ فرعون جو ھو کر غصہ — کہا پکڑ لیاؤ تم اسے
(صفحہ ۱۳۵)

بادشاہ نیں بہت تلاش — کر کر یوسف سوں اخلاص
پاس بٹھائے ایک دن صحی — بات کھول کر ایسی کہی
(صفحہ ۱۰۸)

بی بی نیں جب ھو کر غصہ — دیا جواب کھول کر اسے
(صفحہ ۷۳)

کہا بھول جن کرو اداسی — یہی نشانی جانڑو خاصی
(صفحہ ۲۶۵)

کیا غریب ادنیٰ کیا خاصے — آئے سارے لوگ تماسے
(صفحہ ۱۵۴)

بھانت بھانت کری دلاسا — پھیر منگایا کھانا خاصا
(صفحہ ۱۴۷)

چاھے تمکوں یہی خلاصا — اول ان کی کرو دلاسا
(صفحہ ۱۴۶)

اگـــر نہ اس کا قـــول ربطنا　　کبھی بیٹا مـــارو مـــ نـــا
(صفحہ ۱۴۱)

بیٹا وہی جس بن حق راضی　　وہی جیت گیا سانچی دـــازی
(صفحہ ۱۳۵)

جب فـــرعون کمینا پـــازی　　بہت هـــوا ان سوں نـــاراضی
((صفحہ ۱۳۶)

جبرایـــل جـــو لیاوے وحی　　اس کی صدت سنو تم صحی
(صفحہ ۲۹)

آپ لعـــین کمینـــا پـــازی　　ڈرتـــا بھاگا هـــو کر ماضی
(صفحہ ۱۵۲)

ســـات اسمانکی سب ملکـــ　　اور ســـلاؤ ســـاری کھلک
(صفحہ ۳۳)

کھلک یعنی حلق کو بہ تحریک اول و دوم لایا گیا ہے ۔

یہہ میں تم کـــوں راہ بادی　　کہو کیا کرو گے من بعدی
(صفحہ ۱۲۸)

دل میں رکھو نہ غـــم کی بوی　　اب تم دیـــکھو کیا کیا هـــوے
(صفحہ ۸۹)

سونا تھا پھر ہوا سو کند (کندن)　　دیـــکھ لـــجـــائے ســـورج جند
(صفحہ ۳۶)

بھـــائی ســـارے آئے گھر کـــوں　　مہر یـــوسف چـــلے مصر کوں
(صفحہ ۹۳)

کہو بـــاب زن چلے هم ســـوں　　کیا کیا قول لئے نھے تم سوں
(صفحہ ۱۱۷)

یہاں غالباً 'م' کو بہ فتح اول لایا گیا ہے جیسا کہ راجستھانی میں دستور ہے ۔

یہـــاں ہمـــاوے ذکـــر ابوں کا　　لکھا لھول مـــدکـــور نبیوں کا
(صفحہ ۴۷)

اس میں 'نبیوں' کی 'ب' متحرک اور 'ی' مخلوط ہے۔ اور 'نبوں' بروزن 'انوں' آیا ہے۔

کنگرے کنگرے لاکھ قندیلاں ایتیاں جوریاں سنودلیلاں
قندیل بانون غنه بروزن دلدل آیا ہے۔ (صفحہ ۱۷)

عاد قوم تھی عجب طرز کی کہیں ایک سو اسی گز کی
'طرر' به تحریک 'را' بروزن غرض بندھا ہے۔ (صفحہ ۵۵)

دونوں حلے مبارک ذاب ھوا دیسرا یوشع ساتھ
معروف و مجہول کا قافیہ بھی بہت آتا ہے۔ (صفحہ ۱۷۸)

جا خلیل کے چرنوں لاگی اکھ پڑھائی بکھ یوں جاگے
اس میں فاعل حصرت سارا ھیں۔ (صفحہ ۶۱)

کھنجہ نکال ڈول بھر پانڑیں تو ھم دری غیرت جتانڑیں
گویا 'پانی' کا قافیہ 'جانیں' ھوا۔ (صفحہ ۱۳۶)

تھا ملعون کمر میں ڈوبا داندہ لیا من میں منصوبا
(صفحہ ۱۵۳)

بے قرار ھو کر چر لائے اب تو سوب کنارے آئی
(صفحہ ۱۸۶)

پہلے مصرع میں فاعل قارون اور اس کے دو ساتھی ھیں۔ جب زمین میں وہ گلے تک دھنس گئے ھیں۔

ایک ایک روتی تھی ایسی گاڑی کا پایا ھو جیسے
(صفحہ ۴۸)

لگی تیاس ھم کوں تیں جانڑے اب تم بیگ منگاؤ پانڑیں
(صفحہ ۱۹۵)

راجستھانی اثر

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت اس کا وہ عنصر ہے جسے ھم 'راجستھانی اثر' کے نام سے تعبیر کرتے ھیں۔ یہ اثر افعال تک میں سرائی ہے۔ 'جا'۔ 'کھا'۔ مضارع ، 'جانگا'۔ 'کھانگا'۔ مستقبل ، 'دیت'۔ اور 'لیت' قسم کی مضارع اور استمراری وغیرہ جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

اسی ذیل میں داخل ھیں ۔ ایک مستقبل جو امر پر 'ھی' کے اضافے سے بنتا ھے اور مارواڑی زبانوں میں رائج ھے ، اس تالیف میں بھی ندرت کے ساتھ مل جاتا ھے ۔ مثالیں :

حکم مان لے وھی اسرھی اور لوگ سب پڑ مرھی (صفحہ ۳۲۸)

'اسرھی' یعنے بچے گا ، رھائی پائے گا اور 'مرھی' = مریں گے ۔

جو نو بچن کہے سو کرھی ایسے مورکھ منت سدھرھی (صفحہ ۱۰۲)

کرھی = کرے گا ۔ سدھرھی = سدھرے گا ۔

سو تو سپا ھمارا پیارا جا کوں کدی نکرھوں نارا (صفحہ ۷۲)

کرھوں یعنے کروں گا ۔

محض میا نمری مس دھرھوں جوں گناہ سوں بھلس ابرھوں (صفحہ ۱۰۱)

دھرھوں = دھروں گا ۔ ابرھوں = بچوں گا ۔

ان کی نسنوں ابجن دے ھوں سرت گیان ان کے سب لیھوں (صفحہ ۷۰)

'دیھوں' ، 'لیھوں' یعنے دوں گا ، لوں گا ۔ اس مستقبل کی گردان ھے :

اومرھی ۔ بے مرھی (جمع غائب) تومرھی ۔ تھے مرھو (جمع مخاطب) ھوں مرھوں ۔ مھے مرھان (جمع متکلم)

'جے' خطابیہ جو امر پر بہ غرض تاکید لایا جاتا ھے ۔ پھر راجستھانی اثر معلوم ھوتا ھے ۔ امثال :

جب شہ کا تو ھوے حضوری کیجے میری عرض ضروری (صفحہ ۱۰۳)

اس کوں یہ بات بتاجے بجن ایک بھی اور سنڈاجے (صفحہ ۱۹۹)

اردو میں اس کا استعمال جو 'آپ' خطابیہ کے ساتھ مخصوص ھے ، بہت محدود کر دیا گیا ھے اور صرف چند افعال کے ساتھ جو زیادہ تر دو حرفی ھیں اور 'ی' پر ختم ھوتے ھیں ، ملتا ھے ؛ مثلاً دیجیے ، لیجیے ،

کیجے اور پیجے واحد حاضر ہیں اور دیجو ، لیجو ، کیجو اور پیجو جمع حاضر ہیں۔ دعائیہ 'ہوجیو' بھی اسی میں شمار ہونا چاہیے۔ مگر قدیم زمانے میں اس کا استعمال بہت عام تھا۔ گوجری میں اس کی ایک اور شکل جمع متکلم میں 'جیں' ملتی ہے۔ چناں چہ :

اپن گردن اوپر نا خون لیجیں یہ مطلب ہے پدرسوں دور کیجیں
(یوسف و زلیخا ، از امین گجراتی)

پہلی دو شکلیں یعنی 'جے' اور 'جیو' اس تصنیف میں بہ کثرت ملتی ہیں۔ بعض امثال تحریر ہوتی ہیں :

بیٹھ ہد سوں بتلاجے ایسیں میری بات چلاجے
(صفحہ ۳۲۹)

مہربانگی سوں توں رہجے پاس بلا کر اس کوں کہہ جے
(صفحہ ۱۹۹)

اس کوں اپنے پاس بلاجے بھانت بھانت کر سمجھاجے
(صفحہ ۸۱)

یوسف آگے سیس نواجے چرن لاگ کر ماف کراجے
(صفحہ ۹۷)

تو انسوں بہہ بھید چھپاجے ہرگز نا یو بات چلاجے
(صفحہ ۱۱۴)

خوب بھانت تو دودھ پلاجے ہمیں ساتویں دن دکھلاجے
(صفحہ ۱۴۲)

انکیاں بکریاں اول لاجے پانڈیں انکوں کاڑھ پلاجے
(صفحہ ۱۴۶)

کہا اسے تو ساتھ لیاجے گردن پکڑ شتابی آجے
(صفحہ ۱۸۹)

جو میں کہوں سو اوھی کیجے موسیٰ کے سر تہمت دیجے
بھری سبھا میں سنمکھ[1] آجے کھڑی سامنے ہو بتلاجے
(صفحہ ۱۸۴)

۱- سنمکھ=آمنے سامنے (مرتب)

فضل کرم کر جو بنجاجے — میرا منجھسوں آن ملاجے
(صفحہ ۱۳۹)

کہا پھیر مت کھول دکھاجے — خبردار ھو کر لجاجے
(صفحہ ۲۵۳)

کہا بھلا پنڑ جھوٹ نہ کہہ جے — اور سو منانے جیوں رھجے
(صفحہ ۷۵)

اس کا ناتو محمد دھرجے — جو ھم کہیں سو واھی کرجے
(صفحہ ۳۱۲)

جو کچھ مانگے اسے کھلاجے — خدمت گاری خوب بجاجے
(صفحہ ۳۲۵)

اب ھم کہیں سو ھی تو کجے — اور بات کا بانو نہ لیجے
(صفحہ ۹۲)

کہا یہہ بات کسے نہ کہہ جے — بلک آپ چپکے ھو رہ جے
(صفحہ ۳۳۹)

دہاور کھیل شکار لاجے — دیتوار کوں نیو دلاجے
(صفحہ ۲۱)

بنا حکم میرے مت دیجے — جو میں کہوں سو واھی کیجے
(صفحہ ۱۸۹)

خبردار یہہ کام نکیجے — پھر بہست کا نانوں نہ لیجے
(صفحہ ۲۰۳)

'جے' ان مثالوں میں 'نا' تاکیدی کا کام دیتا ھے ۔ ابیات آئندہ میں خطابیہ نہیں بلکہ یا تو مجہول ھے یا متکلم بحالیکہ صیغہ مذکور نہ ھو :

اسے چھوڑ کر کیونکر جاجے — بھلا اسے اب کھول بتاجے
(صفحہ ۲۹۱)

'جاجے' اور 'بتاجے' یعنی جائیے اور بتائیے یا جایا جائے اور بتایا جائے ۔

کہا پڑھا نہیں کیسیں کیجے — بنا علم کیا اوتر دیجے
(صفحہ ۳۴۰)

یہ شعر آیۂ کریمہ ''اقرأ باسم ربک الذی خلق'' کی تفسیر میں آتا ہے۔ قائل رسول اللہ ہیں اور مخاطب حضرت جبرئیل ہیں۔
'کیسیں کیجے' = کس طرح کیا جائے۔ (کیا کروں)
اوبر دیجے = جواب دیا جائے (جواب دوں)۔

کیا شہار دانڑونکا کہہ جے   بھلا یہی آپ چپکا رھجے
(صفحہ ۱۹۱)

'کہجے'، 'رھجے' یعنی کہیے اور رہیے (کہوں اور رہوں)۔

کیا کہو دل کیونکر دھوجے   کیونکر اس کی کالک کھوجے
یعنی دل دھویا جائے اور کالک کھوئی جائے۔ (صفحہ ۲۷۲)

آنے والی مثالوں میں 'جے' 'یے' کا قائم مقام ہے 'ی' 'جیم' سے بدل جاتی ہے۔

بہت چاھجے تو وھاں جاؤ   جو منانیں سو بھر پاؤ
'چاھجے' یعنی چاہیے۔ (صفحہ ۳۳۴)

پیادا چلوں منجھے ہو خواری   منجھے چاھجے اب اسواری
(صفحہ ۲۵۷)

مال بینچھ کر پیسے کیجے   تجھے چاھجے سو تو لیجے
'تجھے چاھجے' = تجھے چاہیے۔ (صفحہ ۳۳۳)

ذیل کی مثال دعائیہ مانی جا سکتی ہے۔

آیسا کدی نہوجے سارے   جیسا میرا میاں ھوارے
'نہوجے' یعنی نہ ہوجیو۔ (صفحہ ۲۶۱)

'جیو' جمع مخاطب ذیل کی مثالوں میں آیا ہے:

سارے اس کے تابع رھجیو   جو کچھ کہے سو کرجیو کہجیو۔
(صفحہ ۳۲)

پاس ھاجرا کے مت جاجیو -   دوڑ بیٹھ کر سدتو بٹلاجیو -
(صفحہ ۹۴)

اپنے دل میں نہچا کیجیو ‏ ‏ مستقیم ہو کر جی دیجیو
(صفحہ ۱۴۲)

قدم راہ پر ثابت دھرجیو ‏ ‏ جو کچھ خدا کہے سو کرجیو
(صفحہ ۱۲۷)

اس پر تم ایمان لیاجیو ‏ ‏ اس کے چرنوں سیس نواجیو
(صفحہ ۲۸۳)

اسکے پانووں پیڑیاں دیجیو ‏ ‏ بہت نگہبانی تم کیجیو
(صفحہ ۹۲)

دعائیہ کی مثال :

سب کوں اللہ نیکی دیجیو ‏ ‏ خیر عاقبت ان کی کیجیو
(صفحہ ۸۵)

یو ، نو ،موضاپُر اور یا ، وا ، جا اشاریہ کے علاوہ ایسے الفاظ جن کا ثانی حرف علت ہے اور اردومیں بہ تخفیف بولے جاتے ہیں ، راجستھانی کے ذخیرے سے تعلق رکھتے ہیں ۔ مثلاً آجھا (اچھا) ۔ پاچھا (پیچھا) ۔ باجا (بجا) ۔ گاجا (گرجا) ۔ جاگا (جگہ) ۔ لاگا (لگا) ۔ سانچا (سچا) ۔ پھاٹا (پھٹا) ۔ پایا (پہیا) ۔ کھاندے (کندھے) ۔ راکھا (رکھا) ۔ چاکھا (چکھا) ۔ گھابرا (گھبرایا) ۔ بیاکل (بیکل) ۔ باجھی (بجھیا) ۔ پیادل (پیدل) ۔ چھات (چھت) ۔ مانت (منت) ۔ نانھیں (تئیں) ۔ نانھیں (نہیں) ۔ سانکڑی (سکڑی) ۔ ماٹی (مٹی) ۔ لانکڑی (لکڑی) ۔ موکی (مکا) ۔ بوڑھا (بڈھا) ۔ ٹوک (ٹکڑا) ۔ اوکڑو (اکڑو) ۔ موٹھی (مٹھی) ۔ سودھی (سدھ) ۔ پیسو (پسو) ۔ دیسنا (دکھنا) ۔ ڈیگانا (ڈگانا) ۔ دیکھلانا (دکھلانا) ۔

لیکن سب سے اہم وہ ذخیرہ ہے جو راجستھانی زبان کے الفاظ اور محاورات کی شکل میں ملتا ہے ۔ یہاں بعض ایسے الفاظ مع مثالوں کے درج کر دیے جاتے ہیں :

کانی=طرف : ‏ ‏ دیتوار اور جمعہ جو آوے
مشرق کانی کوچ کراوے (صفحہ ۲۲)

نیکا=اچھی طرح ، اچھا : ‏ ‏ بدن مبارک نور نبی کا
جدا جدا دیکھا سب نیکا (صفحہ ۱۵)

سگل[1] (سگلا) = سب، تمام: سورج چـانـد ستارے سارے
کہیں پیر کوں سگل سنوارے (صفحہ ۲۱)

بھاور = سنیچر: بھاور کھیل شـکار لیاجـے
دیتوار کـوں نـیـو دلاجـے (صفحہ ۲۱)

آچھا = اچھا، سعد: ایـک پہـر سـو آچھا بولیں
بہت مبارک ساعت کھولیں (صفحہ ۲۴)

گیل (گیلا) = راستہ: بھیجا ایـک خـدا نیں بیل
لـیـا یـا گھیر فرشتا گـیـل (صفحہ ۲۵)

بڈاپا = بڑائی: ایـسـا اس کا لکھا بـڈاپـا
بـرس پـانسو راہ مـتـاپـا (صفحہ ۲۵)

بوڈنا[2] = ڈوبنا، تباہ ہونا: مسلـمان بھئے مومـن پیارے
اور بوڈ گئے مگد گنوارے (صفحہ ۳۴)

ریس = غصہ: یـہ شیطان جـو ہے ابلیس
ات کـر مـن میں آنی ریـس (صفحہ ۳۷)

گھابرا[3] = گھبرایا اور گھبرایا ہوا:
دشمن کوں دکھ ایسا لاگا
پھرے گھابـرا روتـا بھاگا (صفحہ ۳۷)

بور مانا = پھسلانا، سکھلانا:
گیہوں لیا نـوڑ کـر کھایـا
آدم کوں جاکـر بھرمـایـا (صفحہ ۳۹)

چھلوٹ = چھلکا، پوست: کسی کسی کا مـغـز نکالیں
کہیں چھلوٹ کسیکا ڈالیں (صفحہ ۳۹)

---

۱ - اس کی ایک اور صورت 'ہگلا' بھی راجستھانی میں مستعمل ہے جس میں 'س' 'ہ' سے تبدیل ہو گیا ہے - (مرتب)

۲ - پنجابی میں 'بڈنا' یعنی بہ تخفیف 'واو' مستعمل ہے - (مرتب)

۳ - 'گھابرنا' مصدر پنجابی میں بھی استعمال ہوتا ہے - (مرتب)

راچھا[1] = اوزار :
لوھا کاڑھ پہاڑوں سیتی
راچھ کر دیئے کرے جو کھیتی (صفحہ ۴۱)

رسانا = غصہ ھونا :
دوڑ کاگ کھیتی پر آویں
آدم ان پر بہت رساویں (صفحہ ۴۱)

بلنبا = پہنچا :
ایسا اوچا تھا وہ لنبا
سر اکاس کوں جائے بلنبا (صفحہ ۴۸)

جھلکانا = چمکانا :
نانو انبیا سب جھلکائے
ایک ایک تختی پر بائے (صفحہ ۴۹)

مسکری = مسخرگی :
سنڑیں کافروں نیں جب بھاگے
ھسی مسکری[2] کرنے لاگے (صفحہ ۴۹)

سودھی = سیدھی :
ابری ناؤ جہاں تھی جودھی
یعنی وھی پہاڑی سودھی (صفحہ ۵۲)

پوٹھی ھونا = بار آنا ، باز گشت کرنا ، پشت کرنا ، الٹنا :
بھئی استری ایسی جھوٹی
کدی کفر سوں ھوئی نہ پوٹھی (صفحہ ۵۳)

سامہیں = سامنے ، آگے :
نبی پاس دنیا جو آتی
انکوں سامہیں جا سمجھاتی (صفحہ ۵۳)

ٹیبا = ٹیلہ :
جہاں حدا کا گھر اب دھرا
تھا بالو کا ٹیبا بھرا (صفحہ ۵۶)

باو = ھوا :
ٹھنڈی باؤ سخت یوں باجی[3]
ھوے ھلاک منافق پاجی (صفحہ ۵۶)

---

۱ ۔ پنجابی میں 'رچھ' ۔ (مرتب)
۲ ۔ سندھی میں بھی مستعمل ھے ۔ (مرتب)
۳ ۔ راجستھانی میں ھوا کے چلنے کے لیے 'باجنا' مخصوص مصدر ھے جیسے فارسی میں 'وزیدن' اور انگریزی میں To Blow ۔ (مرتب)

ایکانترے[۱] ، اکانترے = ایک دن بیچ :

رھی اونڑیں وھاں بجاری
بھی ایکانترے حرنے ھاری (صفحہ ۵۸)

نستارنا = نجات دینا ، پار اتارنا :

خبر نہیں جو ان کو ماریں
اسے نمکوں کیونکر نستاریں (صفحہ ۶۰)

بیگے = جلد : کہا اسے بھی لے کر جاؤ
ڈال آگ میں بیگے آؤ (صفحہ ۶۱)

کھوسنا[۲] = چھین لینا : اس کافر نے ظلم کیا تھا
اس بی بی کوں کھوس لیا تھا (صفحہ ۶۲)

جایا = جنا : فضل خدا کا ایسا آیا
بی بی نیں وھاں بیٹا جایا (صفحہ ۶۳)

کلیک = خرابی : یہ قصاص ان سوں میں لیونگا
ان میں بہت کلیک کرونگا (صفحہ ۶۸)

للاٹ = پیشانی ، ماتھا :

اپڑ جانا[۳] = ادھڑ جانا : کوئی کسیکوں دے جو دمڑی
اپڑ جائے سب مری چمڑی (صفحہ ۷۱)

گھالنا = ڈالنا : جو زکواۃ کسوں نہیں نکالے
کام آج کا آگے گھالے (صفحہ ۷۲)

دھول باھنا = خاک ڈالنا : جا رے بوڑھے نامعقول
تیرے مونہہ میں باھوں دھول (صفحہ ۷۳)

---

۱ - راجستھانی میں 'آنترے' کے معنی الگ و دور کے ھیں - باری کے بخار کو بھی 'اکانترا' کہا جاتا ھے - (مرتب)

۲ - پنجابی میں 'س' 'ہ' سے تبدیل کر دیا گیا ھے - (مرتب)

۳ - اس کا متعدی 'اپاڑنا' بہ معنی 'ادھیڑنا' و 'اکھیڑنا' مستعمل ھے - (مرتب)

سارا=قابو ، بس : من سو ہوں مسکین بچارا
میرا نہیں رہا کچھ سارا (صفحہ ۷۵)

سانکڑی=سکڑی : ہیم گلی ات سانکڑی جہاں ہماوے
بال
لوکوں لاوے لاکڑی کون کانو
کی چال (صفحہ ۷۶)

برجنا[1]=منع کرنا ، روکنا : تجکوں بھی حق دے گا درجا
وہ نا رہے کسی کا برجا (صفحہ ۸۱)

آنٹے بانٹے=الٹے سیدھے : سب نگری کے جھگڑے جھانٹے
کہیں آپ میں آنٹے بانٹے (صفحہ ۸۴)

لیالی=بھیڑیا : کوئی باگھ بگھیرا لیالی
یوسف کوں جو پاوے خالی (صفحہ ۸۶)

نیارا=الگ ، علٰیحدہ : تو ہے مرا بیٹا پیارا
کہاں چلا اب ہو کر نیارا (صفحہ ۸۷)

آڈے=آڑے ، آڑ میں : جب یعقوب نظر سوں آڑے
ہوئے جو منمیں بھیاں سو کاڑے (صفحہ ۸۸)

بھایپ=بھائی بن ، اخوت ، برادری :
جیو جاں سوں خدمت کروں
بھایپ کا دعویٰ نا دھروں (صفحہ ۸۸)

بوڑا[2]=بہرا : ایک حسد نیں ایسے باندھے
کانوں بوڑے آنکھوں آندھے (صفحہ ۸۹)

لوھی=لوھو ، لہو : لوھی سوں بھر کر سب جاما
کیا جھوٹ کا سارا ساما (صفحہ ۸۹)

---

۱ - پنجابی میں 'ورجنا' - (مرتب)
۲ - پنجابی میں 'بولا' - (مرتب)

آئمان=اندازہ ، قریب : مہتر یوسف ہوئے جوان
بیس پچیس برس ائمان (صفحہ ۹۴)

لار=پیچھے : اتنا بول سو اٹھ کر بھاگے
لار زلیخا یوسف آگے (صفحہ ۹۵)

ترت=جھٹ : ڈری زلیخا خاوند سیتی
تہمت ترت اٹھائی ایتی (صفحہ ۹۵)

ٹابر[1]=بیوی ، اہل و عیال :
دیکھ دلیری اس کا ھیا[2]
تیرے ٹابر سوں کیا کیا (صفحہ ۹۶)

چھانی[3]=خفیہ ، پوشیدہ : آخر پرگھٹ ھوئی کہانی
کون بھانت کہو رہتی چھانی (صفحہ ۹۷)

لوگ لگائی=مرد عورت : بھنک تاہ سروں میں آئی
اٹھے بول یوں لوگ لگائی (صفحہ ۹۷)

روج=گریہ ، رونا : لانبا روج گیت جیوں گایا
پہلے اس نیں راہ چلایا (صفحہ ۳۸)

۱- پنجابی میں ٹبر - (مرتب)

۲ - 'ھیا' راجستھانی میں کئی معنوں میں مستعمل ہے ؛ مثلاً دل ، دماغ ، روح ، جان - اسی نسبت سے عقل و ھمت وغیرہ کے معنوں میں بھی آتا ہے - اس سے کئی محاورے بن گئے ہیں مثلاً 'ھیا پھوٹنا'=دماغ خراب ہونا (مجازاً) 'ھیے کی پھوٹنا'=اندھے ہونا (مجازاً) 'ھیا پھٹنا'=دل پھٹنا (خوف و دھشت اور رنج و غم سے) - موخرالذکر محاورہ اس مکرنی میں بھی استعمال ہوا ہے جو حضرت امیر خسرو سے منسوب ہے :

سگری رین موہے سنگ جاگا بھور بھئی تو بچھڑن لاگا
اس کے بچھڑے پھاٹت ھیا اے سکھی ساجن؟ نا سکھی دیا

(مرتب)

۳ - ملاحظہ ہو محاورا 'چھپکے چھانے' - (مرتب)

ہبٹا ڈالنا = ہاتھ ڈالنا ، دست درازی کرنا :

آپ غلام جو گھر میں پالا
اس کے اوپر ہبٹا ڈالا (صفحہ ۹۸

رانڈ = رنڈی ، چھنال (گالی کے طور پر) :

جاری رانڈ خدا کی ساری
پنچوں کی ڈالی پھٹکاری (صفحہ ۹۸

بھاگسی = قید خانہ : منجھے بھاگسی مین لیجاوے
ان رانڈوں سے گیل چھڈاوے (صفحہ ۱۰۰

کلہ کلیس = دکھ اور جھگڑا :

ایسیں ہوتا دور الہنا
کلہ کلیس مٹے سب کہنا (صفحہ ۱۰۲

بندوا = بندی ، قیدی : گیا بھاگسی میں جب پیارا
ہوا بندوا راضی سارا (صفحہ ۱۰۲

دالدر = دلدر ، مصیبت ، نحوست :

ان کے سبھی دالدر گئے
آتر نہوے سو آنند بھئے (صفحہ ۱۰۲

جھاڑا لینا = تلاشی لینا : تم ساروں کا جھاڑا لیں گے
پھیر سزا ہو گی سو دیں گے (صفحہ ۱۱۴

کھوٹے دن = برے دن : تم کوں اب کھوٹے دن لاگے
کیوں کر نچو ہمارے آگے (صفحہ ۱۱۶

آننا = لانا : جو مل بچھڑا ہو سو جانے
اور نہ کوئی من میں آنے (صفحہ ۱۱۸

بار = دیر : کئی ایک دن کرن مزوری
بہت بار کہوں بھئی ضروری (صفحہ ۱۳۲

روس = غصہ : یوں بچار سوگند اتارو
روس ریس سب من تیں ڈارو (صفحہ ۱۳۴

کھاتی=بڑھئی : مہتر موسیٰ کی جب مائی
کھاتی کے گھر چل کر آئی (صفحہ ۱۳۸)

بری گار=خراب مٹی کا ، بد سرشت ، بد طینت :
بـری گار تو ہے بـد پیشا
جہاں تہاں لڑے ہمیشا (صفحہ ۱۴۴)

گوال=گوالا ، مگر یہاں مقصد گڈریا ہے :
رہے دس برس گوال کہائے
بکریاں ان کیاں خوب چرائے (صفحہ ۱۴۸)

گل کنٹھ لگانا=گلے لگانا : بھائی سامھیں ملا جو آ کر
کیا ھیب گل کنٹھ لگا کر (صفحہ ۱۵۱)

رضا دینا=اجازت دینا ، رخصت کرنا :
موسیٰ کوں دے رضا چلائے
بـپڑے آدمـی پـاس بلائے (صفحہ ۱۵۳)

اوکھد=دوا : بہت دور میں رسی لیا کر
ڈالی اوکھد عجب لگا کر (صفحہ ۱۵۵)

اپوٹھے[۱]=برگشتہ ، پھرے ہوئے ، لوٹے :
رہے قول سوں کافر جھوٹے
نہیں کفر سوں ہوئے اپوٹھے (صفحہ ۱۵۷)

لار چھپڑانا=پیچھا چھڑانا : قول کیا ایمـان لیاویـں
اگر جنوں سوں لار چھپڑاویں (صفحہ ۱۵۸)

جاتے بیلاں=جاتے وقت : جنواں گیاں جب اٹھ کر بھاگے
جاتے بیـلاں کـہنے لاگے (صفحہ ۱۵۸)

چمٹی=چیونٹی : ایسی جـوت جھلک جھمکائی
چمٹی وھاں نہ ڈھونڈی پائی (صفحہ ۱۶۷)

---

۱ - پنجابی کا لفظ 'پٹھا' بہ معنی الٹا غالباً اسی کی ایک شکل ہے -
(مرتب)

ارادہ رکھنا = دوستی اور یارانہ رکھنا :

اسے علم ہے تجھ سوں زیادہ
سیکھو جا کر رکھو ارادا (صفحہ ۱۷۵)

نگوڑا = نگوڑا ، نکما ، ناکارا :

کھڑا اکیلا اس کوں چھوڑا
جدا رہ گیا آپ نگوڑا (صفحہ ۱۷۵)

ٹھیک پاڑنا = پتا چلانا ، خبر لگانا :

ٹھیک پاڑ دے اس کا سارا
یہہ سوداگر کس نیں مارا (صفحہ ۱۸۷)

باجنا = کہلانا ، موسوم ہونا ، مشہور ہونا :

عاج عنی کا بیٹا باجے
بات کرے بادل جیوں گاجے (صفحہ ۱۹۱)

جام پھل = امرود ، سفری :

جنے جام پھل جا کر کھایا
ہو خوشیال من میں سکھ پایا (صفحہ ۱۹۱)

بھرم ڈبونا = اعتبار کھونا ، ساکھ گنوانا :

امر تمانا کھاڈا کھویا
اپڑاں سارا بھرم ڈبویا (صفحہ ۱۹۵)

رانڈ[1] = عورت ، بیوی : اس بندے کی رانڈ کمینی
جس کے من میں تھی بیدینی (صفحہ ۱۹۶)

تیاس = پیاس : لگی تیاس ہم کوں نیں جا نڑیں
اب تم بیگ منگاؤ پانڑیں (صفحہ ۱۹۵)

سارے ہونا = قابو چڑھنا : گیا رانڈ کے ہو کر سارے
دیکھے دوی بھونگم کارے (صفحہ ۱۹۸)

---

۱ - عورت یا بیوی کے لیے حقارتاً استعمال کیا جاتا ہے - (مرتب)

گوڈنا=گودنا :
اوجھوں میری لار نچھوڑے
بھانت بھانت کر منجکو گوڑے (صفحہ ۲۰۰)

بیر لانا=دیر لگانا :
یہہ سنڑ کر عزرائیل بھائی
ترت اٹھ چلے بیر نہ لائی (صفحہ ۲۰۴)

تھرسلنا=تھرانا ، لرزنا ، تھرتھرانا ؟ :
بے شمار برسیں یوں تیر
دیکھ تھرسلیں ساون بیر (صفحہ ۲۰۷)

پھلنگ=پھلانگ ، چھلانگ ، قلانچ :
یوں پھلنگ ماریں نہے غازی
ھنڑو مان کیا ھو گا پاری (صفحہ ۲۰۷)

کھلّا[1]=کھلیان :
کاٹ نہ کھلا کریں اڑاویں
یو نہیں ڈھیر ناج کا پاویں (صفحہ ۲۰۸)

ادمار=فساد ، شور :
کیتے برس پیٹ بھر کھایا
آخر کوں ادماد اٹھایا (صفحہ ۲۱۲)

بھوم[2]=زمین :
ان کی بھوم چھوڑ کر بھاگے
اور کہیں آ رہے ابھاگے (صفحہ ۲۱۳)

چھینپا[3]=کپڑا چھاپنے والا :
دھوبی چھینپے ملے جو کھاتی
لکھی آزما اس کی چھاتی (صفحہ ۲۱۵)

کرود[4]=غصہ :
کیڑھا نہ ظاھر کیا خلاصا
نا کرود منمیں پرکاسا (صفحہ ۲۱۵)

جناور=جانور :
باب سکینا کی اب کہتا
اس میں ایک جناور رھتا (صفحہ ۲۱٦)

---

۱ - پنجابی میں 'کھلا' یعنی بغیر تشدید مستعمل ہے - (مرتب)
۲ - پنجابی میں بھویں (مرتب)
۳ - پنجابی میں بھی رائج ہے - (مرتب)
۴ - پنجابی میں بھی یہی معنی دیتا ہے - (مرتب)

کرڑی=روڑی : لیجا کر کرڑی میں گاڑا
جتن کیا وھاں محکم گاڑھا (صفحہ ۲۱۶)

دھاپکر[1]=رج کر ، پیٹ بھر کر :
جنے دھاپ کر پانی پیا
بڑا گناہ جو اس نیں کیا (صفحہ ۲۱۷)

ھیلا مارنا[2]=آواز دینا : میرا ساتھی سنگ سہیلا
یہی فوج میں مارا ھیلا (صفحہ ۲۱۷)

ناتھی=ناتھ : خدا صابروں کا ھے ساتھی
اس کے ھاتھ انہوں کی ناتھی (صفحہ ۲۱۸)

سانکل[3]=زنجیر : سانکلی ایک سرگ سوں آئی
اس کی یوں تاثیر بتائی (صفحہ ۲۲۲)

نیاو[4]=انصاف : اُتر کوئی دو جھگڑا لیاویں
جھوٹھ ساچھ کا نیاو چکاویں (صفحہ ۲۲۲)

نٹنا=انکار کرنا ، منکر ھونا :
نٹے سو اس کوں بولو سارے
نو سوگند خدا کی کھارے (صفحہ ۲۲۳)

منگڑاں=منگنی : کوئی ایک جو منگڑاں کرتا
اگر دوسرا دل پر دھرتا (صفحہ ۲۲۳)

مانگ[5]=منگیتر : اسے بولتا سنڑ میرے بھائی
تیری مانگ منجھے خوش آئی (صفحہ ۲۲۳)

---

۱ - دیکھئے اردو کا محاورا ''آپ دھاپ ، اپنا ھی منہ اپنا ھی ھاتھ۔'' (مرتب)
۲ - ٹھیٹھ راجستھانی میں 'ھیلا پاڑنا' بلکہ 'ھیلو پاڑن' ۔ (مرتب)
۳ - پنجابی میں 'سنگل' ۔ (مرتب)
۴ - پنجابی میں 'نیاں' ۔ (مرتب)
۵- پنجابی میں 'منگ' ۔ (مرتب)

نہورے کھانا = منت خوشامد کرنا ، منت ساجت کرنا :

منجھی غریب کی وہ بھی چاہے
مانگے بہت نہورے کھاہے (صفحہ ۲۲۴)

ایوڑ = ریوڑ :
سارا ایوڑ چل کر آیا
جھاڑ باغ کا تھا سو کھایا (صفحہ ۲۲۵)

برانا = پرایا ، بیگانہ :
جب وہ بکریوں والا بوجھا
باغ برانا تجھے نہ سوجھا (صفحہ ۲۰۵)

جن = کلمۂ نفی ، مت ، نا :
کہا کہو جن راکھو چھانی
وہ جو بات بیرے من مانی (صفحہ ۲۲۵)

پکار = فریاد :
کسی بات کی حاجت لیائی
یا کچھ پکار لے کر آئی (صفحہ ۲۶۶)

نیاو چکانا = قضیہ فیصل کرنا :

ابھی یاو کوں پکڑ بلاؤ
میرا اس کا نیاو چکاؤ (صفحہ ۲۲۷)

چوٹ باھنا = وار کرنا ، ضرب لگانا :

کری ندانگری میں باھی
جس نیں چوٹ اسی پر باھی (صفحہ ۲۲۸)

آپڑے آنا = سامنے آنا ، آگے آنا :

جب بولی وہ سانجھی مائی
میں جو کہی سو آپڑے آئی (صفحہ ۲۲۸)

بھاننا[1] = توڑنا ، کچلنا ، تباہ کرنا :

جو حاکم کا حکم نہ مانے
اس کوں پکڑ پہلیں کر بھانے (صفحہ ۲۳۲)

پانکھ = پر :
مرغ ذبح وھاں اتنے کرتے
کئی اونسف پانکھوں سوں بھرتے (صفحہ ۲۳۴)

---

۱ - پنجابی میں 'بھننا' - (مرتب)

چھلٹے = چھلکے :
اور پیاز لہسن جو آتے
چھلٹے بھر بھر اونٹ لے جاتے (صفحہ ۲۳۷)

دھاونا = دوڑنا :
کے کرور دنیا چل کر آویں
سلیمان کے گھر کو دھاویں (صفحہ ۲۳۸)

پسارنا = پھیلانا ، کھولنا :
بھی بات سنڑ مچھلی بھاگی
مونہہ پسار کر کھانڑیں لاگی (صفحہ ۲۳۹)

کونٹ = کھونٹ ، کونا ، گوشہ :
اسی واسطے دئی بدائی
چار کونٹ کی دولت آئی (صفحہ ۲۴۰)

مسکانا = مسکرایا :
سلیمان من میں مسکانا
چمتی کا جب سبد بھانا (صفحہ ۲۴۱)

نسنگ[۱] = بلا وسواس ، مگن ، بے پروا :
چلا نسنگ بنڑی سوں آوے
ہولے ہولے قدم اٹھاوے (صفحہ ۲۵۲)

بندیوان = قیدی :
بندیوان رہیں گے سارے
سدا سدا ہم لوگ بچارے (صفحہ ۲۵۱)

اٹ پٹنا = لڑکھڑانا :
پانو اٹ پٹیں سیس جو ہلے
دیہہ ڈگمگے ایسیں چلے (صفحہ ۲۵۲)

بھارا = گٹھا ، پشتارہ :
ڈال دیا بوڑھے نیں بھارا
لیا لال اب چلا بچارا (صفحہ ۲۵۲)

موٹھی مونچنا = مٹھی بند کرنا :
لیا لال محکم کر پیارا
موٹھی مونچے چلا بچارا (صفحہ ۲۵۲)

۱۔ پنجابی میں بھی 'بے خوف و خطر' اور 'بلا جھجک' کے معنوں میں مستعمل ہے ۔ (مرتب)

رپٹ پڑنا = بھسل جانا : اس میں رپٹ پڑا سو ڈوبا
بھول گیا آچھا منصوبا (صفحہ ۲۵۳)

کجا کجا کر = کجا کر : خوب بندگی توبہ کرے
کجا کجا کر پڑتل بھرے (صفحہ ۲۵۳)

پڑو کوے میں = بیزاری کا کلمہ ، جیسے چولھے میں پڑے ،
جہنم میں جائے :

جسے ایمان ھوا نستارا
پڑو کوے میں اور پسارا (صفحہ ۲۵۳)

بٹ پاڑا = بٹ مار ، رھزن :
مجھے مل گیا وھاں بٹ پاڑا
اس نیں لیا سو میرا جھاڑا (صفحہ ۲۵۴)

اکھٹ پڈھانا = نکاح پڑھانا :
اور کہیں کوئی مرد نپایا
لے مزدور سوں اکھٹ پڈھایا (صفحہ ۲۵۵)

جنوائی = داماد : آخر ان کے جی میں آئی
بیٹی دے کر کیا جنوائی (صفحہ ۲۵۵)

دھیلی = سخت ، گراں : کہا سنڈو ری سکھی سہیلی
لگی جو تم کوں بات دھیلی (صفحہ ۲۵۷)

چارا = علف : اتنا سنڈ کر بیل بچارا
کھڑا ھو رھا چھوڑا چارا (صفحہ ۲۶۰)

تار کرنا = مویشی کا شکم سیر ھو جانا :
آج اگر تو گھاس چریگا
پانڈیں پی کر تار کرے گا (صفحہ ۲۶۰)

چرغنا = چرکنا ، چہکنا ، بولنا :
جب یوں بول اٹھا وہ مرغا
خاوند کوں سمجھا کر چرغا (صفحہ ۲۶۱)

سگائی = نسبت : کوئی کہیں گے لوگ لگائی
لوگوں نیں مل کری سگائی (صفحہ ۲۶۱)

گھنسیلا = سوٹا : سنڈرا خاوند کے ہوا اجالا
لیا گھنسیلا کاغذ ڈالا (صفحہ ۲۶۱)

جیوڈلنا = دل کا ڈگمگانا : اب تم گھڑی نہ فرصت پاؤ
کاھے کارن جیو ڈلاؤ (صفحہ ۲۶۴)

ٹوک کھلانا = ٹکڑا کھلانا ، روٹی کھلانا :
کری عاجزی ٹوک کھلایا
پانڑی پلا کر پاس سلایا (صفحہ ۲۶۶)

الٹ مل جانا = پھر مل جانا :

پھاٹ جھاڑ بیٹھے زکریا
المٹ مل گیا اب سنڑ بھیا (صفحہ ۲۶۶)

موڈی = شریر : جب وہ ہوئی جوان نکوڑی
بول اٹھی اس کی ما موڑی (صفحہ ۲۶۷)

بہاری دینا = جھاڑو دینا : دے گی مسجد مانہہ بہاری
سدا کرے گی خدمت گاری (صفحہ ۲۶۹)

جڑ رکھنا = بند کرکے رکھنا :

میں کیا پاپ کمایا بھاری
بے گناہ جڑ رکھی بچاری (صفحہ ۲۷۰)

ماٹی گونہہ = مٹی گوندھ کر :

ماٹی گونہہ جانور کیا
اسی وقت ہاتھ میں لیا (صفحہ ۲۷۳)

لونکتی = لومڑی : ایک لونکتی سامہیں آئی
عیسیٰ نیں اسکوں بتلائی (صفحہ ۲۷۵)

سرنا[1]=گزارا ہونا ، بسر ہونا :

بھوکھ لگے جب یوں بتلائے
اب کیوں سرے کھو بن کھائے (صفحہ ۲۷۸)

سواد لگنا=خوش ذائقہ معلوم ہونا :

جو سواد لاگے سو کھاؤں
جگ میں آچھا بڑپا کماؤں (صفحہ ۲۸۰)

ادب بجانا=تعظیم بجا لانا :

دیـــتـــوار کا ادب بجــاؤ
تہاور کا سب عمل الٹھاؤ (صفحہ ۲۸۱)

ہکا ہیک=جھٹ پٹ : اس نیں ہیکا ہیک ہــکا کر
رکھیاں ان کے آگے لیا کر (صفحہ ۲۸۵)

رانبھ رانبھ کرنا=مویشی کا رانبھنا ، چیخنا ، چلانا :

آپ آپ میں سبھی پکاریں
رانبھ رانبھ کر سارے ہاریں (صفحہ ۲۸۹)

بیجه باهنا=تخم ریزی کرنا ، بیج ڈالنا :

بیجه باهکر کھیت اگایــا
نــاج کاڑھ پــیس پــکوایــا (صفحہ ۲۹۳)

کھوڑا=لنگڑا : میرا بــیٹا گونــگا بــوڑا
آنکھوں اندھا پاؤں کھوڑا (صفحہ ۲۹۴)

ہارے ہونا=تھک جانا :

بھانت بھانت کر منجکوں مارے
اوجھوں نہیں ہوے تم ہارے (صفحہ ۲۹۵)

پڈارنا=نکالنا ، تاڑنا : اور نــبی ایــوب بچــارا
کانــو کانــو سوں اسے پڈارا (صفحہ ۲۹۷)

---

۱ ۔ پنجابی میں بھی عام مستعمل ہے (مرتب)

ایوالیا = گڈریا :
بوڑھا ملا سو بکریوں والا
کھڑا چراوے تھا ایوالیا (صفحہ ۲۹۸)

گوالیا ــ گڈریا :
ملا راہ میں بکریوں والا
یعنی جس کوں کہیں گوالیا (صفحہ ۳۰۲)

بھو[1] = خوف :
جیوں دنیا کو دین سکھاویں
بھو ساگر سوں پار لنگھاویں[2] (صفحہ ۲۹۸)

پہرا = زمانہ ، وقت ۔
اس پہرے کا زر کیوں آیا ۔
اس کوں کہیں خرانا پایا (صفحہ ۳۰۴)

کانکھ = بغل :
کوٹ جو اونچا بپا کہاوے
کمر کانکھ سوں نیچے آوے (صفحہ ۳۰۶)

گاجنا[3] = گرجنا :
بھانت بھانت کرومے سب باجے
دھرن گگن بادر جیوں گاجے (صفحہ ۳۱۱)

استاوا = بدھنا :
ہانھ چلمچی بھی استاوا
ہیرے موتی لال جڑاوا (صفحہ ۳۱۳)

جایا = جنا :
بی بی نیں جب بیٹا جایا
نبی محمد جگ میں آیا (صفحہ ۳۱۴)

دھورے = قریب ، نزدیک :
نکل نور نینوں کے ڈورے
عرش کرس کوں لاگے دھورے (صفحہ ۳۱۸)

رسنا = زبان :
اول جو کہ مہ بالک بولا
ایسیں سودھیں رسنا کھولا (صفحہ ۳۲۰)

ہیلا ہیل = آواز پر آواز : اپنے اپنے گھر کوں بھاگے
ہیلا ہیل پکارن لاگے (صفحہ ۳۲۲)

۱۔ پنجابی میں عام استعمال ہوتا ہے ۔ (مرتب)
۲۔ 'لنگھانا' مصدر مغربی پاکستان کی مختلف زبانوں ، سندھی ملتانی اور پنجابی میں بھی رائج ہے ۔ (مرتب)
۳۔ پنجابی میں گجنا (مرتب) ۔

سماں = مانند : جا سماں دوجا کوؤ ناھیں
سادہ سنت سب مکے مانہیں (صفحہ ۳۳۳)

دھوں = طرح : عدل نیاو ایسے دھوں کرتے
زرہ میل نہ دل میں دھرتے (صفحہ ۳۳۵)

انڑ چنگا = مریض ، بیمار :
مسلماں ھوسا انڑ چنگا
کوئی نیک ھو یا ھو بیلڑھنگا (صفحہ ۳۳۶)

عربی فارسی اثر اور ان کے الفاظ میں تغیر و ترمیم

چونکہ اس کتاب کا موضوع تاریخ انبیاء علیہم السلام ھے اس لیے مسلمانی الفاظ کی بھتات اس میں چنداں تعجب خیز نہیں مگر باوجودیکہ مصنف عربی فارسی زبانوں میں اعلیٰ دست گاہ رکھتا ھے اور مذھبی اعتبار سے بڑی وجاھت کا مالک ھے ۔ تاھم راجستھانی کے مقابلے میں عربی فارسی اثر خفیف معلوم ھوتا ھے ۔ تیس پینتیس فی صدی مسلمانی الفاظ کا ایک ایسی تالیف میں پایا جانا جو مضمون کے لحاظ سے بھی اسلامی ھے ، کوئی بعید نہیں ۔ حیرت یہ ھے کہ ھندی اثر نہایت گہرا ھے ۔ فارسی محاورے اور ترکیبیں قلب کے ساتھ ملتی ھیں ۔ میں چند یہاں مذکور کرتا ھوں :

اگر بیل توھے کچھو سیانا میں بولوں سو پکڑ بہانا
'بہانہ پکڑنا' فارسی 'بہانہ گرفتن' کا ترجمہ ھے ۔ (صفحہ ۲۶۰)

امثال دیگر :

بھانت بھانت کر حاجت مانگی جیسیں کتے پکاریں پانگی
'حاجت مانگنا' حاجت خواستن کا ترجمہ ھے ۔ (صفحہ ۵۸)

توں ملعون کمینا پاژی نہیں دے سکے ھم کوں بازی
'باری دینا' 'بازی دادن' کا ترجمہ ھے ۔ (صفحہ ۱۳۰)

نبی سال سب روزے دھرتے یوں گذران عمر سب کرتے
'روزے دھرنا' 'روزہ داشتن' کا ہر تو ھے ۔ (صفحہ ۳۵)

عـزازیـل مـردود کـمـینا بولا دل میں دھر کر کینا
'کینہ دھرنا' فارسی 'کینہ داشتن' کا تتبع ہے ۔ (صفحہ ۱۲۹)

کھوس لیا نابوت سکینا جا کر لیاویں کاڑھیں کینا
'کینہ کا ڈھنا' 'کینہ کسیدن' کا ترجمہ ہے ۔ (صفحہ ۲۱۴)

ع مصابیح میں ایسیں لیایا (صفحہ ۳۴۰)
ٹھیٹ فارسی یوں ہوگی 'در مصابیح چنیں آوردہ است' ۔

ع اور واقدی میں یوں لیایا (صفحہ ۳۴۲)
یہ بھی اسی فارسی محاورے کا ترجمہ ہے ۔

کہیں بندگی ایسی کرتے ملک فلک سب حیرت دھرتے
'حیرت دھرنا' کی اصل فارسی 'حیرت داشتن' ہے ۔ (صفحہ ۱۲۹)

ع یہ انگوٹھی منج کوں پائی (صفحہ ۲۵۶)
یعنی 'این انگشتری مرا یافت'

ع باب وصیت کا یوں کھولا (صفحہ ۳۲۵)
بالکل فارسی ترکیب ہے 'وباب وصیت چناں کشود'

ع فضل ہوا از خالق باری (صفحہ ۲۸۹)
یہ تقریباً فارسی ہے صرف 'ہوا' اردو ہے

الہ انسوں کوں سوبا دیجیو گنہ معاف سب ان کے کیجیو
'توبہ دینا' 'توبہ دادن' کا پرتو ہے ۔ (صفحہ ۳۸)

ان محاورات کا ایسی ضخیم کتاب میں ہونا نہ ہونا برابر ہے ۔
ادھر عربی فارسی الفاظ کے ساتھ ایک عام بدسلوکی روا رکھی گئی ہے ۔
کبھی ان کے تلفظ کو بگاڑا ہے ، کبھی ان کی صورت بدلی ہے اور کبھی
مفہوم میں تبدیلی کر دی ہے ۔ لیکن مصنف اس بارے میں مقلد کا حکم
رکھتا ہے ، نہ موجد کا ۔ وہ ان الفاظ کو اسی طرح استعمال کرتا ہے
جس طرح عوام الناس کی بول چال میں آ رہے تھے ۔ مثلاً مصنف 'نہات'

(مصری) کو 'نوبات' کی شکل میں لکھتا ہے - یہ تغیر اس کی اپنی ایجاد نہیں بلکہ عام اہل اردو اسی طرح بولتے تھے - چناں چہ دکنی میں بھی 'نوبات' لکھا جاتا ہے - اسی طرح اس تالیف میں 'نغارہ' (نقارہ) - 'سول' (اصول) اور 'مزوری' (مزدوری) ملتے ہیں جو آج بھی غیر تعلیم یافتہ اسی طرح بولتے ہیں -

یہاں بعض ایسے الفاظ کی فہرست دی جاتی ہے :

بے ترہ = بے طرح ،

نہیں بہت 'بے ترہ' کروں گی — تم سوں ہرگز نانہہ پڑروں گی
(صفحہ ٦۴)

جا ضرور = پاخانہ :
سنڑیں بات کوڑھی چل آویں
جا ضرور تنکوں لیٹاویں (صفحہ ۴۹)

صحی = صحیح :
کہیا الٰہی قول جو تیرا
صحی سانچہ یہ بیٹا میرا (صفحہ ۵۱)

دیگر
صحی سلامت بیٹا پایا
بہت خدا کا شکر بجایا (صفحہ ۷٦)

جانا = بجا لانا :
وہی خواب دوجے دن آیا
الٰہ خلیل نے شکر بجایا (صفحہ ٦۷)

دیگر
استیں کیے ملایک سارے
حق کا حکم بجاون ہارے (صفحہ ۱۴)

خوشی = خوش :
گئے قوم کن جب مل سارے
خوشی ہو گئے الہ پیارے (صفحہ ۵٦)

خاصی = خاص :
ایک اونٹڑیں گیا بہن خاصی
جیسے دیکھ دور ہو اداسی (صفحہ ۵۸)

عجوبے = متعجب و حیران :
نبی بات سن رہے عجوبے
کہیا لوگ دنیا سب ڈوبے (صفحہ ۵۲)

دیگر	دیکھ مسیرا رہے عجوبے کہا عجب اس کے منصوبے	(صفحہ ۳۳۳)
حجی=حاجی :	باراں برس مکے میں رہے کوئی نہ اس کوں حجی کہے	
دیگر	عرفہ کوں جب تجھ پر آوے حج کرے حجی کہلاوے	(صفحہ ٦۵)
بشارا=بشارت :	دل میں جانو سانچہ بشارا جو کوئی پیارا وھی دکھیارا	(صفحہ ۷۴)
دیگر	ھوا حزیمہ اس کے پیارا جس کوں یاھی دیا بشارا	(صفحہ ۳۱۰)
دیگر	کہا روبرو سپنا سارا بادشاہ کوں دیا بشارا	(صفحہ ۱۰۸)
نعارا=نقارہ :	کرن دھان کا کوچ نغارا چلا خلیل خدا کا پیارا	(صفحہ ۷۸)
سول=اصول :	ایسا ان کا دیسے سول جیسے دھرے ڈھال پر پھول	(صفحہ ۱۹)
رانا=راندہ .	منی کری اور من کا مانا اسی وقت میں اس کوں رانا	(صفحہ ۳۷)
اجگر=اژدر :	دشمن اوپر دیسے کھارے ھوے اژدھا اجگر بھاری	(صفحہ ۴۱)
اندیسا=اندیشہ :	جا کا منجکوں بڑا اندیسا اس واسطے کہوں سند یسا	(صفحہ ۷۵)

(اندیسا بانون غنہ بروزن سندیسا)

خوشیال=خوش حال :	گوشت کھائے جب بھئے خوشیال کری دعا خاصی در حال	(صفحہ ۸۰)

سرمانا=شرمانا : یہ [بات] سن بہت سرمائے
دوڑپکڑ کر لیالی لائے (صفحہ ۹۰)

ازمانا=آزمانا : بہت زلیخا نیں ازمایا
کسی بھانت وہ ھاتھ نہ آیا (صفحہ ۹۵)

ساما[1]=سامان : جھوٹھ سانچ کا یاھے ساما
یوسف کا تم دیکھو جاما (صفحہ ۹۶)

دیگر لوھی سوں یوں بھر کر جاما
کیا جھوٹھ کا سارا ساما (صفحہ ۱۱۶)

بے شرماگی=بے شرمی : بدی خوار بھونڈی بجراگی
دیکھو اس کی بے شرماگی (صفحہ ۹۸)

دیگر دیکھو رانڈ کی بے شرماگی
سکے خصم کوں مارن لاگی (صفحہ ۲۶۱)

بیش=بیش قیمت ، بڑھیا :
بہت بیش وھاں فرش بچھا کر
ترت دھر دیے تکیے لا کر (صفحہ ۹۹)

دیگر یوسف کوں ململ نہلایا
بہت بیش جاما پہنایا (صفحہ ۸۶)

دیگر چار پانچہ تھیاں بیش کمانڑاں
اور چار نیزے سو جانڑاں (صفحہ ۳۳۸)

بے شرمائی=بے شرمی : بے عقلی اور بے شرمائی
چوٹی پیچھے جب مت آئی[2] (صفحہ ۱۰۰)

ارداس[3]=عرضداشت و عرض :
یوں ارداس کروں میں تیری
مان لیہ یہہ بنتی میری (صفحہ ۱۰۲)

---

۱ - پنجابی میں بھی اسی طرح مستعمل ہے (مرتب)
۲- یہ محاورہ پنجابی میں بھی رائج ہے - (مرتب)
۳ - چند بردائی بھی "پرتھی راج راسا" میں 'ارداس' ھی استعمال کرتا ہے - (مرتب)

پیادل = پیدل و پیادہ : گھوڑے کوتل پیادل آگے
ساری کھلک تماشے لاگی (صفحہ ۱۰۷)

بندوے = بندی : وھاں بندوے تھے جو سارے
روئے روئے کر بہت پکارے (صفحہ ۱۰۷)

پایلے = پیالہ : وھی پایلے شہ کے آگے
سوچرایکر تمھیں بھاگے

اب جو پایلے لے کر آوے
بھرا اونٹ ناج کا پاوے (صفحہ ۱۰۳)

آسا = عصا : ادب کر نعلین نکالو
اور ھاتھ کا آسا ڈالو (صفحہ ۱۵۰)

دیگر جب موسیٰ نیں ڈالا آسا
جس کا دیکھا عجب تماشا (صفحہ ۱۵۰)

ترتابی = بیتابی دیکھ نبی نیں یوں ترتابی
عرض خدا کن کری شتابی (صفحہ ۱۶۰)

دیگر بالک روتے گئی شتابی
ھوئی حلیمہ کوں ترتابی (صفحہ ۳۲۲)

پازی[1] = پاجی : اس پر چڑھا فراعون پازی
جس نہیں خدا سدا ناراضی (صفحہ ۱۶۱)

ھرول = ھراول : تھے چھ لاکھ ھرول سپاھی
دھنے بانویں گنتی ناھی (صفحہ ۱۶۲)

مادوان = مادیان : جبریل گھوڑی چڑھ آیا
مادوان لیا کر دیکھلایا (صفحہ ۱۶۳)

دیگر مادوان پر ھوا دیوانا
اس کتے کا کہا نہ مانا (صفحہ ۱۶۳)

---

۱ - وارث شاہ کے ھاں بھی اسی صورت میں ملتا ھے - (مرتب)

چکاری = چکارہ ؟: جہاں بھید کی مجلس بھاری
عالم دنیا کوں چکاری (صفحہ ۱۶۷)

دیگر جب وہ مجھے کرے نداری
میں غریب وہاں کوں چکاری (صفحہ ۲۴۰)

چکارہ = چہ کارہ ؟ : پیارے سوں بتلاوے پیارا
اور کوئی وہاں کوں چکارا (صفحہ ۶۷)

دیگر مال تمہارا کوں چکارہ
جس کا ایتا کرو پسارا (صفحہ ۲۴۹)

دیگر جن کا ایسا رنگ سنوارا
پھول ہزارا کوں چہ کارا (صفحہ ۲۳۵)

دیگر دوست کرے سو میں ہوں راضی
اسے ہیں کوں چکارے پازی (صفحہ ۲۶۷)

مزوری = مزدوری : بھلا کرے تھا اگر ضروری
لئی کیوں نہ ان پاس مزوری (صفحہ ۱۷۹)

داون = دامن : در داون موتن کی لڑی
ٹھور ٹھور تھی چونی جری (صفحہ ۱۸۳)

ہانیاں = ہمیانیاں : دو ہانیاں بھریاں جو زرکیاں
دیوں میں تجھ کوں اپنے گھر کیاں (صفحہ ۱۸۴)

خو زادی = خون زادی (خاوند زادی) :
دھن سو آپ پیغمبر زادی
دین دنیا کی صحی خو زادی (صفحہ ۳۲)

نابالیغ = نابالغ : گلے جڑاؤ ھانس پہنائے
لڑکے نابالیغ چڑھائے (صفحہ ۱۳۶)

فراعون = فرعون : فراعون بھی گودی لیتا
بہت پیار کر بوسہ دیتا (صفحہ ۱۴۳)

دیگر
میم محمد کا منصوبا
موسیٰ پنچا فراعون ڈوبا (صفحہ ۳۰۹)

نوبات=نبات (مصری) : پھیر کلیم کیاں باقی باتاں
سنڈرو اور شکر نوباتاں (صفحہ ۱۹۰)

بر غلان کرنا=ورغلانا :
جب لعین نیں اپے الٹھایا
بر غلان کر یوں بھرمایا (صفحہ ۱۹۸)

دیگر
برغلان تیسنین کی خواری
ابد ابد ھوا دکھ بھاری (صفحہ ۲۰۰)

مہربانگی=مہربانی : مہر بانگی سیں توں رھجے
پاس بلا کر اس کوں کہہ جے (صفحہ ۱۹۹)

ماضی=غائب و گزشتہ : آپ لعین کمینا پازی
ڈرسا بھاگا ھو کر ماضی (صفحہ ۱۵۲)

دیگر
وہ زبون ایسا ھوا ماضی
جو دیکھے سو ھو ناراضی (صفحہ ۲۰۰)

دیگر
یہ شیطان کمینا پازی
دور بھاگ گیا ھو کر ماضی (صفحہ ۱۶۷)

پلیت=پاید : گو پھیا کوں جب خوب پھرایا
اس پلیت کی طرف چلایا (صفحہ ۲۲۰)

کمیخاب=کمخاب : کمیخاب زربفت اڈھائے (صفحہ ۲۲۸)

گراں بار=متحمل : برا کہے کوئی تو سمجا
گرانبار ھو چپکا رھجا (صفحہ ۲۳۳)

دیگر
گر انبار ایسا تھا بھاری
کیوں نہوے جس کوں سرداری (صفحہ ۲۱۵)

پیدایش=مخلوقات : سب پیدائش کی مہانی
کری سو ھم نیں چاروں کانی (صفحہ ۲۳۹)

دیگر
ایسی کری نہایت زاری
روے تھکی پیدائش ساری (صفحہ ۲٦۷)

عرس کرس = عرش و کرسی :
جھلک جوت جھمکے نورانی
عرس کرس میں چاروں کانی (صفحہ ۲۴۰)

دیگر
جن کوں روئے عالم سارا
عرس کرس میں پڑا پکارا (صفحہ ۲۹۷)

مصلحت = مشورہ :
جس نیں مصلحت کری سو پایا
بنا مصلحت کام نہ آیا (صفحہ ۲۴۷)

قبولنا = قبول کرنا :
ان بانوں پر حوا جو بھولی
جب دشمن کی بات قبولی (صفحہ ۳۸)

تالے = طالع :
الٹ گئے جب نثروں والے
کہا ہمارے پھوٹے تالے (صفحہ ۲۴۹)

خواری = سبکی ، توہین :
پیادہ چلوں منجھے ہو خواری
منجھے چاھجے اب اسواری (صفحہ ۲۵۷)

آزاری = بیمار :
کہے بیل میرا آزاری
کیونکر گونڑ دھروں میں بھاری (صفحہ ۲٦۰)

دیگر
کہا ، کریں چنگا آزاری
دور ہوے اس کی بیماری (صفحہ ۲۹۸)

دیگر
دعا کری اور بنتی زاری
چنگا ہوے گیا آزاری (صفحہ ۲۹۸)

مانت = منت :
میں جو اب یہہ مانت مانی
سو تو یہہ لیا کر گذرانی (صفحہ ۲٦۹)

وجہ = طور ، طریق :
من میں دھر کر مہر خوشیالی
خوب وجہ کر اس کوں پالی (صفحہ ۲٦۹)

دیگر ان کے تن میں سیخ چبھاؤ
جاؤ اس وجہ انہیں جگاؤ (صفحہ ۲۱۰)

خلاصا = کمال ، بھید ، حال ، الحاصل ، کشادہ ، خوش ، تسکین ،

خالص : وھاں نبی کا کھلا خلاصا
دعا کری اک ھوا تماشا (صفحہ ۲۹۵)

دیگر گوشت پوست محکم جب خاصا
ھـوا نبی کا خوب خلاصا (صفحہ ۲۹۱)

دیگر میں خدای کا بندا خاصا
میرا اب تم سنڑو خلاصا (صفحہ ۲۷۲)

دیگر ہے بیت المعمور جو خاصا
اس کواس میں رکھو خلاصا (صفحہ ۲۸۲)

دیگر واھی کملی ڈالی آسا
ھوا نہ اس کوں جیو خلاصا (صفحہ ۲۷۷)

دیگر جن کا ہے ایمان خلاصا
ان کوں کر تو خوب دلاسا (صفحہ ۲۹۶)

دیگر اور رکھو میں الجن خاصا
جس کا کہو ندھان خلاصا (صفحہ ۷۰)

دیگر وھی منت میرا ہے خاصا
اسکن میرا جیو خلاصا (صفحہ ۷۲)

دیگر جانڑا ہے پیغمبر خاصا
جس کا ظاھر ھوا خلاصا (صفحہ ۲۷۲)

سجادا = سجادہ نشین : ماتا پتا سو دادی دادا
چچا اہو طالب سجادا (صفحہ ۲۸۳)

دیگر یہی بول کر موا سو دادا
رھا ابو طالب سجادا (صفحہ ۳۲۶

رنجانا = رنج دیا : کہا نبی کا ایک نمانا
بھانت بھانت اس کون رنجانا (صفحہ ۲۸۸)

اتباری = اعتبار والا : بات مصلحت بوجھے ساری
ایسا ھوا بڑا اتباری (صفحہ ۲۹۹)

خوانے = خوانده : چھ جوان تھے بزرگ زادے
بڑے خوانے صاحب زادے (صفحہ ۳۰۱)

بخت = وقت : کون کاج وہ نیک کمائی
برے بخت میں کام نہ آئی (صفحہ ۳۰۷)

مسخری و مسکری = تمسخر :
نکر مسخری منجھسوں پیارے
خوف خدا کا کیا بھلارے (صفحہ ۳۰۸)

دیگر سنڈیں کافروں نیں جب بھاگے
ھنسی مسکری کرے لاگے (صفحہ ۴۹)

علاو = علا : تھے خلیل کے بیٹے چار
کہتے ھیں علاوچار (صفحہ ۷۷)

دیگر یوں علاو بتاویں پڑھے
ابراھم ھوے جب بڈے (صفحہ ۷۶)

الہدی = علیحدہ : ظاھر مہدی باطن مہدی
کیوں کر ھو یہ بات الہدی (صفحہ ۵)

کھلک ، بہ تحریک دوم = خلق :
بوند پلک سوں آئی ڈھلک
پیدا ھوئی اسی سوں کھلک (صفحہ ۱۴)

مستقیم = مضبوط و قائم : مستقیم ھوگیاں زمیناں
کسی وقت پر ھلیں کہیں ناں (صفحہ ۲۱)

دیگر اپنے دل میں نہچا کیجیو
مستقیم ھو کر جی دیجیو (صفحہ ۹۷۲)

دیگر	مستقیم ہو رہے پیارے یک زبان ہو بولے سارے (صفحہ ۳۰۱)
حلا = حیلہ :	کہوں نراکھے دل میں حلا ہو کہاں کا جیسے چلا (صفحہ ۳۰)
تکھت = تخت :	آدم کے جب جاگے بکھت ہوا خلیفا بیٹھا تکھت (صفحہ ۳۶)
آرجوئی = آرزو :	جو تو بولے سو ہم کر دیں آرجوئی تیری سب بھر دیں (صفحہ ۴۸)
امراو = امراء :	سب امراو امیر بلائے نکل سامہنے باھر آئے (صفحہ ۱۲۳)
داگ = داغ :	گل لالا کے دل کے داگ نافرمان گئے سب بھاگ (صفحہ ۱۲۳)
تشنا = پیاس و تشنگی :	تشنا لگی نبی کن بھاگے التماس یوں کرنے لاگے (صفحہ ۱۹۵)
دریاو = دریا :	مہتر موسیٰ خضر پیارے جب دریاو کے گئے کنارے (صفحہ ۱۷۸)
سراپاو = سراپا و سروپا :	ایک شخص بیٹھا سرھانڑے سراپاو موتی کے دانڑے (صفحہ ۳۱۹)
گرج = غرض :	راول دیول کہیں بجاویں نا کاھو سوں گرج دھراویں (صفحہ ۲۲۹)

ساقی : اس لفظ کا مفہوم صاف نہیں ۔ بعض جگہ وہ اپنے مشہور معنوں میں آتا ہے ۔ دوسرے مقامات پر مجازاً اور اور معنی لیے گئے ہیں ۔ مثلاً مراد بر لانے والا ، نجات دینے والا ، تقسیم کرنے والا اور کار ساز :

کریں تمھاری نیناں باقی
آپ دیکھاویں ہو کر ساقی (صفحہ ۱۶۸)

امثال دیگر:

باٹنا ایک رہا جو باقی
ہوا انوں کا اللہ ساقی (صفحہ ۳۴)

رہی تیسری روٹی باقی
پیٹ بھر گیا اللہ ساقی (صفحہ ۴۹)

یافث حام سام رہے باقی
تین انوں کی تریا ساقی (صفحہ ۵۵)

ہوئی خوار زندگی باقی
جدا ہو چلا میرا ساقی (صفحہ ۲۹۰)

لیکن عمر رہی تھی باقی
کیا خدا نیں مرغا ساقی (صفحہ ۲۶۱)

الکرجی = الغرض :

رانپڑ کہے میں رہوں نہ برجی
ایسی بات کہی الکرجی (صفحہ ۲۶۱)

مرغائی[1] = مرغابی :

اونٹ گائے بکری مرغائی
سسا اور مرغی بتلائی (صفحہ ۳۲۶)

مصنف گہرے دینی خیالات کا انسان ہے اور اپنے معتقدات میں نہایت راسخ ہے ۔ اس کا مذہبی مطالعہ نہایت وسیع ہے ۔ وہ اس تصنیف کو ایک دینی خدمت سمجھتا ہے جس کو بغیر کسی معاوضے یا اجر کی امید کے اس نے سر انجام دیا ہے ۔ اس کو اپنے مآخذ پر پورا پورا عبور ہے ۔ مضمون کے تعلق میں ہر آیۂ قرآنی اس کے پیش نظر ہے اور بڑی سہولت کے ساتھ ان کا ملخص اپنے شعروں میں ادا کرتا ہے یا اصل آیات کو سرخیوں میں لکھ دیتا ہے یا تلمیع کے طور پر لے آتا ہے ۔ اسی طرح سینکڑوں آیتیں اس تالیف میں منقول ہیں ۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو کلام پاک پر غیرمعمولی عبور ہو ۔ میں یہاں بعض تلمیحی مثالیں درج کرتا ہوں :

بھول پڑوجن میری سیا صحی کان امرآ مقضیا
(صفحہ ۷۰)

---

[1] ۔ پنجابی میں بھی 'مرغائی' بولا جاتا ہے ۔ (مرتب)

موئی بھلی ، نہیں چاھوں جیا — ھائے کنت نسیاً منسیا
(صفحہ ۲۷۱)

اسے بتاوے کر کر سینا — کلی واشربی قری عینا
(صفحہ ۲۷۱)

دے کتاب موہ کیا نبیا — او صانی مادمت حیا
(صفحہ ۲۷۲)

ھائے حسد ہیں سب کچھ کھویا — یا نبی لاتقصص رویا
(صفحہ ۸۴)

کلام مجید سے علاوہ اس نے اور حوالے، جو حدیث ، تفسیر، اخبار و روایت سے تعلق رکھتے ھیں ، ذکر کیے ھیں ۔ مثلاً تفسیر ینابیع ، تفسیرحسینی ، جواھرالتفاسیر، لباب التاویل ، زاھدی ، مصابیح ، عبہری ، واقدی ، ثعلبی ، احیا العلوم ، تنبیہ الغافلیں ابوالدث سمرقندی ، درالمجالس شمس العلوم ، برھان العارفین وغیرہ اور سید محمود گیسو دراز کی بعض کتابوں سے بھی استفادہ کیا ھے ۔ انھی مآخذ میں ایک کتاب حسینی ھے جو امیر حسین کی تالیف بتائی ھے :

اور حسینی میں یوں لیاویں — آپ امیر حسین بتاویں
(صفحہ ۲۵۰)

موضوع کتاب کی متانت اور دینی جذبے کے رجحان نے اس کی شاعری کو ابھرنے کا بہت کم موقع دیا ھے اور صراط مستقیم سے بھٹکنے یا غیر ضروری مباحث کو روشناس کرنے سے اس نے کامل احتراز کیا ھے ۔ البتہ بعض حکایات سے نتائج اخذ کرنے اور سبق دینے کے لیے پندو نصائح کا باب کھولا ھے جو صرف چند شعروں پر ختم ھوتا ھے ۔ یہ اس کی خوش مذاقی کی دلیل ھے کیوں کہ لمبی داستانوں کے بیان کے وقت اگر موقع بہ موقع ایسا مختصر وقفہ مل جائے تو طبیعت پر اس کا خوشگوار اثر پڑتا ھے ۔ جب حضرت یوسف نے اپنا خواب حضرت یعقوب سے بیان کیا جو ان کی بھاوجوں تک بھی پہنچ گیا ؛ انھوں نے اس کا ذکر اپنے خاوندوں یعنی برادران یوسف سے بھی کیا ، بلکہ

ان کو سکھایا پڑھایا - موقع پر مصنف ایک نیا عنوان "حال بیبیان آخر زمانہ" لایا ہے جس کے نیچے یہ ابیات آتے ہیں :

بیبیوں کی کیا کروں بدائی — لائی سکھائی بانٹے آئی
دل میں ان کے بات نماوے — بن سکھائے ناچ نہ بھاوے
مل کر بیٹھیں کہیں ضروری — باتوں کوئی نہ اتری پوری
آپ آپ میں ساریاں بولیں — بھانت بھانت کے قصے کھولیں
سب نگری کے جھگڑے چھانٹے — کہیں آپ میں، آنٹے بانٹے
کئی آپ میں لڑنے لاگیں — منع کرو تو اٹھ کر بھاگیں
جو نہ بولے سو ہے گنوڑی — چپکی کیوں کر رہے نگوڑی
گلا گذاری ان کی خاصی — پنکڑی نکلے باغ تماشے
گیت گاے سب رات پکاریں — تو اے بیبیاں کدی نہ ہاریں
بول چال سب کو دھمکاوے — واھی بی‌بی بڑی کہاوے
اے کھوٹے پھرے کیاں بیبیاں — کوئی بچاریاں نیک غریباں
بنا کام نہ باھر آویں — باب بولتیاں بھی شرماویں
دیکھی سب انڑ دیکھی کریں — بیبیاں نیک خدا سوں ڈریں
بیٹھیاں رھیں پکڑ خاموشی — کریں ہمیشہ پردا پوشی
چاھیں سب کا بھلا ہمیشہ — پر دکھ بھیجن کریں اندیشا
سب کون اللہ نیکی دیجیو — خیر عاقبت ان کی کیجیو
تھوڑی بولی گھر میں پاوے — بی‌بی وھی بہشت میں جاوے
لاج شرم ہو جس میں بھاری — سو حضرت بی‌بی کی پیاری

(صفحہ ۸۴)

کتاب نہایت سادہ طرز میں ہے - کتنی کے موقع ایسے ہوں گے جہاں مصنف نے تکلف سے کام لیا ہے ، مثلاً حضرت یوسف کے جلوس کے موقع پر اس نے گھوڑوں اور ہاتھیوں کا بیان دیا ہے - اس میں ھندی کی ایک صنعت سے جس میں الفاظ کے شروع یا آخر میں وھی حرف بار بار آتا ہے کام لیا گیا ہے - مثلاً :

آب تاب سنجاب ویکھاویں — برن برن بادو جیوں آویں

چپڑ چپل چنچل بھتیرے — کیا طاقت وہاں دھریں چتیرے
سب پر جرت جراؤ زین — جن سوں دے زماں زمین
(صفحہ ۱۲۴)

دیگر :
جھانجاں جھنک جہاں جاپڑے — کھلک ملک سبھی تھرتھرے
(صفحہ ۱۲۵)

ہندی دوھرے اور سورٹھے جو داستانوں کے اختتام پر آئے ہیں۔ اکثر اس کے قلم کے معلوم ہوتے ہیں۔ بعض وقت دوسرے شعراء کے بھی لے آیا ہے جن کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ مثلاً دوھرہ :

جاکوں راکھے سائیاں مار نہ سکے کوئے
بال نہ بانکا کر سکے جے جگ بیری ہوئے
(صفحہ ۲۳۰)

نیز دوھرہ :
آگے کے دن پاچھے گئے کیا نہ ہر سوں ہیت
اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

یہ دوھرے اس قدر معروف ہیں کہ مصنف کے نہیں مانے جا سکتے۔ ایک جگہ کبیر کی ایک ساکھی ہے جس کا بدیں الفاظ سرخی میں حوالہ دیا ہے۔ ''ساکھی فرمود آن کامل روشن ضمیر اسم بامسمیٰ کبیر۔'' :

گیت رھیں اور ھر کو سیویں جگ میں کریں مزوری
کچھ بانٹیں کچھ مکھ میں ڈالیں بھگت انہاں دے پوری
(صفحہ ۲۵۹)

بعض دوھرے یہاں نقل کیے جاتے ہیں :

(۱) ابو بکر صدیق ہیں اور عمر عثمان
چوتھے یار علی ولی بلی شاہ مردان (صفحہ ۔)

(۲) اکتھ کتھا ہے پیم کی انہد اپرم پار
کتھنے میں دھونڈت پھریں بھولیو ہے سنسار (صفحہ ۱۳)

(۳) منی کہے سوجن کرو من مانے سو بات
دھنی کہے سو کیجیے سکھی رہو دن رات (صفحہ ۳۷)

(۴) آیا حکم حضور کا آدم چلے نسنگ
سب کو یاھی بات ہے کہا راو کہا رنگ (صفحہ ۴۳)

(۵) چار نبی ھیں جیوتے کہیں لوگ یوں خاص
عیسیٰ اور ادریس ہے اور خضر الیاس (صفحہ ۴۶)

(۶) ہیم کلی اب سانکری جہاں نماوے بال
لوکوں لاوے لاکری کوں کانو کی چال (صفحہ ۷۶)

(۷) آن پڑی بچھڑن گھڑی دھری رھی سب بات
ھاتھ جھار کبں اٹھ چلے نبی مبارک ذات (صفحہ ۱۲۸)

(۸) نا مانیں سو مر گئے سیس دھر گئے پاپ
مومن انوڑیں گھر گئے درسن دیکھا دھاپ (صفحہ ۳۰۱)

(۹) بے پرواہ بدا بلی بے نیاز بہہ رنگ
کام کاج ایسے کرے نبی ولی سب دنگ (صفحہ ۲۹۱)

(۱۰) جو سبھاوجا کو بھیو وا کوں وھی سو بھائے
کھت چرنی کسمل ہے بھنور کیتک جائے (صفحہ ۱۶۰)

(۱۱) مال کال پیچھے پریو آج کال توہ کھائے
بوری پانو پکھال لے ندی بہتی جائے (صفحہ ۱۹۰)

(۱۲) نرا دھار کو دھیردی نر دھن کوں مال
ھونسنگ نپا کرو ایسے دین دیال (صفحہ ۲۲۷)

(۱۳) جو چاہے سو ھی کرے و اساں کڑو نانھ
رائی سوں پربت کرے پربت رائی مانھ (صفحہ ۲۳۱)

(۱۴) گیہوں جو اور باجرا موٹھ مونگ پھل پھول
کھیت کاٹ ایسا لونڑے جیسا باھا مول (صفحہ ۲۵۹)

ذیل میں کتاب سے بعض نمونے دیے جاتے ہیں :

(۱) مصر کی عورتوں میں زلیخا کافی بدنام ہو چکی ہے، وہ طرح طرح سے اس کو ملامت کرتی ہیں ۔ مصنف نے اس موقع پر کئی عنوان قائم کیے ہیں ۔ ایک ہندوستانی زبان میں ، دوسرا دکنی میں ، تیسرا عربی میں ۔ گویا مختلف قومیتوں کی عورتوں میں اس کی بدنامی مسلم ہے ۔ چناں چہ :

طعنہ بہ زبان ہندوستان

اور جو بیبیاں ہندوستانی — طعنہ ان کی سنڈرو زبانی
آپس میں وے کریں جو باتاں — بیٹھ بیٹھ کر ہاتھ ہلاتیاں
اے سنڈرا تم نیں وہ پھر کی — ہوئی اسے تاثیر کدھر کی
بدی خوار بھونڈپی بجراگی — دیکھو اس کی بے شرماگی
بڈی بے حیا خوار لگائی — اری اسے کچھ لاج نہ آئی
ساکھ باپ دادا کی کھوئی — اگلی پچھلی بات ڈبوئی
پنچوں میں کیا مونہہ لے بیٹھے — کونڈ جو اسکے گھر میں پیٹھے
کھو لے جو پانڈی بھر چوڑیں — ناک ڈبو مر اسمیں انوڑیں
آپ غلام جو گھر میں پالا — اس کے اوپر ہبتا ڈالا
اے بدی کچھ پھرک گئی ہے — نیاونکووی جھڑک گئی ہے
جاہ ری رانڈ خدا کی ماری — پنچوں کی ڈالی پھٹکاری
ایسی رانڈ نہ پیدا ہوتی — اوروں کی جیوں ساکھ نکھوتی
نوح جنڑی جاؤ وہ بیٹی — جو تو ایسی بدی لپیٹی
اے بھڑا نکوں سوں ڈرجے — نہیں خبر اب کیا کیا کرجے
تین گور میں بھی دن بھاری — کسے کیا خبر کیا ہو کھاری

(صفحہ ۹۸)

طعن بر زلیخا بزبان دکھنی

دکھن میں جو گلا گذاری — کون بھانت کہیں نار بچاری
دکھنی زبان جو ماریں طعنا — اسکے کھول کہیں یوں معنا
کے خوں تمیں سنڑی ہیں باتاں — کیا ان کری سو بکراں گھاتاں

بی بیاں ہوچھے اسکوں کرنا اتنا بھلا ہے اسکوں مرنا
تمینچہ ویکھو ان کیا کری اپنی عقل پہ پتھری دھری
مالنی ملی موئی کی بھڑکی بدلے گھر الکی پنکڑی اڑ کی
نانو بڈیانکا اپے بساری اپچہ اپنی کر لی خواری
کتیے غلام انگیے نہاآیا ہبٹا کری سو جاما بھالیا
اونچہ گئی جب خاوند ملیا مارنیچہ کی خاطر چلیا
اکے اماں کچھ کری بہانا کیا کی کری مگر طوفانان
یوسف پر بہسان اٹھایا اپے کری سو اسے لگایا
خدا نا کرے بی بی ایسی کوئی اچھینگی باندی ویسی
ہمیں نکو اسکوں بتلاؤ اس کے کدن نکو کوئی جاؤ
(صفحہ ۹۸)

طعن بر زلیخا بزبان عربی

عارب پریاں جو اصل کہایاں شہر مصر میں یوں بتلایاں
کھلے زلیخا پر جو طعنے ان کی سنپرو عبارت یعنے

هل سمعت ما فعلت حره
خبلها السيطان و ضره
قد القت جلباب الحيا
سد عليها باب الحيا
لا صلاح فيها قد ضلت
القت ما فيها و تخلت
صارت امه من الاماء
عارت من اسم الاباء
لا تقلن بی حره مالت للمملوک
فسقت عن الطريقة خرجت عن السلوک
کيف تراور وصل فتاها
شغف القلب بحب خطاها
نحن نراها لفی ضلال
وزن ذکرها تم القال

(۲) یہ اقتباس حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصے میں سے ہے۔ ایک شخص آ کر ان سے حیوانات کی زبان سیکھنے کی درخواست کرتا ہے۔ وہ اُس سے یہ وعدہ لے کر کہ کسی کو نہیں بتائے گا، سکھا دیتے ہیں اور صاف سنا دیتے ہیں کہ اگر کسی کو بتائے گا تو ہلاک ہوجائے گا:

"قصۂ آن شخص کہ نزد سلیمان علیہ السلام آمدہ زبان حیوانات آموختہ"

ایک روز ایک بندا آیا التماس کر یوں بتلایا
جانوروں کی زبان سکھاؤ جو میں کہوں سو خاطر لیاؤ
کہا سیکھ کر اگر بتاوے اسی وقت پر تو مر جاوے
کہا کہوں نا کسیکے آگے سلیمان جب کہنے لاگے
کہا المنۃ گھر جا تو بھائی ہم نیں تجھے زبان سکھائی
آیا گھر کوں چل کر واہی اور سنڑو اسرار الٰہی
گدھا بیل تھے اس کے گھر میں لیا وینچا ناج نگر میں
جب وہ انپڑیں گھر میں آیا گدھا بیل سوں یوں بتلایا
بدا سخت ہے خاوند میرا ہم پر ظلم کرے بہتیرا
سدا ناج کی گونڑیں ڈالے ایک روز بھی کدی نہ ٹالے
اگر بیل تو ہے کچھ سیانا میں بولوں سو پکڑ بہانا
آج گھاس دے منجھے ادھارا اگر لگے جی تجکوں پیارا
صبح گھاس الٹا میں دیونگا تنکا تنکا ادا کروں گا
جو تو آج نہ گھاس چرے گا فجر نہ تجھ پر گونڑ دھرے گا
کہے بیل میرا آزاری کیونکر گونڑ دھروں میں بھاری
اسی بھانت ہوگی آسانی دور ہوئے سب سر گردانی
پیچھے میں آزاری ہوں گا یعنی یہی بہانہ لیوں گا
انی سنڑ کر بیل بے چارہ کھڑا ہو رہا چھوڑا چارہ
خاوند ھسا یوسنڑ کر ساری جب وہ گھر کی رانڈ پکاری
کون کاج تو ھنسا بتا دے منجھے کھول وہ بات سنڑا دے
کہا بیٹھ اس میں کیا لے گی یوں ہی اپنا زیان کرے گی

نجر ھوئی جب ڈالا چارا — بول اٹھا وہ بیل بے چارا
میرا گھاس منجھے دے بھائی — رات بھوکھ سوں نیند نہ آئی
گدھا کہے نہیں سٹری کہانی — خاوند گیا کسا یوں کانی
کہا بیل میرا آزاری — رھا رات کوں بھوکھا ساری
آکر مول شتابی لیجا — تیرا من مانے سو دے جا
اب سے ہے وہ تازہ موٹا — لے جا تجکوں ھوے نہ ٹوٹا
آج اگر تو گھاس چرے گا — پانڑیں پی کر تاز کرے گا
لیجا تجکوں آج کسائی — ذبح کرے گا بے شک بھائی
منجھے آج بھی دے تو چارا — باگھ مار جا ھولے دکھیارا
دبلا دیکھ کسائی بھاگے — مجھے لین کوں جیو نہ لاگے
انی سنڑ پھر بیل بچارہ — کھڑا ھو رھا چھوڑا چارا
پھیر ھنسا وہ بیلوں والا — عورت بیٹھی کھانے۔ نوالا
پھیر خصم سوں یونکر بوجھا — تو کیوں ھنسا تجھے کیا سوجھا
کہا بیٹھ تو چپکی گھر میں — نہیں نفع کچھ ایسے ذکر میں
کہا اگر تو نہیں بتاوے — منجکوں پھیر نہ گھر میں پاوے
دے طلاق جیوں باھر جاؤں — کے[1] میں خبر ھنسی کی پاؤں
کہا اگر میں تجھے کہوں گا — یہی جانڑ تحقیق مروں گا
کہا موت آئی تو مر جا — خبر ھنسی کی مجکوں کر جا
دیکھ رانڈ کی بے شرماگی — سکے خصم کوں مارن لاگی
میا جال لوھی رک ستا — ایک نہیں یو لاگے سستا
کوئی کہیں کے لوگ لگائی — لوگوں نے مل کری سکائی
سکھی ھوئے تو لاگے پیارا — ناھیں مرو خدا کا مارا
پت بھرتا جوھیں سو چاھیں — ھٹ لیوا کی اور نباھیں
سکھی رکھو یا ھو دکھ دیوا — نت اٹھ کریں پیا کی سیوا
سنڑو پھر باقی کا قصا — بیچھ پڑا پھرے کا حصا
روٹی کھانے خصم کوں بوجھی — تو کیوں ھنسے تجھے کیا سوجھی

---

۱ - کے = یا (مرتب)

بول اٹھا پھر وھی بے چارہ — اری منجھے تو چاھے مارا
منجھے مار کر کہہ کیا لیکی — اب تو چپکی ھو رہ بیکی
رانڈ کہے میں رھوں نہ برجی — ایسی بات کہی الکرجی
ھار مان جب گھر میں بیٹھا — قلم دان کاغذ لے بیٹھا
لکھی نصیحت ایسیں کیجیو — دان دین یوں لیجیو دیجیو
بیوی نیں جب ایک نوالا — ٹکڑا توڑ کتے کوں ڈالا
دوڑا مرغا لیا شتابی — کہا کتے نیں ھائے خرابی
ظلم کیا تیں مرغے بھائی — اریہہ موت دھنڈیں کی آئی
جب یوں بول اٹھا وہ مرغا — خاوند کو سمجھا کر چرغا
ھوا رانڈ کے جو کوئی سارے — سو تو رندوا موا بھلا رے
مان پان کر کھان کھلاجے — آچھا نیکا لیائے پنہاجے
ایسا کدی نہ ھوچے سارے — جیسا میرا میاں ھوارے
ایسا اس کا حکم بجاوے — اپڑاں پیارا جیو گنواوے
میری جو نو مرغیاں سوجھیں — کیا مجال میرے سوں بوجھیں
اس کی ٹھور اگر میں ھوتا — مار رانڈ کی سدھ بدھ کھوتا
کے یہہ رانڈ امانی مرتی — کے جھک مار سو توبا کرتی
سنڑ خاوند کے ھوا اجالا — لیا گھنسیلا کاغذ ڈالا
مرد ھویکر ایسی ساری — توبا توبا رانڈ پکاری
کدی نہ پوچھوں گی پھر باتاں — ایسیاں منجھے ممارو لاتاں
بھلا کیا یوں بتا نرھتی — پھیر لاڈ کیاں باتاں کہتی
جو وہ مرغا اگر نہ ھوتا — خاوند جیو بچارا کھوتا
لیکن عمر رھی نھی باقی — کیا خدا نیں مرغا ساقی
(صفحہ ۲۵۹ ، ۲۶۰)

(۲) یہ ایک لکڑ ھارے کا قصہ ھے جس کو حضرت سلیمان تین مرتبہ لعل عطا کرتے ھیں اور وہ ھر بار کھو دیتا ھے :

در مجالس والا لیا وے — قصہ یوں کر کھول چلاوے
ایک روز وہ نبی پیارا — کسی گانو کے پاس سدھارا
ویرانے میں جا کر ڈیرا — کیا لالہ سارا بھتیرا

اسی ٹھور دیکھا ایک بندا — کرے پیٹ کی خاطر دھندا
ہاتھ لکریا کمر کہاری — سیس بھروٹا[1] لکری بھاری
چلا نسنگ بنڑیں[2] سوں آوے — ہولے ہولے قدم اٹھاوے
پانو اٹ پٹین سیس جوھلے — دیہہ ڈگمگے ایسیں چلے
پردا نپٹ نیں میں پانی — کیس بیس بدلے سب بانی
نظر نبی کی جب وہ آیا — رحم کیا اسکوں بتلایا
بیٹے میاں ٹک آگے آؤ — کہوناؤ کیا ہے بتلاؤ
دیکھ نبی کا نور اجالا — بول اٹھا وہ لکڑیوں والا
سلیمان ہے نانو جو میرا — کہو کام کیا منجھسوں تیرا
روز اٹھوں میں بن میں جاؤں — لکڑیاں لے کر گھر کوں آؤں
بیچوں محنت کروں مزوری — کھاؤں قوت حلال ضروری
لیجا بال بچوں کوں پالوں — میں بھی اپنے مکھ میں ڈالوں
جب پیغمبر من میں لیایا — پاک تجھے کریم خدایا
سلیمان ہے نانو جو میرا — مال ملک مجکوں بہتیرا
سب دنیا فرمان برداری — کرے سو میری خدمت گاری
سلیمان ایک یہی کٹھیارا — سر پر لکڑیاں کمر کہارا
گرتا پڑتا گھر کوں آوے — اسے بینچ کر کام چلاوے
یہی بول سر تاج اتارا — کیا لال ایک اس تیں نیارا
اس بوڑھے کوں دیا بلا کر — یہی بات بولے سمجھا کر
اسے بینچ گھر بیٹھے کھاؤ — پھیر نہ لکڑیاں لینے آؤ
ایسی اس کی قیمت بھاری — کدی نہو تجکوں ناداری
ڈال دیا بوڑھے نیں بھارا — لیا لال اب چلا بچارا
بار بار میں مولھی کھولے — دیکھ دیکھ اسکوں یوں بولے
اے کریم تو خالق باری — پتھرے پر کیا جوت اتاری
ویکھ چیل نیں اسکوں آئی — کہا گوشت کی بوٹی پائی

۱- بھروٹا = گٹھا (گھاس یا لکڑی وغیرہ کا) - پنجابی میں بھی مستعمل ہے بہ طور بھری کے اسم تصغیر کے (مرتب)

۲- بن (جنگل) کا اسم تصغیر (مرتب)

جھپٹ مار کر لال اٹھایا　　روے روے بوڑھا پچھتایا
کہا گھروں کیا لے کر جاؤں　　بھلا جو وہی لکڑیاں لیاؤں
بالک بھوکے مریں بچارے　　میری آس کریں وے سارے
جا کر واھی لیاؤں بھارا　　بوڑھا الٹ پھرا بے چارا
بہت گھابرا بن میں آیا　　ڈھونڈھا کہیں نہ بھارا پایا
کہا گھروں کیا لے کر جاؤں　　بال بچے کیوں کر سمجھاؤں
یہی سمجھ کر بن میں سویا　　جاگ جاگ پچھتا کر رویا
بالک میرے دکھی بچارے　　بھوکھے مریں پکاریں سارے
فجر ھوئی جب اٹھا بچارا　　سیس دھرا لکڑیوں کا بھارا
اسی ٹھور پر چل کر آیا　　جہاں نبی نے تخت بچھایا
دیکھ نبی کے من میں آئی　　اسکوں ایتی حرص لگائی
لال مال ھے ایسا بھاری　　اس کی نسل سکھی ھو ساری
ایتا ھو کر لکڑیاں لیاوے　　ھاے حرص اسے کام کراوے
یہی بول اسکوں بتلایا　　کبھ لکڑیوں کو پھر کیوں آیا
کہا لال میں لے کر بھاگا　　موٹھی کھول سو ویکھن لاگا
پڑی ٹوٹ کر چیل شتابی　　ترت لے گئی ھوئی خرابی
خالی گھر جاتا سر مایا　　الٹ پھیر لکڑیوں کو آیا
پھیر نبی نیں ناج اتارا　　کیا لال ایک اس تیں نیارا
بوڑھے کوں پھیر پاس بلا کر　　دیا بہت چوکس سمجھا کر
کہا پھیر مت کھول دیکھاجے　　خبردار ھو کر لے جاجے
لیا لال محکم کر پیارا　　موٹھی مونچے چلا بچارا
اسی راہ میں نالہ آیا　　پانو چل گیا غوطہ کھایا
ھوا گھابرا ڈوبن لاگا　　ہاتھ کھل گیا اٹھ کر بھاگا
ھوا بے خبر لال گنوایا　　ڈھونڈھا تو پھر کہیں نپایا

اشارت و نصیحت چتاونی

بے خبری جا کے گھٹ آوے　　واھی اپڑاں لال گنواوے
دنیا بھی جو بہتی نالا　　جیں نیں پانو اس میں ڈالا
اس میں رہٹ پڑا سو ڈوبا　　بھول گیا اچھا منصوبا

غافل ہو کر لال گنوایا　　آدانپ پاچھے پچھتایا
لال عمر یہ خاصی تیری　　جس کی قیمت ہے بہتیری
بار بار پھر ملے نہ پاھی　　کر لے اس میں یاد الٰہی
خوب بندگی توبہ کر لے　　کما کجا کر ہر تل بھر لے
دنیا اگر یوں مل کر ساری　　کریں تجھے فرماں برداری
مال مملکت مل کر سارا　　ہوئے ملک، تیری یک تھارا
مرے جو ایمان نپاوے　　کہہ وہ کام تجھے کیا آوے
جیے ایمان ہوا نستارا　　پڑو کوے میں اور پسارا
لال ہوا تو سب کچھ پایا　　خوار ہوا جن لال گنوایا
سنڑو لال کیاں پھر کر باتاں　　بیجہ کہہ گئے چار نکاتاں
بوڑھے نس جب لال گنوایا　　پھیر بچارا بن میں آیا
لکڑیاں باندھ بھروتا بھاری　　گھر کوں چلا سو کرتا زاری
ہاے ہمارے بالک سارے　　روتے ہوں گے سبھی بچارے
پھیر مل گیا نبی پیارا　　بوڑھے کوں پھر یہی پکارا
لکڑیوں کوں تو پھر کیوں آیا　　کہا نبی میں لال گنوایا
پھیر نبی نیں تاج اتارا　　کیا لال ایک اس میں نیارا
بوڑھے کوں جب دیا شتابی　　کہا نکیجے پھیر خرابی
باندھ لال پگریمیں چلا　　نگہبان رکھوالا اللہ
ایک سوار اچانک آیا　　لال کھوس گھوڑا دوڑایا
ہو نراس جب بوڑھا بھاگا　　آئے نبی سوں کہنے لاگا
منجھے مل گیا وھاں ہتھ پاڑا　　اس نیں لیا سو میرا جھاڑا
وہی لال لے گیا سو میرا　　میں نیں کیا شور بہتیرا
ہرگز اسکوں رحم نہ آیا　　ایسی بھانت گھوڑا دوڑایا
کہا نبی نیں سنڑ رے بھائی　　میں تو ہمت بہت چلائی
خدا بچا ہے میں جو چاہوں　　کوں بھانت یہہ اور نباہوں
کہا نبی تم نیں بہتیری　　کری دست گیری سب میری
جیوں نصیب میرے ہیں واھی　　راکھے مجکوں آپ الٰہی
یہی بول کر بن میں آیا　　لکڑیاں لیا کر کام چلایا

(صفحہ ۲۵۱ ، ۲۵۵)

باز آمدن بسوی قصۂ آن پیر ہیزم کش

اسی وقت پر تخت اٹھایا | اسی گانو کن جا پہنچایا
جہاں بسے تھا وہ گٹھیارا | وہاں جاے کر تخت اتارا
بھیجہ آدمی اسے بلایا | اس نیں یوں پیغام کہایا
پیادا چلوں منجھے ہو خواری | منجھے چاھئے اب اسواری
کہا نبی نیں دولت آئی | جب اس نیں یوں بات چلائی
گھوڑا بھیجا اسے بلایا | جب وہ گھوڑے چڑھ کر آیا
کہا نبی نیں کہہ رے بھائی | کون بھانت یہ دولت آئی
کہا نبی میں وہی گٹھیارا | س سوں لکڑیاں لیاوں ھارا
جب تم گئے کری میں راری | اے کریم تو حالق باری
کری نبی نیں مجھے دلاسا | تین لال بخشے تھے خاصا
لیکن وے سب مجھے نہ بھائے | تینیں دنوں لال گنوائے
اب میں تیری کروں جو آسا | تو کر میری خوب دلاسا
اتنا بول نی میں آیا | ایک جھاڑ پر نظر چلایا
چیل گھونسلے میں تھاں لکڑیاں | میں نیں ویہی جا کر پکڑیاں
تینوں لال اسی میں پائے | حب میں نیں اسے ہاتھ بنائے
سدا کروں حق کا شکرانا | پڑھوں نماراں اور دوگانا
ہے خدای سب باتوں جوگا[1] | ایسا کوئی ہوا نہ ہوگا

(صفحہ ۲۵۷، ۲۵۸)

۱۔ بہ معنی لائق و قابل ۔ پنجابی میں بھی انھی معنوں میں عام مستعمل ہے (مرتب)

اردو کی شاخ

هریانی زبان میں تالیفات

(از 'اورینٹل کالج میگزین' بابت ماہ نومبر ۱۹۳۱ء و فروری ۱۹۳۲ء)

(۱)

جغرافیائی حیثیت سے هریانے کا اطلاق اس قطعۂ زمین پر هوتا ہے جو اکثر ضلع حصار اور بعض علاقۂ رهتک پر شامل ہے ۔ اس کی حدود میں تحصیل فتح آباد اور حصار کا مشرقی حصہ ، تمام تحصیل هانسی ، تحصیل بهوانی کے نصف شرقی کا بعض حصہ ، ریاست جیند کی نظامت دادری کا شمال مشرقی حصہ ، ریاست دوجانہ کا بعض علاقہ اور ضلع رهتک میں شہر رهتک و مہم ، جھجر و کلانور وغیرہ شامل سمجھنے چاهیں ۔

هریانے کی وجہ تسمیہ درست طور پر معلوم نہیں ہے ۔ اس سلسلے میں مختلف توجیہیں پیش کی جاتی هیں ؛ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ایک نا معلوم زمانے میں اودھ سے ایک راجہ هری چندر نے آ کر اس علاقے کو بسایا تھا ، اس لیے راجہ کے نام پر یہ ملک هریانہ کہلانے لگا ۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ هریانہ دراصل هندی لفظ 'هری' یعنی مقتول سے ماخوذ ہے ۔ چوں کہ یہاں ایک گاؤں میں جو جیند سے چند میل مغرب میں واقع ہے ، پرسرام نے اکیس مختلف موقعوں پر کھتریوں کا قتل عام کیا تھا ، اس لیے تمام خطے کا نام هریانہ پڑ گیا ۔

ایک جدید توجیہ یہ ہے کہ ہریابن ایک جنگلی بوٹی اس علاقے میں عہد قدیم میں کثرت سے ہوا کرتی تھی اس لیے بوٹی کے نام پر تمام پرگنہ ہریانہ کہلایا۔

ایک تاویل حسب ذیل ہے کہ ہریانہ 'ہرے' یعنی سبز سے ماخوذ ہے۔ جن دنوں اس علاقے میں دریائے سرسوتی بہتا تھا، ان دنوں یہاں کی زمین بہت سرسبز و شاداب تھی؛ چناں چہ ہریالی کی نسبت سے ہریانہ کہنے میں آیا۔ (صفحہ ۱۸، حصار گزیٹیر، ۱۹۰۴ء)

ہریانہ بہر حال مسلمانی عہد سے قبل کا نام معلوم ہوتا ہے کیوں کہ تاریخ طبقات ناصری میں ایک موقعے پر یہ نام ہمیں ملتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ اطراف دہلی کے پہاڑی باشندے مسلمانی مقبوضات میں لوٹ مار کی غرض سے گھس آتے تھے اور دور دور تک چھاپے مارتے تھے؛ چناں چہ سوالک، ہیانہ اور ہریانہ کی نواح میں یہ وارداتیں کثرت سے ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ ہانسی کے علاقے سے جو سلطان ناصر الدین محمود (۶۴۴ھ و ۶۶۴ھ) کے عہد میں الغ خان معظم بلبن کی جاگیر میں تھا، سرکاری اونٹوں کا گلہ ہنکا کر لے گئے۔ اس لیے ۶۵۸ھ میں بلبن بیس ہزار فوج اپنے ساتھ لے کر ان کی سرا دہی کو جاتا ہے۔ طبقات کی عبارت یہ ہے:

"الغ خان معظم را عزیمت بہت کوہ پایہ اطراف حضرت مصمم گشت کہ در این کوہ پایہ جماعت مفسدہ بودند کہ مدام قطع طریق و نہب اموال مسلمانان و تفرقۂ رعایا و تاراج دیہہ ہائے حوالی ہریانہ و سوالک و بیانہ از لوازم فساد ایشان بود و پیش ازیں تاریخ سہ سال گلہ ہائے شتر از جملہ خدم و مخلصان درگاہ الغ خانی عز نصرہم از حوالئی ولایت ہانسی بردہ بودند۔"

(طبقات ناصری از منہاج سراج، صفحہ ۳۱۳)

لسانی حیثیت سے ہریانے کا اطلاق اضلاع کرنال و دہلی و رہتک، جنوب مشرق گوشۂ علاقہ ریاست پٹیالہ، مشرق علاقہ حصار پر نیز ریاستہائے نابھہ و جیند کے اس متفرق علاقے پر جو اضلاع رہتک و

حصار کے مابین ہے ، کیا جا سکتا ہے جس کی حدود اربعہ حسب ذیل ہیں :

مشرق میں حد فاصل دریائے جمنا ہے جو اسے بالائی دوآبے سے منفصل کرتا ہے ، شمال میں ضلع انبالہ ، جنوب میں ضلع گوڑگانوہ ، مغرب میں ریاست پٹیالہ اور جنوب میں ضلع حصار ۔ اس رقبے میں وہ حصہ جو ضلع کرنال و دھلی پر شامل ہے اور جمنا کے مشرق کنارے پر واقع ہے ، کھادر کہلاتا ہے اور وہ علاقہ جو ریاست پٹیالہ میں نروانا سے شروع ہو کر جنوب میں جیند نظامت ضلع رھتک اور نصف مشرق نظامت دادری ریاست جیند اور نصف شمالی حصہ ریاست نابھہ واقع مغرب ریواڑی ، بانگڑ کے نام سے موسوم ہے ۔ اس تمام علاقے یعنی ھریانہ ، کھادر اور بانگڑ میں ایک ھی زبان بہ ادنیٰ تغیر بولی جاتی ہے ۔ لیکن جغرافیائی بنا پر اس کے دو نام ہو گئے ہیں ، یعنی ھریانہ میں 'ھریانی' اور بانگڑ میں 'بانگڑو' ۔ مگر تعلیم یافتہ ھریانی نام پسند کرتے ہیں ۔ اس کے علاوہ اسے 'دیساری' اور 'دیسوالی' بھی کہتے ہیں ۔ دھلی میں 'جاٹو' بھی کہتے ہیں ۔ سرکاری رپورٹ اور دیگر مصنفین کا بیان ہے کہ اس زبان میں کسی قسم کا علم ادب نہیں ہے ۔ (پیمائش لسانی ، از سر جارج گریرسن ، جلد نہم ، صفحہ ٦٦)

ھریانی پر کئی زبانوں کے اثرات کام کر رہے ہیں ، یعنی مشرق میں گوڑگانوے کی سمت برج بھاکا کی وہ شاخ جسے مسٹر ای ۔ جوزف[1] امیرواٹی کے نام سے یاد کرتے ہیں ، ٹھیک جھجر پر آ کر اس سے مل جاتی ہے ۔ جنوب میں راجستھانی یا مارواڑی سے اسے واسطہ پڑتا ہے اور شمال میں پنجابی سے جہاں پٹیالہ و دیگر ریاستیں اٹھارھویں صدی عیسوی کے اواخر سے قائم ہو گئی ہیں ۔

ھریانے میں قدیم زمانے سے مسلمان کثرت سے آباد تھے ۔ دھلی کے قرب کی وجہ سے ظاہر ہے کہ یہاں مسلمان آبادی بڑی تعداد میں ہوگی ۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے

---

۱ ۔ جرنل ۔ ڈ ۔ س ۔ ب ۔ ۱۹۱۰ء 'جاٹو زبان کی فرھنگ ۔'

ان کی آبادی اس نواح میں کم ہو گئی ہے۔

اسلامی عہد کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی عہد میں سلطان مسعود شہید (۴۲۱ھ و ۴۳۲ھ) نے ہانسی کو فتح کیا ہے۔ ایک عرصے کے بعد اگرچہ ہانسی غزنویوں کے قبضے سے نکل جاتا ہے لیکن سرستی جو ق زمانیا سرسہ کہلاتا ہے، مسعود ثالث (۴۹۲ھ و ۵۰۹ھ) کے دور میں ان کے مقبوضات میں شامل تھا۔ یہ اطلاع ہمیں خواجہ مسعود سعد سلمان کی مثنوی کے ایک مصرعے سے ملتی ہے۔ میں وہ مصرع آپ کو سنا دیتا ہوں : ع

عامل سرستی ازو برخورد

ہانسی قدیم زمانے میں ہریانے کا صدر ضلع تھا۔ اس شہر میں کثرت کے ساتھ مسلمانی آثار اور کتبے جو ہمیں غوریوں کے عہد تک لے جاتے ہیں، ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ جمال الدین قطب ہانسوی، شیخ قطب الدین منور و دیگر مشائخ کی بنا پر یہ شہر دین داری اور مسلمانی علوم کا سر چشمہ رہا ہے۔ شعرا میں شیخ جمال الدین مذکور کے علاوہ مولانا مغیث ہانسوی نے زیادہ شہرت پائی ہے۔ ان کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری ہے۔ پٹھانوں کے عہد سے اس شہر کی اہمیت گھٹ جاتی ہے، تاہم عالمگیر کے زمانے میں عبدالواسع ہانسوی نے فارسی میں ناموری حاصل کی ہے۔ نارنول پٹھانوں کے عہد سے مرکزی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس شہر میں سوریوں اور مغلوں کی ٹکسال برابر رہی ہے۔ جھجر کو اٹھارھویں صدی عیسوی میں عروج ملتا ہے جب وہ نوابان فرخ آباد کے زیر حکومت آ جاتا ہے۔

تغلقوں کے عہد میں فیروز شاہ (۷۵۲ھ و ۷۹۰ھ) نہریں لا کر اس علاقے کو سرسبز اور خوش حال بنا دیتا ہے۔ سرکاری گزیٹیر میں بہ حوالۂ تاریخ مبارک شاہی لکھا ہے کہ فیروز شاہ ایک نہر دریائے ستلج سے کاٹ کر جھجر میں لایا تھا (صفحہ ۲۴، رہتک گزیٹیر)۔

اس بادشاہ نے فتح آباد اور حصار فیروز دو شہر اس نواح میں آباد کیے ہیں۔ پہلا شہر آج کل تحصیل ہے، دوسرا شہر جواب اجمالاً

حصار کہلاتا ہے ، ضلع حصار کا صدر مقام ہے ۔ فیروز شاہ ایک اور نہر دریائے جمنا سے کاٹ کر حصار فیروزہ تک لے گیا تھا ۔ نواب علی مردان خاں ۱۶۴۳ء میں بہ عہد شاہ جہان اسی نہر کی مرمت کرکے رھتک کے راستے دھلی لے جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناکام رھتا ہے ۔ بالآخر نہر کا راستہ زیادہ مسرقی اختیار کیا جاتا ہے اور رھتک کو اس نہر کی ایک شاخ کے ذریعے سے ملحق کر دیا جاتا ہے ۔ (صفحہ ۱۸ ، رھتک گزیٹیر ، ۱۹۱۰ء)

حصار گزیٹیر میں اس نہر کو نہر مغربی جمنا کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ مغربی نہر جمنا فیروز شاہ نے ۱۳۵۵ء میں تعمیر کی جو پہلے صرف ھانسی تک تھی ۔ آئندہ اسے نوتعمیر شہر یعنی حصار فیروزہ تک بڑھا دیا گیا ۔ (صفحہ ۴۲ ، حصار گزیٹیر ، حصہ الف ؛ ۱۹۱۵ء)

فرخ سیر کے عہد میں بلوچوں نے اس نواح میں اپنی ریاست کی بنیاد ڈالی ۔ ریاست کا بانی دلیل خاں ہے جو بادشاہ کی طرف سے فوجدار خاں کے خطاب سے سر افراز ھوتا ہے ۔ ضلع گوڑ گانوے میں فوجدار خاں ایک نیا شہر فرخ سیر کے نام پر فرخ نگر آباد کرتا ہے اور یہی شہر اس کا دارالریاست بن جاتا ہے ۔ اس کے فرزند کامگار خاں نے جو ۱۱۶۱ھ ، ۱۷۴۷ء میں گدی نشین ھوتا ہے (میں یہ واقعات تارخ جھجھر تالیف منشی غلام نبی تحصیل دار ، ۱۸۶۶ء سے نقل کر رھا ھوں) اپنے مقبوضات کو پھیلانا شروع کیا ۔ ۱۱۶۷ھ ، ۱۸۵۳ء میں پرگنہ جھجھر پر اس کا قبضہ ھو جاتا ہے ۔ بہت جلد بعد شاھی حکم سے وہ جیند ، ھانسی اور حصار تک کا علاقہ اپنی حکومت میں شامل کر لیتا ہے ۔ کامگار خاں ۱۱۷۱ھ ، ۱۷۶۰ء میں فوت ھوتا ہے ۔ اس کے فرزند موسیٰ خاں کے عہد میں بھرت پور کے جاٹ اس علاقے پر حملہ کرتے ھیں اور نواب فرخ نگر میں محصور ھو جاتا ہے ۔ جب حملہ آور شہر کی فتح سے مایوس ھو جاتے ھیں وہ خداعی سے کام لیتے ھیں اور صلح کر لیتے ھیں ۔ صلح کے بعد نواب قلعے سے نکل کر جواھر سنگھ خلف سورج مل جاٹ سے ملنے کے لیے جو جاٹوں کا

سپہ سالار تھا ، اس کے لشکر میں جاتا ہے اور مع اپنے تمام ارا کین و عمائد کے گرفتار کر لیا جاتا ہے اور تمام ریاست پر جاٹوں کا قبضہ ہو جاتا ہے ۔ نجف خان ، شاہ عالم کا وزیر جاٹوں کو بے دخل کرتا ہے اور نواب موسیٰ خان ۱۱۸۶ھ و ۱۷۷۲ء میں شہر فرخ نگر پر دوبارہ قابض ہو جاتا ہے ۔ جھجھر کچھ عرصے کے لیے شمرو اور بیگم شمرو کی جاگیر میں آ جاتا ہے ، پھر نجف قلی خاں کی جاگیر میں دے دیا جاتا ہے ۔ ۱۲۰۴ھ ، ۱۷۹۰ء میں جھجھر پر سکھوں کا قبضہ ہو جاتا ہے ۔ دوسرے سال مرہٹے گھس آتے ہیں اور سکھ چل دیتے ہیں ۔ مرہٹوں کے زمانے میں ایک انگریز طامس نامی اس نواح میں عروج حاصل کرتا ہے ۔ ابتدا میں یہ طامس مرہٹوں کا ملازم تھا ، بعد میں وہ تمام ہریانے کا خود مختار حکمراں بن گیا اور ۱۸۰۲ء تک بالاستقلال حکومت کرتا رہا ۔ آخر میں سکھ ، جاٹ اور مرہٹے اتحادی اس پر حملہ کرتے ہیں اور بہ دقت تمام اس کو ہزیمت دیتے ہیں اور طامس اس علاقے سے دست بردار ہو کر انگریزی علاقے میں چلا جاتا ہے ۔ اس واقعے کے دو سال بعد ہریانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تصرف میں آ جاتا ہے ۔

یہ موٹے موٹے سیاسی واقعات ہیں جو اٹھارھویں صدی عیسوی میں ہریانے میں رونما ہوئے ہیں اور ان واقعات نے زبان پر بھی اثر ڈالا ہے ۔ ہمارے عہد کی ہریانی گویا مختلف زبانوں کی رزم گاہ بن گئی ہے ۔ برج بھاکا مشرق سے بڑھتی ہوئی عین جھجھر کے کنارے آ لگی ہے ۔ پنجابی شمال سے اس کے علاقے کے اندر بہت دور گھس آتی ہے ، جنوب سے نو آباد کاروں کے ذریعے سے مارواڑی داخل ہو گئی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ ہریانے کے مختلف دیہات میں مختلف قسم کی بولی سننے میں آتی ہے ۔ مثلاً کلانور[1] میں جو رہتک کے پاس ایک قصبہ ہے ، بولتے ہیں :

"تیں کت گیا تھا" یعنی تو کہاں گیا تھا ، لیکن کلانور سے

---

[1] یہ اس کلانور سے مختلف ہے جہاں اکبر کی تخت نشینی ہوئی تھی اور جو موجودہ ضلع گورداس پور میں واقع ہے ۔ (مرتب)

ملحق دیہات میں یہی جملہ یوں بولا جاتا ہے ''توں کٹھے گیو تھو'' جو سراسر برج بھاکا کا پرتو ہے۔

یہ بوقلمونی اس زبان کے افعال تک میں نفوذ کر گئی ہے۔ مثلاً فعل حال کی گردان لیجیے :

وا (جاوے ، جا) ہے۔ وے (جاویں ، جاں) ہیں۔ یں (جاوے جا) ہے۔ تم جاؤ ہو۔ میں جاؤں ہوں۔ ہم جاواں ہاں۔

دوسری صورت میں 'ہ' 'س' کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ یعنی :

وا ، اوہ جا سے۔ ویہہ جاسیں۔ تونہہ جا سے ، تہم (تم ، تونہہ) جاؤ سو۔ میں جاں سوں ، ہم (جاں ، جاواں) ساں۔

ماضی قریب :

اس (اونہہ) نیں کہیو سے۔ آن نیں کہیو سے۔ تونہہ نیں کہیو سے۔ تم نیں کہیو سے۔ من نیں کہیو سے۔ ہم نیں کہیو سے۔

ماضی بعید :

اوہ کہے تھا۔ وے کہیں تھے۔ تو کہے تھا۔ تم کہو تھے۔ میں کہوں تھا۔ ہم کہاں تھے۔

ادھر ماضی تمنائی ملاحظہ ہو جو پنجابی معلوم ہوتی ہے :

وا (اوہ) کہندا۔ وینہہ کہندے۔ تونہہ کہندا۔ تہم کہندے۔ میں کہیندا۔ ہم کہیندے۔

'نے' بہ حیثیت علامت فاعل و مفعول کثرت سے استعمال ہوتا ہے، مثلاً 'من نے صاحب نے ماریا' یعنی مجھے صاحب نے مارا۔ ایک اور مثال سنیے :

''اس نے گئے نے کے سال ہوئے'' یعنی اسے گئے کے سال ہوئے۔

راؤ محمد عثمان ساکن کلانور ضلع رھتک جنھوں نے میرے لیے ہریانی زبان کی قواعد کا ایک مختصر سا خاکہ تیار کیا ہے ، لکھتے ہیں کہ اس زبان میں لفظ کا آخری 'الف' اکثر 'واؤ' کے ساتھ بدل جاتا

ہے ، مثلاً اردو کا 'کیا کیا' ہریانی میں 'کے کریو' ہے اور 'کہاں گیا تھا' 'کت گیوتھو' ہے ۔

مختصر یہ ہے کہ الف واؤ سے بدل جاتا ہے ۔ مسٹر ای ۔ جوزف آئی ۔ سی ۔ ایس ۔ جنھوں نے جاٹو زبان کی ایک مختصر سی فرہنگ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں بابت ۱۹۱۰ء شائع کی ہے ، یہ تغیر جھجھر کے عین جنوب میں ظاہر کرتے ہیں ۔ ان کا بیان ہے کہ جیسے ہی ہم شہر جھجھر سے نکلتے ہیں ، جنوب کے جاٹوں میں آھیرواٹی کا اثر مشاہدہ کرنے لگتے ہیں ۔ اس زبان کی بڑی علامت یہ ہے کہ آخری الف واؤ میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔ مثلاً اگر کسی جھجھر کے اھیر یا اس کے ہمسایہ جاٹ کو یہ کہنا مقصود ہو ''بڑا اچھا باجرا ہوا ہے'' تو وہ کہے گا ''بڑو آچھو باجرو ہوو'' (صفحہ ۶۹۵ ، جرنل ۔ اے ۔ س ۔ ب ۔ ۱۹۱۰ء)

میں اس زبان کے قواعد کی تفصیلی کیفیت بیان کر کے آپ لوگوں کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا ۔ اسی قدر کہنا مناسب ہے کہ اگرچہ فی زماننا اس زبان میں بہت کچھ ابتری آگئی ہے لیکن عالمگیر اور اس کے بعد کے زمانے میں اس کی یہ حالت نہیں تھی ۔ اس عہد کی ہریانی بہ استثنا بعض امور اردو زبان کے بہت قریب تھی ۔ نہ 'الف' 'واؤ' سے بدلتا ہے ، نہ 'ہ' 'سیں' سے بدلی ہے اور نہ مفعولی 'نے' نظر آتا ہے ۔ نہ اس کی صرف و نحو اور بول چال میں اس قدر اختلاف ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس عہد کی اردو یہی ہے ۔

شمالی ہندوستان میں خوش قسمتی سے ہریانہ ہی وہ مقام ہے جہاں مقامی زبان میں ادبیات کی اشاعت کی تحریک سب سے پہلے شروع ہوتی ہے ۔ ہانسی ، جھجھر ، رہتک ، نارنول اور سہم اس خصوص میں قابل ذکر ہیں ۔ ہم ان اسباب سے جو اس تحریک کو بروئے کار لاتے ہیں ، قطعاً بے خبر ہیں لیکن ان کے آثار سے آگاہ ہیں ۔ دیکھا جاتا ہے کہ یہ تحریک مختلف شعبوں میں کام کر رہی ہے ۔ اس کا پہلا اثر یہ ہوا ہے کہ مقامی زبان کو تعلیم کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے اور اس

مقصد کو مدنظر رکھ کر نئے تعلیمی نصاب تیار کیے جاتے ہیں ۔ عالمگیر کے عہد کے مشہور فارسی دان میر عبدالواسع ھانسوی اس نقطۂ نظر سے اپنا نصاب سہ زبان جو ''صمد باری'' کے نام سے مشہور ھے تیار کرتے ھیں ۔ یہ نصاب ''خالق باری'' کی طرز کی چیز ھے ، لیکن خالق باری سے کہیں بہتر اور مفید ھے ۔ ذیل میں اس نصاب کے بعض ابیات نقل ہوتے ھیں جن سے آپ کو اس تالیف کا اندازہ ہوجائے گا :۔

خواندن نوشتن فہمیدن جانو	پڑھنا لکھنا سمجھنا مانو
آوردن بردن سوختن کہیے	لانا لیجانا جلانا لہیے
پختن سودن شحالیدن جان	پکانا کھسنا کھرچنا مان
سرشتن کوفتن درشتن کہو	گوندھنا کوٹنا روسنا لہو
تافتن بافتن ساختن جانو	بانٹنا بننا سنوارنا پہچانو
مزیدن چاویدن بلعیدن جان	چوسنا چابنا نگلنا مان

یہ اشعار میں نے اس کے آخری باب ، باب مصادر سے نقل کیے ھیں ۔ باقی کتاب میں عبدالواسع نے ھر مصرعے میں عربی ، فارسی اور ھندی الفاظ کا التزام بالترتیب کیا ھے ۔ مثلاً ابتدا کے اشعار :

صمد پاک نرنجن جان	نبی پیمبر سیٹھ پہچان
ملک فرشتہ دیوتا مان	صحیفہ نامہ پاتی بکھان
فلک سپہر انبر کہیے	ارض زمین دھرتی لہیے

خاتمہ کتاب میں یہ شعر آتا ھے :

عبدالواسع سے یہ کتاب	تین زبانوں کی ھے نصاب

نصاب سہ زبان کئی مرتبہ چھپ چکا ھے ۔

خیر ایسے نصاب تو اس وقت ھندوستان کے اور حصوں میں بھی تیار ہو رہے ھیں لیکن دوسری بڑی بات جو اور علاقوں میں نظر نہیں آتی اور اس خطے میں دیکھی جاتی ھے ، یہ ھے کہ ھندی لغت کی تدوین شروع ہوگئی ھے ۔ انھی عبدالواسع نے جن کا ذکر اوپر آچکا ھے ، ایسے

هندی الفاظ کی ایک فرہنگ لکھی ہے جن کے معنی آسانی سے فارسی لغات میں نہیں ملتے - اس فرہنگ کا نام ''غرائب اللغات'' ہے - اصل فرہنگ میری نظر سے نہیں گزری لیکن بارھویں صدی ھجری کے وسط میں سراج الدین علی خان آرزو نے اسی ''غرائب اللغات'' کی ایک جدید اشاعت ضروری تصحیح و ترمیم و اضافے کے بعد مرتب کی ہے ؛ یہ اشاعت ہمارے سامنے ہے - اس تالیف سے زبان کے سلسلے میں ہمیں کئی مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں - مثلاً یہ کہ خان آرزو عبدالواسع کی زبان کو معیاری زبان نہیں مانتے - وہ جگہ جگہ اس کے الفاظ پر اعتراض کرتے ہیں اور ان الفاظ کی بجائے دوسرے الفاظ جو زیادہ تر گوالیاری یعنی برج سے تعلق رکھتے ہیں ، پیش کرتے ہیں - اس سلسلے میں انھوں نے بعض وقت مصنف پر چوٹیں بھی کی ہیں - سب سے زیادہ جس بات سے تعجب ہوتا ہے ، یہ ہے کہ خان دھلی کی زبان اور اردو کو بھی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے - ان کے نزدیک ہندوستانی زبانوں میں سب سے زیادہ شائستہ اور مہذب زبان گوالیاری ہے - چنانچہ اسی گوالیاری کے الفاظ اکثر موقعوں پر نقل کیے ہیں اور اردو سے بہت کم سند لی ہے -

خان نے دیباچے میں لکھا ہے :

''میگوید فقیر حقیر سراج الدین علی آرزو مخلص کہ یکے از فضلای کامگار و نامدار ہندوستان جنت نشان کتابے در فن لغت تالیف نمودے مسمیٰ بہ غرائب اللغات و لغات ہندی کہ فارسی یا عربی یا ترکی آں زبان زد اہل این دیار کم تر بودہ در آن با معنی آن مرقوم فرمودہ چوں اکثر در بیان معانی الفاظ تساھلے و سقمے بہ نظر آمد لہذا نسخہ درین باب بہ قلم آوردہ جائیکہ سہو و خطای معلوم کرد اشارہ بداں نمودے ونیز آنچہ بطبع ناقص این کمال دوست در آمد بر آن افزود -''

کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خان نے زیادہ تر مصنف پر دو قسم کے اعتراض کیے ہیں ؛ یعنی ہندی الفاظ کے فارسی وغیرہ زبانوں کے مرادفات کے سلسلے میں یا خود ان ہندی الفاظ کے غیرٹکسالی

ہونے کے متعلق - ہمیں یہاں صرف شق دوم سے تعلق ہے - اردو کو معیار مان کر کہا جاسکتا ہے کہ خان کے اکثر اعتراض صحیح ہیں لیکن ایسے موقعے بھی ہیں جن میں خان کے اعتراضوں کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا - ذیل میں ان نظری الفاظ میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے -

غرائب اللغات میں ایک لفظ 'ایوارہ' آتا ہے جس کے لیے مصنف نے کہا ہے : ''جائیکہ در صحرا و کوهستان برای چارپایان سازند تا شب درانجا باشند'' - ریگستانی علاقے میں برسات کے موسم میں جب گھروں میں کیچڑ ہو جاتا ہے ، لوگ اپنے مویشیوں بالخصوص بھیڑ بکریوں کے لیے آبادی سے فاصلے پر صاف سی جگہ دیکھ کر باڑہ بنا دیتے ہیں اور رات کے وقت جانوروں کو اس باڑے میں بند کرتے ہیں - یہ باڑہ 'ایوارہ' کہلاتا ہے - مارواڑی میں 'ایواڑہ'[1] کہتے ہیں - خان آرزو اس دیہاتی لفظ پر اعتراض کرتے ہیں اور طنزاً کہتے ہیں : ''ایوارہ زبان وطن صاحب رسالہ بود'' اور پھر فرماتے ہیں ''بہ زبان برج و گوالیار کہ افصح است آں را کھرک گویند''- اسی طرح 'اکل' ایک اور لفظ ہے - مصنف نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے : ''اکل چوبے کہ در پیش در افکنند -''

اس پر خان آرزو بگڑ کر فرماتے ہیں : ''لیکن اکل زبان وطن مصنف خواهد بود -''

خان 'اکل' کے واسطے 'بینڈہ' تجویز کرتے ہیں اور کہتے ہیں : ''بہ زبان گوالیار کہ افصح زبان های هندی است بینڈہ گویند'' - میں یہاں اس قدر اضافہ کروں گا کہ اکل یا آگل اب بھی مستعمل ہے - مغلوں سے پہلے کے اکثر فرہنگ نگار اس لفظ سے واقف ہیں اور 'مجوبہ' کے ترجمے میں یہی لفظ استعمال کرتے ہیں - فضل الدین محمد بن محمود کڑی

[1] ایواڑہ (اسم ظرف مکان) 'ایوڑ' سے مشتق ہے جس کے معنی راجستھانی (مارواڑی) زبان میں 'ریوڑ' یا بھیڑ بکریوں کے گلے کے ہیں ، (مرتب)

اپنی ''شرح مخزن اسرار'' میں جو ۱۰۹۵ھ میں تالیف ہوتی ہے ، مجوزہ کے ہندی ترجمے میں بھی لفظ 'اگل' لاتے ہیں ۔

ایک اور لفظ 'جیلی' ہے جس کے واسطے مصنف نے کہا تھا کہ وہ ایک دو شاخہ لکڑی ہے جس سے کھلیان میں بالیوں کے سمٹنے اور الٹ پلٹ کرنے میں مدد لی جاتی ہے ؛ خان اس لفظ کو بھی نامنظور کرتے ہیں اور کہتے ہیں :

''اما در ہندی معارف گوالیار کہ افصح السنۂ ہندی است بجانگرا گویند ۔''

یہاں معاملہ بر عکس ہے ؛ 'بجانگرا' اردو میں نہیں آتا اور 'جیلی' آتا ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہریانی میں بعض صورتوں میں 'ے' 'واؤ' سے بدل جایا کرتی ہے ، مثلاً عرائب اللغات میں 'آفتابہ' کو 'آفتاوا' 'ابرہ' کو 'اورہ' اور 'اردا ہ' کو 'ارداوہ' تحریر کیا ہے ۔ خان پہلے لفظ کے لیے فرماتے ہیں :

''روزمرۂ جہال ہندوستان است''

دوسرے کے واسطے لکھا ہے : ''از کہال بے تحقیقی است'' تیسرے لفظ 'ارداوہ' کے لیے کہا ہے : ''این غلط عوام ہندوستان است'' ۔

پھسلنے کے واسطے عبدالواسع نے 'اکھڑنا' لکھا ہے ۔ خان کی اصلاح ہے کہ 'اکھٹنا' کہو ۔ اگر کیچڑ میں پھسلیں تو 'کھسلنا' بولو ۔ غلے کے کھتے کے واسطے عبدالواسع نے 'کھاس' لکھا ہے ۔ آرزو نے 'کھو' بتلایا ہے ۔ مگر اردو میں دونوں نا معلوم ہیں ۔ عبدالواسع نے آئین بندی کے معنوں میں 'کبڑ کوٹ' کا لفظ لکھا ہے ، آرزو نے 'چھاؤنا' صحیح بتایا ہے ، اردو میں 'چھاؤنا' مطلق نہیں آتا ۔ البتہ ڈیرے تنبو کے واسطے 'کپڑ کوٹ' آ جاتا ہے ۔ آگے چل کر 'بجادے' پر اعتراض ہے کیوں کہ مصنف نے اسے وسیع معنوں میں یعنی مٹی کے برتن اینٹیں اور چونے کی بھٹی کے واسطے استعمال کیا ہے ۔ خان کہتے ہیں 'پجادہ' اینٹوں کے واسطے ، 'آوا' برتنوں کے واسطے اور 'بھٹی' چونے کے واسطے بولتے ہیں ۔

اس کے بعد 'تکیہ' پر نکتہ چینی ہوتی ہے ۔ خان کا بیان ہے کہ یہ عربی لفظ ہے ۔ اس کے لیے ہندی صحیح ''گینڈوا'' ہے ، مگر آ۔ 'گینڈوے' سے کون واقف ہے ۔ عبدالواسع کے 'پھلاونے' یعنی 'پھلانے کی جگہ خان نے 'پھسلانا' لکھا ہے ۔

'پھوس' کے متعلق عبدالواسع نے کہا تھا کہ اس سے آگ جلائی جاتی ہے ۔ خان فرماتے ہیں یہ غلط ہے ، 'پھوس' وہ چیز ہے جس کا چھپر بنتا ہے ۔ بڑے کان والے شخص کے لیے میر نے 'جھبڑ کنا' لکھا ، خان نے 'چھج کنا' بنایا ۔

چھرے کے متعلق عبدالواسع نے لکھا تھا ''کارد بزرگ'' ۔ خان آرزو اس پر کہتے ہیں ''در رسالہ منظومۂ امیر خسرو چھرہ بہ معنی استرہ است و مشہور در قصبات ہندوستان نیز ہمیں است'' ۔ رسالہ منظومہ سے مراد ''خالق باری'' ہے اور شعر ذیل میں چھرا آیا ہے :

جاروب سوھنی کہ سبدست ٹوکرا
مقراض کترنی کہ بود استرہ چھرا

چھرا فی زماننا انھی معنوں میں مستعمل ہے جو میر عبدالواسع نے بیان کیے ہیں ۔

''عرائب اللغات'' میں 'سلپٹ' گھسے ہوئے پیسے اور روپے کے واسطے لایا گیا ہے ۔ خان صاحب کو اس سے بھی اختلاف ہے ۔ کہتے ہیں 'کھوٹنہ' یعنی کھوٹا بولو ۔ مولف نے 'گانڈر' کے لیے لکھا تھا کہ ایک قسم کی گھاس ہے جس کی جھاڑویں بنتی ہیں ۔ خان صاحب معترض ہیں کہ گوالیاری میں 'گانڈر' خس کو کہتے ہیں جس کی ٹٹیاں بنتی ہیں ، بھلا اس کی جھاڑو کون بنانے لگا ۔ در حقیقت خان کا اعتراض صحیح ہے ۔

بطور جملہ معترضہ یہاں مجھے یہ بھی کہہ دینا چاہیے کہ خان صاحب غالباً پہلے شخص ہیں جو 'اردو' کا لفظ بہ معنی زبان استعمال میں لاتے ہیں ۔

ایک موقعے پر غرائب اللغات میں 'رجواڑہ' به معنی قحبه خانه لایا گیا ہے - خان اس لفظ پر مطمئن نہیں ہیں - لکھتے ہیں :

''رجواڑہ بدین معنی اصطلاح شاہ جہان آباد است بلکه اهل اردو است که این قسم اماکن اکثر در لسکر راجہا می باشند و الا در اصل رجواڑہ جای بودن راجہا است -''

اور 'گزک' کے متعلق کہا ہے :

''لیکن گزک به اصطلاح اهل اردو نوعے است شیرینی که از کنجد و شکر سازند -''

علی هذا 'نکتورہ' کی سبب جس کے معنی مصنف نے سوراخ بینی لکھے ہیں ، خان آرزو کا قول ہے :

''نکتورہ در عرف اردو وغیرہ به معنی حرف ناز و غرور است و به معنی سوراخ بینی نکسر -''

هڑپھنا ایک اور لفظ ہے - غرایب اللغات میں بغیر چبائے نگلنے کے مفہوم میں لایا گیا ہے - اس کے متعلق خان کا ارشاد ہے :

لیکن هڑپھنا به زبان اردو اهل شہرها نیست ، شاید زبان قریات و مواضع باشد و بدیں معنی نگلنا شہرت دارد -''

اس مطالعے سے کسی قدر ہمیں مختلف زبانوں کی حیثیت کا پتا چلتا ہے - 'گوالیاری' کو خان آرزو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں - 'اردو' یا 'زبان دهلی' ان کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی ہے ، اور 'هریانی' زبان تو قابل خطاب بھی نہیں ہے - حالاں که اگر دیکھا جائے تو 'اردو' اور 'هریانی' میں بہت خفیف سا فرق ہے -

غرائب اللغات کے پچانوے چھیانوے فی صدی الفاظ آج بھی اردو میں به تغیر لہجہ رائج ہیں - لہجے سے مری مراد یہ ہے که تلفظ اور اصوات میں کسی قدر فرق ہے - مثلاً هریانی میں اردو کی 'رائے هندی' کی جگه 'دال هندی' کا زیادہ رواج ہے - عبدالواسع 'ساڑھو' کو 'ساڈھو' 'کڑھی' کو 'کڈھی' - 'جھاڑ' کو 'جھاڈ' - 'مسوڑے' کو 'مسوڈھا'

لکھتے ہیں یا مثلاً 'چلمن' کو 'چلون' 'پانے' کو 'پاونا' - 'چڑانے' کو 'چڑاونا' - 'پھلانے' کو 'پھلاونا' لکھ رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ عہد عالمگیر میں دھلی میں بھی یہی تلفظ رواج پذیر تھا - حقیقت یہ ہے کہ ہماری اردو زبان اس وقت سیالی کیفیت میں تھی - فصیح اور غیر فصیح ، محاورہ اور بے محاورہ کا کوئی معیار نہ تھا - عوام کی بولی تھی ، خواص کو اس سے سروکار نہ تھا - تب ہی تو خان آرزو تنگ تنگ کر ''غلط عوام ھندوستان و روزمرۂ جہال ھندوستان'' لکھتے ھیں - آمدم بر سر مطلب -

ھریانے میں اس تحریک کا دوسرا اقدام یہ ہے کہ اس زبان میں عہد عالمگیر سے باقاعدہ تالیفات کا سلسلہ شروع ھو جاتا ہے - مسلمانوں نے ھر عہد میں مذھب کے ساتھ قریبی تعلق رکھا ہے - چناں چہ اس علاقے میں بھی لوگوں نے سب سے پیشتر مذھبی مسائل و دینی مطالب کی اشاعت کو ضروری سمجھا - ابتدا حسب معمول نظم سے ھوئی اور عروضی وزن اھل پنجاب کے تتبع میں پنجابی اختیار کیا گیا -

۱ - شیخ عبداللہ انصاری

اس سلسلے میں سب سے پہلے شیخ عبداللہ انصاری قابل ذکر ھیں - ان کے متعلق ھم اسی قدر جانتے ھیں کہ ابتدائی عہد اورنگ زیب عالمگیر کے ایک بزرگ ھیں ' عبدی تخلص کرتے ھیں اور عبادتی مسائل پر ایک مختصر رسالہ بنام ''فقہ ھندی'' ۱۰۷۳ھ میں تصنیف کرتے ھیں ، ''فقہ ھندی'' کا ذکر سب سے پہلے اسپرنگر اپنی فہرست کتب خانہ اودھ میں صفحہ ۶۱۱ پر کرتا ہے - اس کے بعد فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی اپنی تاریخ ادبیات ھندی و ھندوستانی میں اس کا تذکرہ کرتا ہے - اسپرنگر اس کتاب کو شیخ جیون عرف محبوب عالم کی طرف منسوب کرتا ہے ، لیکن محبوب عالم سے اس تصنیف کو کوئی علاقہ نہیں - گزشتہ سال فقہ ھندی کا ایک نسخہ مجھ کو ملا ہے ، جس کے خاتمے پر مصنف کا نام شیخ عبداللہ انصاری صاف مرقوم ہے - خاتمے کی عبارت حسب ذیل ہے :

''کاتب الحروف سید مصاحب علی ساکن گھڑتل برای نظر فیض اثر کپتان صاحب کپتان شیخ اسد اللہ حیو دام ظلہ بروز دو شنبہ تحریر شد سویم جمادی الاول ۱۲۴۷ھ مقام ستھل پور بھرمیرا تحریر یافت - تمت تمام شد کار من نظام شد - کتاب فقہ ہندی تصنیف شیخ عبداللہ انصاری [رحمت] تحریر یافت -''

اس شہادت کے علاوہ مصنف کے تخلص سے بھی جو عبدی ہے ، تائید ہوتی ہے کہ ناظم کتاب کا نام عبداللہ ہوگا - اسپرنگر ایک غلط فہمی کے زیر اثر اس کتاب کو محبوب عالم کی تصنیف مانتا ہے - اس کے پیش نظر ایک ہی جلد میں 'مسائل ہندی' من محبوب عالم اور 'فقہ ہندی' ہیں - دونوں کو وہ ایک کتاب تصور کرتا ہے - چناں چہ پہلے وہ اس کو 'محشرنامہ' لکھتا ہے ، مگر فقہ ہندی کے خاتمے کے شعر دیکھ کر کہتا ہے کہ اس کتاب کا نام 'محشرنامہ' ٹھیک نہیں بلکہ 'فقہ ہندی' ہونا چاہیے - 'فقہ ہندی' کے خاتمے کے شعر یہ ہیں :

فقہ ہندی کو مومناں آنو زباں پر یاد
مسلہ آوے دین کا مول نہووے فساد

سن ہزار چوہتر بیچ رمضان تمام
اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا نظام

'فقہ ہندی' میں پنجابی اثر کافی موجود ہے - عروضی وزن کے علاوہ اس میں پنجابی الفاظ مثلاً نال ، آکھنا ، ڈیٹھا ، کیتا ، چنگا ، پنج ، آننا ، بوجھنا وغیرہ موجود ہیں - جملوں کی ترکیب و ساخت پنجابی کے بہت قریب ہے - مثلاً 'فقہ ہندی' کا مصرع :

کیتے مسلے دین کے عبدی کہے آمن

اور 'رسالۂ مہتدی'[1] کا مصرع :

واجب نماز دے عبدی کہے آمن

---

۱ - عبادی مسائل پر ایک رسالہ ہے جو ۱۰۷۹ھ میں مولانا عبدی بن محمد ساکن بانو نے بہ زبان پنجابی لکھا ہے -

نیز 'فقہ ھندی' کا مصرع :

مسلے آویں دین کے مول نہ ھوے فساد

اور 'رسالہ مہدی' کا مصرع :

آکھاں وقت سوال دے مول نہ ہوے فساد

آپس میں مناسبت قریبہ رکھتے ھیں ۔ مزید برآں عبدی پنجابی زبان میں ایک سے زائد شاعروں کا تخلص ھے ۔ بلکہ ایک عبدی شاھجہان کے آخر عہد تک زندہ ھے ۔ یہ مماثلت قریبہ دیکھ کر ''پنجاب میں اردو'' لکھتے وقت میں نے عبدی مصنف ''فقہ ھندی'' کو پنجاب کے اردو نگاروں میں شامل کرلیا تھا ۔ لیکن اب جب کہ ان دو سالوں میں ھریانہ دبستان کی کئی کتابیں نظر سے گزر چکی ھیں ، مجھ کو اپنے نظریے کے متعلق شکوک پیدا ھوگئے ھیں ۔ میں ''فقہ ھندی'' کو ھریانہ دبستان میں شامل کرنا زیادہ مناسب سمجھتا ھوں ، یا ستلج پار کے اس علاقے کی طرف منسوب کروں گا جو ایک طرف ھریانہ سے اور دوسری طرف دھلی سے قریب ھو ۔ اور پنجاب کے اثر کا بھی حامل ھو ۔

''فقہ ھندی'' کی زبان اس معاملے میں ھماری زیادہ دست گیری نہیں کرتی کیوں کہ وہ ایک ایسے ماھر فقیہ کے قلم سے نکلی ھے جو اپنے مضمون کے سوا ایک لفظ بھی غیر ضروری حوالۂ قلم نہیں کرنا چاھتا ۔ مصنف کو اپنے مضمون پر بدرجۂ غایت دسترس ھے ۔ وہ فقہی اصطلاحات نہایت آسانی سے برتتا ھے اور ھندی الفاظ و دیگر حشویات سے جو ایک زبان کی خصوصیات کے مطالعے کا موقع دیتے ھیں ، احتراز کرتا ھے ۔ تاھم ذیل میں بعض الفاظ دیے جاتے ھیں جو مصنف کی زبان پر روشنی ڈالتے ھیں ۔ ھریانی برج بھاشا کے تتبع میں 'دال ھندی' کا استعمال زیادہ کرتی ھے ۔ ''فقہ ھندی'' میں یہ خصوصیت موجود ھے ۔ مثلاً ساڑھے کو 'ساڈھے' ۔ اوڑھنی کو 'اوڈھنی' ، چھوڑ کو 'چھوڈ' ۔ پڑھے کو 'پڈھے' ۔ ڈاڑھی کو 'ڈاڈھی' اور گھٹنے کو 'گوڈا' لکھا ھے ۔ ھریانی کی طرح حرف کی حرکت کے مطابق ثانی حرف علت اضافہ

کر دیا گیا ہے یعنی برائی کو 'بورائی' ۔ رکھے کو 'راکھے' ۔ سچ کو 'ساچ' ۔ سکھانے کو 'سکھاؤنا' ۔ نٔس کو 'بائیں' ۔ ھڈی کو 'ھاڈ' ۔ لہو کو 'لوھو' کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے ۔

مصادر میں وہ بالکل هریانی سے متفق ہے یعنی 'سکھاونا' ۔ 'آونا' ۔ 'بجھاونا' ۔ 'پیونا' ۔ 'سوونا' وغیرہ ۔ ڈالنے کو 'ڈارنا' لکھا ہے جو هریانی مطابق ہے ۔ هریانی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صیغۂ جمع راجستھانی کی طرح آتا ہے ، مثلاً جانویں کی جگہ 'جاواں' یا 'جاں' کہتے ھیں ۔ فقہ ھندی میں یہ خصوصیت بھی موجود ہے ، مثال :

بعضے آویں بہشت میں بعضے دوزخ جاہیہ

بعض الفاظ جو بار بار آئے ھیں یہ ھیں :

میں ۔ ماہیہ ۔ میں ۔ سوں ۔ ناہیہ (نہیں) بن میں (تس میں) ۔ کو (کوئی) ۔ نال ۔ مول ۔ تس کوں (جس کو) ۔ داں ابب) ۔ آگوں (آگے) دوجے (دوسرے) ۔ کھچ (کھینچ) ۔ پہچوں (پیچھے) موند (سر) ۔ باؤ (باد شکم) ۔ بیچ (ظرفیہ) چمڑا ۔ ماس ۔ ڈھارنا (پانی سے دھارنا) ۔ ٹھانو ۔ چھرا ۔ آرسی ۔ کپڑا ۔ لون ۔ ٹھاڈا (کھڑا) ۔ ٹھاڈا ھونا (کھڑا ھونا) ۔ یہ لفظ هریانی میں عام ہے ۔ پیڑ (درخت) ۔ جورو ۔ کاج (واسطے) ۔ دیہ (جسم) کاڈ (نکال) وغیرہ ۔

جمع کا وھی طریقہ ہے جو پرانی اردو ، دکھنی ، پنجابی اور هریانی میں رائج ہے ، یعنی عورت کی جمع عورتاں ، گائے کی جمع گاواں آئی ہے ۔

ریختہ کی مختلف اقسام میں جو میر تقی میر نے اپنے تذکرۂ نکات الشعرا میں بیان کی ھیں ، ایک قسم یہ ہے کہ ھندی جملے میں فارسی افعال و حروف کا استعمال کیا جائے ۔ اس کی مثالیں ''فقہ ھندی'' میں مختلف مقامات پر ملی ھیں ۔ مثلاً :

''عذاب گور برحق ہے یہ مسلہ پندار''

یا

''دست بوسی بر مومناں ھاتھ یتیم پر مال''

دیگر ''لب بینی کے بال لے سارے ناخن چین''

دیگر ''تین فرض ہیں غسل کے بیچ کتاب بجوی''

دیگر ''ایک تیمم نال ستوں فرض نفل گذار''

دیگر ''شمشیر چھرا اور آرسی کپڑا نہ کر مال''

دیگر ''چلتی ناو میں بیٹھ کے نماز درست شمار''

دیگر ''آگوں عیدالفطر کے صدقہ واجب گیر''

بعض فارسی عربی الفاظ میں تصرفات کیے گئے ہیں ۔ دریا کو 'دریاو' ۔ جدا کو 'جدی' اور 'جائز' کو 'جاز' لکھا ہے ۔ میں صرف پچھلے لفظ کی مثال پر قناعت کرتا ہوں :

''بیمار ٹھاڈا نہ ہوسکے بیٹھا کرے نماز
رکوع سجود نہ کرسکے اشارات سوں ہے جاز''

دیگر

''جو کرے آگے وقت کے وہ نماز نجاز

یہاں چند ابیات بہ طور نمونہ کلام زکوۃ کی فصل سے نقل ہوتے ہیں :

''اصل عبادت مال کی زکوۃ دینا جان
چھ شرط موجود پر زکوۃ فرض پچھان

عاقل، بالغ، مسلمان، اصیل، صاحب مال
اور فاضل ہوویں سوں گذرے تمام سال

جو شرط موجود پرندے مال زکوۃ
دوزخ کے عذاب سوں پاوے نہیں نجات

بیچ زکوۃ دو فرض ہیں ہریک لے پچھان
قدر واجب جدا کرے نیت دل میں آن

ساڈھے باون تولچه روپا هو موجود
پندره ماشه چھ رتی زکوة جدا کر زود

ساڈھے سات تولچه سونے بیچیں سو
دو ماشه اور دو رتی زکوة لازم هو

روپا سونا خام هو یا درهم دینار
یا زیور آوند هو ایک حساب شمار''۔

معلوم هوتا ہے که فقه هندی گذشته دو صدیوں میں بے حد مقبول رهی ہے۔ اس کے قلمی نسخے اب بھی دستیاب هوتے هیں اور کئی مطبعوں میں چھپ بھی چکی ہے۔ ۱۲۹۱ھ میں مطبع سیدالمطابع نے ''رسالہ عبدو'' کے نام سے طبع کی ہے اور بمبئی میں ''فقه هندی'' کے نام سے چھپی ہے، لیکن مصنف کا نام مذکور نہیں ہے۔

۲۔ شیخ محبوب عالم ساکن جھجھر

هریانه دبستان کے دوسرے مصنف شیخ محبوب عالم جھجھر کے رهنے والے هیں۔ اسپرنگر نے اپنی فہرست کتب خانهٔ اوده میں ان کا ذکر کیا ہے۔ گارساں دتاسی کی تاریخ ادبیات هندی و هندوستانی کا بیان زیاده تر اسپرنگر سے ماخوذ ہے۔

اسپرنگر نے محبوب عالم کا اصل نام محمد جیون لکھا ہے اور عرف محبوب عالم۔ میں نے ''پنجاب میں اردو'' لکھتے وقت یه سوچ کر که جیون عرف هوسکتا ہے نه محبوب عالم، ان کا نام محبوب عالم اور عرف جیون لکھ دیا تھا لیکن اب جب که اس سلسلے میں صحیح معلومات بہم پہنچی ہے، مجھے کہنا پڑتا ہے که محبوب عالم اور محمد جیون دو مختلف اشخاص هیں۔

اسپرنگر نے محبوب عالم کی تصنیفات کی یه فہرست دی ہے:

(۱) ''محشر نامه'': جس کو وه بعد میں 'فقه هندی' کہتا ہے۔ اس کے صفحے ۱۵۰ اور فی صفحه ۱۵ سطور هیں لیکن حقیقت یه ہے که یه نه کتاب ''محشرنامه'' ہے اور نه ''فقه هندی'' بلکه ''مسائل هندی''

ہے جو محبوب عالم ہی کی ایک اور تصنیف ہے ۔ اس کا افتتاحی شعر فہرست اسپرنگر میں یوں درج ہے ۔

اللہ مولیٰ پاک ہے دو جگ سرجن ہار
جن دھا یار صدق سوں سوئی اترے پار

حقیقت میں یہ شعر مسائل ہندی کا افتتاحیہ ہے ۔

(۲) ''محشر نامہ'' : جس کے بیس صفحات اور پندرہ سطریں فی صفحہ ہیں ۔ آغاز کا بیت یوں ہے :

ربا میرا ایک توں ناہیں کوئی دوجا
تجھ سا سائیں چھاڈ کر کس لاؤں پوجا

(۳) ''درد نامہ'' : جس کے صفحات ۱۰۰ اور فی صفحہ ۱۵ سطور ہیں ۔ ابتدائی شعر حسب ذیل ہے ۔

جیوں میں پہل نام رحمان کا
تیوں گیان میں دھیان سبحان کا

(۴) ''خواب نامۂ پیغمبر'' : جس کا پہلا شعر یہ ہے :

شکر حق کہتا ہوں پہلی بات ماں
شرم میری راکھیو ہر بات ماں

لیکن یہ رسالہ محبوب عالم کی تصنیف نہیں ہے بلکہ عبدالحکیم مہمی اس کے مالک ہیں ۔

(۵) ''دھیر نامہ بی بی فاطمہ خاتون'' : یہ دراصل ''دھیز نامہ'' ہے اور شاہ عبدالحکیم کے قلم سے نکلا ہے ۔

بدقسمتی سے ہم شیخ محبوب عالم کی شخصیت اور زمانے سے کوئی علم نہیں رکھتے، نہ انھوں نے اپنے حالات زندگی کسی تالیف میں مذکور کیے ہیں ۔ ان کے مختلف نسخوں سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم از کم اپنے وطن میں نہایت احترام اور عزت کے ساتھ یاد کیے جاتے ہیں ۔ ان کی کتابوں کے مختلف کاتب جو گذشتہ صدی سے تعلق

رکھتے ھیں، ان کے نام کے ساتھ شیخ المشائخ، شیخ الشیوخ اور قطب الزماں جیسے قابل حرمت خطاب ضم کرتے رھے ھیں ۔ ایک شعر میں وہ اپنے آپ کو ''اتیت'' یعنے درویش کہتے ھیں ۔ ایک اور موقعے پر اپنے لیے ''عاجز درویش'' کے الفاظ استعمال کر رھے ھیں ۔ علوم میں کم از کم قرآن ، حدیث اور فقہ ان کا تحصیلی سرمایہ ھے ۔ چنانچہ ایک مقام پر کہتے ھیں :

محبوب عالم نے پڑھے علم دین کے تین
قرآن ، حدیث اور فقہ پر لیایا سانچ یقین

ان کی تصنیفات شہادت دیتی ھیں کہ ان کی زندگی مذھب کے مقدس ماحول اور دینی خدمت گزاری کی فضا میں صرف ھوئی ھے ۔ گارسن دتاسی ان کو عالم گیر کے عہد میں شمار کرتا ھے ۔ لیکن یہ خیال اس غلط عقیدے پر مبنی ھے کہ ''فقہ ہندی'' ان کی تصنیف ھے ۔ بہرحال ھمیں ان کا زمانہ ''فقۂ ہندی'' کے مصنف کے زمانے سے موخر ماننا پڑے گا ۔ اور میں خیال کرتا ھوں کہ اگر منتصف اول قرن دوازدھم ھجری میں ان کو رکھا جائے تو مناسب ھے ۔ یہ کسی قدر وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ھے کہ جب محبوب عالم اپنی تصنیفات کے لیے کمربستہ ھوتے ھیں ، اس وقت اردو شاعری کا دبستان دھلی میں موجود نہیں تھا ، کیوں کہ ان کی پہلی دو تالیفیں یعنی ''محشر نامہ'' اور ''مسائل ہندی'' پنجابی دبستان کی تقلید میں لکھی گئی ھیں ۔

ان کی تیسری تصنیف ''درد نامہ'' کی تحریر کے وقت دھلی میں شعر گوئی کا چرچا بہ تقلید فارسی شروع ھو چکا تھا اس لیے اس کو فارسی وزن میں لکھا ھے ۔

''محشر نامہ'' ان کی پہلی تالیف ھے ۔ اس سے بارہ چودہ سال بعد ''مسائل ہندی'' محمد جیون کی فرمائش پر لکھی جاتی ھے اور ''درد نامہ'' آخری تصنیف ھے ۔ میں اسی ترتیب سے ان کتابوں پر تبصرہ کرتا ھوں :

(۱) - محشر نامه

میرے پاس جو نسخہ ہے، بڑی تقطیع پر موٹے قلم میں ۱۲۷۹ھ کا نوشتہ ہے۔ اس کے ۲۶ صفحے اور ہر صفحے پر ۱۵ سطریں ہیں۔ ابتدائی بیت اس سے پیشتر سنا چکا ہوں۔ یہاں خاتمے کا شعر پڑھ دیتا ہوں:

آگے دکھ سکھ بہت ہے اب خواب خیالا
سیانا ہے تو بوجھ کر لے حال سنبھالا

خاتمے پر کاتب نے یہ عبارت مرقوم کی ہے:

''تمت تمام شد ھذالکتاب محشر نامہ شیخ الشیوخ قطب الزمان سرمایۂ عارفاں حضرت شاہ محبوب عالم ساکن قصبۂ جھجھر بخط ناقص شیخ عنایت اللہ ولد حافظ امام بخش دھلوی غفراللہ ذنوبہما بہ تاریخ هشتم ذیقعدہ ۱۲۷۹ھ صورت انجام یافت نقل از کتاب کہنۂ کہ در عہد شاہ عالم پادشاہ غازی ۴۳ جلوس والا تحریر شدہ بود ازاں نقل کردہ شد۔ در شہر رھتک بر مکان بلاس رائے دفتری تحریر یافت''۔

آپ نام سے سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ کتاب آثار قیامت، حشراجساد، اعمال نیک وبد، پل صراط، عذاب دوزخ و نعیم جنت وغیرہ مضامین کا تفصیلاً بیان دیتی ہے۔ تمام سرخیاں فارسی میں ہیں۔

اس کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان ایک روش خاص پر گامزن ہے اور وہ سیالی کیفیت جو آج ہریانی زبان میں مشاہدہ کی جاتی ہے اور جس کے متعلق اس سے پیشتر اشارہ کیا جا چکا ہے، بالکل غائب ہے۔ اردو کے وہ نہایت قریب ہے اور پنجابی کا پرتو بھی اس میں نمایاں ہے۔ مثلاً نالے۔ نال۔ نیڑے۔ دھی۔ دھیا۔ ھت (ھاتھ)۔ جیتھے (جہاں)۔ تہاڈے (تمہارے) وغیرہ پنجابی الفاظ ''محشر نامہ'' کے صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ماضی قریب و فعل حال میں 'ہے'۔ 'ہوں'۔ 'ہیں'۔ 'ہاں'۔ وغیرہ کی جگہ، 'سے'۔ 'سوں'۔ 'سیں'۔ 'ساں' وغیرہ علامات جو ہمارے عہد کی ہریانی میں ملتی ہیں، مطلق نہیں آتیں۔ ماضی بعید و مستقبل میں 'تھا' اور 'گا' کی بجائے 'تھو'

اور 'کو' جو برج کی خصوصیت ہے ، نامعلوم ہے ۔ صابر میں 'مہارو' ۔ 'تہارو' اور 'اونہہ کو' وغیرہ نہیں ملتے ۔ 'نے' علامت مفعولی قطعاً نہیں ملی ۔ 'نے' علامت فاعلی البتہ موجود ہے ۔ جمع مضارع و مستقبل میں 'لائیں' اور 'لائیں گے' کی جگہ ہریانی کا مخصوص انداز 'لاواں' اور 'لاوانگے' حاضر ہیں، اگرچہ پہلی دونوں صورتیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں ۔

مضارع کی مثال :

روز قیامت ہووے جب سبہہ انبر ٹوٹاں
پھٹاں طراں طراں ہو جوں گاگر پھوٹاں

مثال مستقبل

حضرت وفرت تخت پر بیٹھاں گے آچھے ('بیٹھاں گے' یعنی بیٹھیں گے)

دوسری مثال :

چھوٹے گا اس آگ میں جو نیکی پاگا ۔ ('پاگا' یعنی پائے گا) ۔

ان کے علاوہ مستقبل میں دو اور صورتیں ہیں ۔

پہلی کر ہوں یعنی کروں گا ۔ مثال :

جو توں راضی ہوے گا مجھ کر ہوں راضی

ساری کتاب میں صرف یہی ایک مثال ہے ۔ دوسری مثال میں وہ مستقبل ہے جو 'سی' سے بنتا ہے ۔ مثال :

ہاتوں کچھ نا پاؤسی کر حال کہانی ('پاؤسی' یعنی پائے گا) ۔

دوسری مثال :

فضل خدا ہو چھوٹ سی ، تاں اپنے ہوتا

کیجے دیجے وغیرہ اردو میں صیغۂ مخاطب میں آتے ہیں ۔ ''محشر نامہ'' میں صیغہ غائب کے لیے بھی آتے ہیں ۔ مثال :

جن کی بدیاں بہت ہوں وے کیجیں خوارا
دوزخ باندھ جلائیاں سرا دیجیں بہارا

دوسری خصوصیات کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ غنہ کا زیادہ رواج ہے مثلاً :

پھلیں (پھلے) - ناچیں (ناچیں) - بھچاری (بھاری) - مانس (ماس) سیں - کوں - توں - وغیرہ -

ضمائر :

وہ ، یہ ، اے ، وے ، اس ، ان ، یو ، تس ، تیں ، توں ، توہ ، بجھ ، ہم ، تیرا ، تیرے ، تیری ، میں ، موہ ، مجھ ، میرا ، میری ، ھم ، ہمارا ، وغیرہ -

دیگر حروف :

نائیں - جیدھر - تیدھر - کوئی - کوؤ - کو - بہت - بہتا - بہتی - مہہ - یہ - کنہیں - جنہیں -

جمع :

ٹکراں - غریبیاں - - جھوٹاں - اونٹاں - بانگاں - کاندھیں (کاندھے) کانوں - گہانوں - وغیرہ -

اسم صفت بھی موصوف کے مطابق آتا ہے جیسے نیلیاں انکھیاں -

'لام' اور 'رے' کا تبادلہ : جراؤں (جلاؤں) - براؤں (بلاؤں) - ڈار کر (ڈال کر) - بادر (بادل) - گرا (گلا) - دھور (دھول) - اجارے (اجالے) -

'ڈال' اور 'ڑے' کی تبدیلی : چھڈاوے (چھڑاوے) - پڈھو (پڑھو) - بڈا (بڑا) - چھاڈ (چھوڑ) - اوڈاں (اوڑیں) وغیرہ -

ثانی حرف علت : لاگا (لگا) - ماٹی (مٹی) - راکھوں (رکھوں) - سانچ (سچ) - چالیں (چلیں) - ناٹے (نٹے) انکاریہ : ھالے (ھلے) - ھاڈہ (ھڈی) -

فعلیہ شکل : آئکر - کھلائکر - اوٹھائکر - اوچائکر - ہروئکر - لائکر (لگا کر) -

فعل کی ایک اور شکل ہے جس میں غنہ اڑا دیا گیا ہے۔ مثلاً واحد متکلم میں مانگو بجای مانگوں اور جمع غائب میں کانپیں گے بجائے کانپیں گے۔ یہ شکل ندرت کے ساتھ ملتی ہے۔ اردو میں بھی بالخصوص دھلی میں تیرھویں صدی کے پہلے ربع تک موجود ہے۔ ھریانی میں الف زائد بالخصوص قوافی میں بہ کثرت آتا ہے، مثلاً راتا - ناتا - ناسا - آسا - بیانا - گذارا - آگا - پاسا - نراسا - لوکا - خوارا - حالا - مالا - ساتھا - وغیرہ - یہ الف صرف مصرعوں کے آخر میں ملتا ہے - "محشر نامہ" کے نمونے میں حمد سے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ھیں :

میرے من ماں توں رہا جانے توں من کی
اسا مجھ کوں کھینچ لے سدہ ناں ھو تن کی
ساری قدرت یوں رکھا چاھا سو کینی
ایکوں کایا چھین لی ایکوں مایا دینی
ایکوں خوار خراب کرنس در در پھیرے
ایکوں پسیا نسوار کر لسے اپنے بیڑے
ایکوں کوں نت دکھ دیا پھر - کھ ہے ناسا
ایکوں کوں بھہ سکھ دیا اور بھوگ بلا سا
ایکوں بہا مال دیا ایک سینے سالاں
ایکوں کو جنجال دیا ایک ھیرے لالاں
ایک رکھے نت رووتے روویں بہہ ہا. ں
ایک رکھے نت سووے سوویں دن راتاں
ایک راجا کے پوت ھاں ایک پوت فقیراں
ایک حوگی آ دھوت ھیں ایک پھرے رنجیراں
ایک کھڑے ھو یاد ماں ھسی سبھہ چھاڑی
ایک پڑے فریاد ماں دیکھیں یہ خواری
ایک جو بیٹھے تخت پر آپ حکم حلاویں
ایک جو اینٹھے سخت کر بن خاک ڈھولاویں
تجھ خالق کا بہت ڈر راکھوں من مانہیں
دھاؤں بہت چپ لاٹکر نت ساجھہ صباھیں

(۲) مسائل ہندی

یہ کتاب ''محشر نامہ'' سے بارہ چودہ سال بعد لکھی گئی ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، نماز روزہ اور دیگر ارکان اسلامی کے مسائل اس میں مذکور ہیں۔ صفحات کی تعداد ایک سو پچیس اور فی صفحہ ۱۳-۱۵ - سطریں ہیں۔ اسپرنگر نے اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ اودھ میں دیکھا تھا، لیکن وہ اس کو ''محشر نامہ'' اور بعد میں ''فقہ ہندی'' سمجھا، نیز محمد جیون عرف محبوب عالم کو اس کا مصنف بیان کرتا ہے، لیکن اس میں بھی اس کو مغالطہ ہوا ہے۔ محبوب عالم مصنف ہیں اور محمد جیون ان کے دوست ہیں جو کتاب کی تصنیف کے محرک ہیں۔ محبوب عالم سبب تالیف میں لکھتے ہیں کہ جب میں نے قیامت کے ذکر میں ''محشر نامہ'' تالیف کی، اس میں وعدہ کیا تھا کہ دینی مسائل پر ایک علیحدہ کتاب بہ زبان ہندی لکھوں گا۔ اس پر بارہ چودہ سال کا زمانہ گزر گیا۔ بالآخر میرے دوست محمد جیون نے تقاضا شروع کیا کہ وعدہ کیے بہت زمانہ گزر گیا ہے، اب اس کا ایفا کیجیے۔ آپ اگر یہ کتاب لکھ دیں گے تو سب مسلمان اس سے فیض پائیں گے اور دین کی باتیں سیکھ جائیں گے۔ جب ان کا اصرار حد سے گزرا میں نے تعمیل ارشاد کی اور کتاب کا نام ''مسائل ہندی'' رکھا۔

ذیل میں دیباچے کے اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

قیامت کے احوال ماں ہندی کہی کتاب
''محشر نامہ'' ناؤں ہے جانو اے اصحاب

''محشر نامہ'' بیچ مَن وعدہ ایس دیا
ان عاجز درویش نے بوجھو کھول ہیا

امر نہی کی بات موں ہندی بولی بول
شرع ترازو دین کی جدی جو دوں کا تول

بارہ چودہ برس لگ وعدہ لاگی ڈھیل
محمد جیون یار نے کہا آے بے تیل

وعدہ کوں آخر کرو امر نہی کی بات
لکھ دیو ہندی بول کر پانچوں میں دن رات

طلب بہت اس یار کی دیکھی سانچی سوجھ
لکھی کتاب اس واسطے ہندی بولی بوجھ

اور مسلمان اب پڑھاں سیکھاں باباں دین
ہندی کی بولی کے اندر بوجھاں راہ یقین

سبھ فاضل عدا سیں نمی ایک اب ہے
دیکھاں غلطی جے کہیں وے اصلاح لکھے

''مسائل ہندی'' ناؤ اب اس کا کہہ اے یار
پڑھو فاتحہ مجھ اوپر جے بخشے کرتار

''مسائل ہندی'' محبوب عالم نے ایسا معلوم ہوتا ہے شیخ عبداللہ انصاری کی ''فقہ ہندی'' کی تقلید میں لکھی ہے ۔ دونوں کتابوں کے نام اور وزن سے بھی ظاہر ہوتا ہے ۔

میرے پیش نظر اس کتاب کے دو نسخے ہیں : پہلا پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے سے تعلق رکھتا ہے اور ۱۲۰۰ھ میں کریم بخش نے اس کی کتابت کی ہے ۔ دوسرا نسخہ میرا اپنا ہے جس کو شیخ کمال الدین ولد شیخ امام بخش ساکن قصبۂ رھتک نے ۱۲۷۱ھ میں اپنے استاد خلیفہ یوسف خاں ساکن کیانہ کے واسطے نقل کیا ہے ۔

''محشر نامہ'' کے مقابلے میں اس کتاب کی زبان زیادہ آسان ہے اور قواعد زبان کے مطالعے کے لیے بھی اس میں کافی مواد ہے ۔ 'نے' علامت مفعولیت کہیں نظر نہیں آتی ۔ عربی فارسی الفاظ میں تصرفات کیے گئے ہیں ۔ چنانچہ :

'سرخ' کو 'سرکھ' ۔ 'جنات' کو 'جناس' ۔ 'زنا' کو 'زناہ' ۔ 'پلید' کو 'پلیت' ۔ 'علما' کو 'علماؤ' لکھا ہے اور حاؤ کا ہم قافیہ مانا ہے 'شہادت' کو 'شہادتی' ۔ 'جانور' کو 'جناور' ۔ 'جامہ' کو 'جاماں' 'رکعت' کو 'رکات' اور ایک بار ، دو بار کو 'ایک بر' اور 'دوبر' کی شکل دے دی ہے ۔

اُدھر 'لقمہ' کو 'لقاں'۔ 'دنیا' کو 'دنیاں' - 'جماعت' کو 'جمات'۔ 'مسئلہ' کو 'مسلہ' - 'نفع' کو 'نفا' - 'قرآب' کو 'قراب' تلفظ کیا ہے اور دانت کا ہم قافیہ ٹھہرایا ہے - 'مسجد' 'مسیت' کی شکل میں لکھی گئی ہے -

غنہ کی مثالیں : ایسیں - جیسیں - کیسیں - پہلیں - پنچاس - کنئیں (کیسے) -

حروف ظرف : مان - مانہہ - ماھیں - مانہیں - مول - بیچ - بچ - بیچ مان - مانجھ - اندر -

تبادلۂ 'لام' و 'را' : کارا (کالا) - اوجرا (اُجلا) - باوری (باولی) - جارکر (جلا کر) - مچھری (مچھلی) - پنڈری (پنڈلی) -

تبادلۂ 'ڈال' و 'ڑا' : بھیڈیا (بھیڑیا) - جاڈا (جاڑا) ایڈی (ایڑی) -

ثانی حرف علت : ماچھر (مچھر) - چام (چمڑا) - تاکڑی (تکڑی) - کاہڑ (کہڑا) - نانھ (نتھ، پہننے کی) - پاٹی (پٹی) - نانگا (ننگا) - لاکڑی (لکڑی) -

محبوب عالم دیس کی زبان میں تعلیم کے حامی ھیں اس لیے ایک مقام پر فرماتے ھیں :

جیسی تجھ زبان ہے ویسی بولی بول
معنی فقہ حدیث کے جیبھ آپنی کھول

''مسائل ھندی'' کا نمونۂ کلام دینے کی یہاں ضرورت نہیں ہے - میں اس کے دیباچے سے کچھ اشعار اس سے قبل آپ کو سنا چکا ھوں - اب ھم ان کی تیسری تالیف ''درد نامہ'' کی طرف توجہ کرتے ھیں -

(۳) درد نامہ

اب تک ھریانہ دبستان کی جن کتابوں کا ھم نے مطالعہ کیا ہے، یوں سمجھنا چاھیے پنجابی نظم نگاری کی تقلید میں لکھی گئی تھیں - لیکن محمد شاہ کے دور میں بلکہ اس سے چندسال قبل ایک انقلاب آتا ہے اور دھلی میں دکنی طرز کی شاعری رواج عام پاتی ہے - ''درد نامہ'' ایسے وقت میں تالیف ھوتا ہے جب دھلی میں اردو کا دبستان قائم

ھوچکا ھے اور مصنف نے اس سے اثر پذیر ھو کر اپنی اس نظم میں فارسی وزن متقارب مثمن محذوف و مقصور اختیار کر لیا ھے اور پرانے پنجابی وزن کو خیر باد کہہ دیا ھے۔

دبستان دھلی کا پرتو ''درد نامہ'' کے خاتمے میں بھی نظر آتا ھے جہاں مصنف نے رسول اللہ کی وفات پر چار مرثیے حضرت فاطمہ و حضرت عائشہ ، حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی طرف سے لکھے ھیں اور ان کو دوھروں کے نام سے موسوم کیا ھے؛ اگرچہ غزل کی طرز میں لکھے گئے ھیں۔ ان میں تین مرثیوں میں قافیے اور ردیف کی پابندی کی گئی ھے جیسا کہ غزل کا دستور ھے لیکن پہلے مرثیے میں صرف ردیف پر قناعت کی گئی ھے۔ قافیے کے ساتھ ردیف کا التزام در حقیقت دبستان دھلی کا پرتو ھے۔

میرے پاس ''درد نامہ'' کا جو نسخہ ھے ، وہ میرے دوست پروفیسر سراج الدین آذر۔ ایم۔ اے۔، ایم۔ او۔ ایل کی ملک ھے۔ ۱۲۶۰ھ میں عبدالقادر نے اس کی کتابت کی ھے۔ اس نسخے کے ایک سو سڑسٹھ صفحات اور ۱۶ سطور فی صفحہ ھیں۔ کتاب کا نام دیباچے میں نہیں آتا ، البتہ خاتمے میں یوں آتا ھے :

محمد کا میں درد نامہ کہا   اسی درد میں جیو جاماں دھا

سبب تالیف میں صرف اسی قدر لکھا ھے :

الٰہی تکبر خودی کھینچ لے   مسلمانی محبوب عالم کوں دے

کہے عشق سوں نعت احمد رسول   دو عالم میں ھوجائے مقبول پھول

پہل باب حضرت کے دکھ کی لکھے   بھر فوت نامہ نبی کا لکھے

آخری شعر میں اشارہ ھے کتاب کے دو حصوں کی طرف۔ پہلے حصے میں رسول اللہ پر کفار مکہ کے مظالم اور ستم رانی کی داستان ھے ، دوسرے میں آپ کی وفات کا بیان ھے۔ اس تقریب سے کتاب کا نام ''درد نامہ'' رکھا گیا ھے۔ آخری حصہ یعنی ''فوت نامہ'' صفحہ ۱۲۴ سے شروع ھوتا ھے۔ افتتاحیہ شعر یوں ھے۔

اُوٹھ اب آؤ محبوب عالم سنبھار
محمد کا کہہ فوت نامہ پوکار

محبوب عالم کی زبان کی صرفی خصوصیات کے متعلق گذشتہ صفحات میں کافی اشارے ہوچکے ہیں۔ یہاں بعض نئے اُمور کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

اردو میں ذوالحال کا حال دکھلانے کے لیے من جملہ اور فعلی صورتوں کے ایک صورت 'دھرے ہوئے' 'رکھے ہوئے' یا خالی 'دھرے' اور 'رکھے' بھی مستعمل ہے۔ مثلاً :

'پوٹ سر پر دھرے ہوئے' یا 'پوٹ سر پر دھرے' : اس موقعے پر ''درد نامہ'' میں ایک قدیم صورت 'دھروں'، 'کروں' وغیرہ ملتی ہے، مثلاً :

محمد ایسی بیج آئے گھروں — اچھی خوب دستار سر پر دھروں

یعنی اچھی دستار سر پر دھرے۔

دوسری مثال :

چلے فاطمہ پاس ماتم کروں — تسلی اسے دین اس کے گھروں

ماتم کروں یعنی ماتم کرتے ہوئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ضمائر میں بھی تصریف کا قاعدہ جاری تھا، مثلاً ہم سے 'ہماں'، 'ہموں' اور 'ہمیں'۔ تم سے 'تماں'، 'تمہوں'، تمہیں۔ اور ان سے 'انہاں'، 'انہوں'۔ 'انہیں' آتے تھے۔ اس کتاب میں یہ تینوں شکلیں موجود ہیں۔ کاف بیانیہ محبوب عالم کی تصانیف میں نہیں ملتا۔ اس کی جگہ 'جو' آتا ہے :

کہا آپ حضرت نے تحقیق راز — جو معراج مومن کی ہے یہ نماز

اس موقعے پر چند اشعار جنگ احد کے بیان سے سناتا ہوں :

ہوئی صف جو دونو طرف سے طیار — پوکارے چھٹوں طرف سے مار مار
ترنگوں کی پھرنگ کھینچی لگام — بھئی دنگ اس جنگ کی دھوم دھام
دھاندم گھاندم ہوئی پھیر کر — لیا ایک نیں ایک کوں گھیر کر

کہیں برچھیاں نرچھیاں ہاتھ میں
کری سیل کی ریل اوت کھیل کر
شپاشپ چلے تیر پے تیر زور
لگے گرج بھاری گرج شور کر
بھٹی ڈھار تروار اوت آب دار
لڑائی ٹھٹی ا ایک قیامت اوٹھی
کہیں مست گھومیں صحابی کھڑے
مسلماں اصحاب نے بیر کر

ہوے مرد کے مرد جب گھات میں
لیا مرد نیں مرد کوں پیل کر
کھپا کھپ ہوے پار سنجوہ پھوڑ
کمر توڑ ڈاری نپٹ زور کر
جیسے پار صابن ہووے لوہ دار
قیامت کی اس باب چھاتی پھٹی
کہیں گھاو کھاے قریشی پڑے
لیا مار کفار کوں چیر کر

دوہرہ حضرت فاطمہ :-

اس درد میرے کے اوپر سو لاکھ نیناں چاھییں
کویل پپیہا کوکلا دکھ دیکھ میرا رووتے

[میں] درد ماں پر درد ہوں مکھ زرد ہو کر گرد ہوں
جو آئیں بیٹھیں موہ کن دکھ دیکھ میرا رووتے

جیسا سہا میں درد دکھ ایسا سلیماں پر جو ہو
سب دیو پریاں بھوت جن دکھ دیکھ میرا رووتے

یہ آنچ دوزخ میں نہیں جو آنچ میرے تن لگی
غلماں و حوراں جنتی دکھ دیکھ میرا رووتے

ہر بات ماں لوھو بہے ہر حال ماں چھاتی دھے
جنگل پہاڑاں باغ بن دکھ دیکھ میرا رووتے

سب رین رووان ایکلی سکھ چین سوواں نا بھلی
سورج ستارے چاند بھی دکھ دیکھ میرا رووتے

محبوب عالم فاطمہ دکھ آپنے میں یوں کہا
سب انبیا اور اولیا دکھ دیکھ میرا رووتے

---

۱ - 'ٹھٹھنا' بہ معنی ترتیب پانا ، تیار ہونا و سجانا - پنجابی میں بھی مستعمل ہے - (مرتب)

یہاں ہمیں اس زبان کی خامیوں اور نقائص کی تلاش میں اپنا وقت صرف نہیں کرنا چاہیے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ ہماری زبان جب تقریر سے تحریر کے مدارج پر ارتقا کرنے لگی ہے ، اس وقت اس کی کیا حالت تھی - اس سلسلے میں محبوب عالم و دیگر مصنفین کی تالیفات ہمارے لیے قیمتی دستاویزوں کا حکم رکھتی ہیں - ان میں قدیم اردو کا گراں بہا سرمایہ محفوظ ہے جو اصول و قواعد زبان اور قدیم طریق تلفظ پر کافی روشنی ڈالتا ہے -

اب میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اس قدر گزارش کرتا ہوں کہ محبوب عالم کی یہ تحریک ملک ہریانہ میں نہایت کامیاب اور بار آور ثابت ہوئی ہے - متعدد اہل قلم ان کے ہم عصر ہیں ، مثلاً میر جعفر زٹلی ساکن نارنول ، اٹل نارنولی اور اکرم رہتکی المتخلص بہ قطبی جو ''نعرہ ماسہ'' کے مصنف ہیں - شاہ عبدالحکیم مصنف ''خواب نامہ'' و ''جہیز نامۂ بی‌بی فاطمہ'' ، شاہ غلام جیلانی رہتکی مصنف ''چوپائی ہا'' اور مولوی شاہ محمد رمضان مہمی ، امام بخش تھانیسری اور دیگر اصحاب محبوب عالم کے بعد اس تحریک کو زندہ رکھتے ہیں - لیکن ان بزرگوں کا ذکر میرے آیندہ مضمون کا موضوع ہوگا -

(۴)

۳ - اکرم رہتکی المتخلص بہ قطبی

ہندوستان میں شیخوں کی ایک قلیل التعداد اور غیر معروف جماعت ہے جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتی ہے - علی گڑھ ، سنبھل ، رہتک وغیرہ شہروں میں یہ لوگ آباد ہیں - بنی اسرائیل کی وجہ تسمیہ ہمیں معلوم نہیں لیکن یہ عقیدہ کہ بنی اسرائیل یہودی النسل ہیں ، یقیناً صحیح نہیں - قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے اجداد میں کوئی بزرگ اسرائیل نامی گزرے ہیں اور ان کی نسبت سے یہ قوم بنی اسرائیل کہلائی - بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تغلقوں کے زمانے میں یہ لوگ بیرون ہند سے آ کر یہاں آباد ہوگئے ، مگر تاریخوں میں ان کا

تذکرہ عہد جلال الدین اکبر سے پیشتر نہیں ملتا ، اس کے بعد البتہ خاص خاص موقعوں پر آتا ہے ، بنی اسرائیل میں تعلیم و تعلم ، علوم و فنون ، تصوف و سلوک ، نیز خوش خطی کا چرچا کم و بیش ہر زمانے میں رہا ہے اور بعض اوقات نامی آدمی بھی ہوئے ہیں - طبقۂ علما میں ایک بزرگ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل ہیں جو اکبر کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں - عبدالقادر بدایونی نے اس عہد کے مشاہیر میں ان کا شمار کیا ہے وہ انھیں شیخ اسحاق کاکوکا شاگرد بیان کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ شیخ نے اپنی عمر کا اکثر حصہ درس و تدریس اور تقویٰ و طہارت میں بسر کیا لیکن جب شباب سے کہولت اور کہولت سے شیخوخت کی منزل میں قدم رکھتے ہیں اور ڈاڑھی سپید ہوچکتی ہے ، ان میں ایک انقلاب آتا ہے اور کسی مطربہ پر عاشق ہوجاتے ہیں ، اور امور منہیہ کے مرتکب ہو کر رندانہ زندگی اختیار کر لیتے ہیں حتیٰ کہ شراب تک سے پرہیز نہیں کرتے - شیخ کے شاگردوں کو اس امر سے بہت صدمہ ہوا - جس طرح شیخ صنعان کے شاگردوں نے اپنے استاد کی اصلاح کی کوشش کی تھی ، یہ لوگ شیخ سعداللہ کی اصلاح میں مصروف ہوجاتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ شاہی محتسب بھی ان کا شریک کار ہو جاتا ہے - بالآخر شیخ تائب ہو کر بدستور قدیم اپنے مشاغل علمی میں مصروف ہو جاتے ہیں - شیخ سعداللہ صاحب کی تصانیف کثیر ہیں - امام غزالی کی ”جواہر القرآن“ پر ایک شرح جو ان کی تصنیف ہے ، ان ایام میں بہت مقبول تھی -

بدایونی نے ان کا ایک اور واقعہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل دراصل ہندو تھے - وہ لکھتا ہے کہ ایک دن جلال الدین اکبر بادشاہ نے شیخ سعد اللہ کو خلوت میں بلا کر پوچھا کہ شیخ تمھاری قومیت کیا ہے ؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہم جماعت نویسندہ سے تعلق رکھتے ہیں جنھیں ہندی زبان میں کایت[۱] کہتے

---

۱ - کایت = کایتھ (ہندی) = کایستھ (سنسکرت) - مشہور ہے کہ کایستھ ، کھتری باپ اور شودر ماں کی اولاد ہیں - (مرتب)

ہیں ۔ بادشاہ ان کی صاف گوئی سے بہت محظوظ ہوا ۔ بدایونی کے الفاظ یہ ہیں :

''چوں خلیفہ الزمانی اورا بہ خلوت طلبیدہ پرسیدہ اند کہ از کدام قومید گفتہ از نویسندہا کہ ایشاں را بزبان ہندی کایت می گویند ۔ بادشاہ را این بے تکلفی بسیار خوش آمد و صحبتے ممتد داشتند ۔''
(منتخب التواریخ ، صفحہ ۲۹۶ ، نول کشور)

اگر یہ بیان صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل دراصل کایستھ ہیں ۔

بنی اسرائیل میں مجھ کو تین کاتب معلوم ہیں : پہلے ابوالفتح بن شیخ محمد بنی اسرائیل ساکن کول جو ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ء) میں دیوان حافظ کی کتابت کرتے ہیں ۔ یہ نسخہ اب برٹش میوزیم کے کتب خانے میں ہے ۔ ریو کی فہرست جلد دوم میں صفحہ ۲۶۹ پر اس کا ذکر آتا ہے اور نمبر ایڈ ۸۸۹۰ ہے ۔

ادھا بنی اسرائیل کولوی ایک اور کاتب ہے جو سترھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے ۔ شاہ نامے کی پہلی جلد جو اس کے قلم سے نکلی ہے ، انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ ایتھے نے اپنی فہرست میں صفحہ ۵۴۸ پر بذیل نمبر ۸۶۲ اس کا ذکر کیا ہے ۔

محمد شریف بنی اسرائیل موسوی ساکن بلدہ کول جلالی تیسرا کاتب ہے جس کے ہاتھ کی ''مواہب علیہ'' نوشتۂ ۱۰۹۷ھ ریو کی فہرست مخطوطات فارسی جلد اول صفحہ ۱۰ پر مندرج ہے ۔ انشا نگاروں میں محمد امین بنی اسرائیل اپنی ''مجمع الانشا'' ۱۱۴۶ھ میں بفرمائش بدھ چند تدوین کرتا ہے[1] ۔ نعمت اللہ بنی اسرائیل کی ''انشائے نعمت'' بھی انڈیا آفس میں محفوظ[2] ہے ۔

آمدم بر سر قصہ ؛ شیخ اکرم رہتکی مصنف ''تیرہ ماسہ'' رہتک

۱۔ نمبر ۲۱۲۲ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس ۔
۲۔ نمبر ۱۷۶۸ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس ۔

کے بنی اسرائیلیوں سے تعلق رکھتا ہے ۔ وہ اپنے آپ کو شیخ زادۂ بنی اسرائیل کہتا ہے ۔ چناں چہ بیرہ ماسے کا یہ شعر ہے :

بنی اسرائیل سب ہیں شیخ زادہ   رہیں رھتک شہر از بس کہ سادہ

ہم اکرم کے حالات زندگی سے بالکل ناواقف ہیں ۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اس کا تخلص قطبی ہے اور غالباً شیخ قطب الدین حبیب کا مرید ہے جو حضرت ابو صالح قطب کے تیسرے فرزند اور حضرت قمیس کی اولاد ہیں جن کا قصۂ ساڈھورا میں سجادہ ہے ۔

قطبی بڈے نصیب ڈھولا گھر میں پائیا
قطب الدین حبیب جن سے منگل گائیا

ایک اور موقعے پر لکھا ہے :

گیا پھر میں قطب کے پاس دوڑا
کہ جن کا ہے وطن حضرت ساڈھورا

ابو صالح قطب کے تیسرے پوت
قمیس اعظم جیو کے اولاد اودھوت

۱۱۳۳ھ مطابق ۱۳ جلوس محمد شاہی میں اکرم نے ''تیرا ماسہ'' یا ''پریم قصہ'' بہ تتبع ''بارہ ماسہ'' محمد افضل نارنولی تصنیف کیا ہے ۔ کہتا ہے :

پریم قصہ ہوا ہے آخر یارو   تیرا ماسا بھی اس کے نان بچارو
بارہ ماسا ہوئے تھا اور سب کے   تیرا ماسہ ہوا جا کر قطب کے
نکٹ افسانہ کا ہے یہ تو بھیا   دونوں کے نان جنا ہے دوی میا
اوسیں افضل کہ جس کا نانو گوپال   کیا ہے نارنولی صاحب حال
اسے قطبی کہ اکرم کر ہے مشہور   ز شعرو علم ہر دو ہست معذور
ہزار و یک صد و چل ثلث دیگر   جو تھاتب سن ہجری مشک اذ فر
محمد شیلہ کی ہے بادشاہی   لگا ہے سن تیرا از الٰہی

دو مرتبہ اس نے اپنی عمر اڑتیس سال کی طرف اشارہ کیا ہے :

گنوائے سو پچ اور غفلت ماں اٹھتیس
پھنسا در دام آں شیطان ابلیس

دیگر

جو سن اٹھتیس میں ڈھولن ملاؤ
گویا سو لاکھ بندی کو چھو ڈاؤ

تیرا ماسہ بہ تتبع بارہ ماسہ قطبی کی ایجاد ہے ۔ ان میں اسی قدر فرق ہے کہ بارہ ماسہ میں صرف بارہ مہینوں اور ان کے متعلقہ موسمی حالات کا بیان ہوتا ہے ۔ تیرا ماسہ میں لوند کا مہینہ بھی شامل کر لیا گیا ہے ۔ باقی مراتب میں بارہ ماسہ اور تیرا ماسہ بالکل ایک ہیں ۔

یہاں چند الفاظ بارہ ماسہ کے متعلق کہنے ضروری ہیں : نظم کی یہ قسم اس کی موجودہ حالت میں خالص ہندی پیداوار معلوم ہوتی ہے اور ہندی جذبات کی حامل ہے ۔ بارہ ماسہ درحقیقت ایک فراق نامہ یا سرگزشت ہجراں ہے ۔ ہندی میں چوں کہ عورت عاشق اور مرد محبوب مانا گیا ہے ، اس لیے یہ سرگزشت اکثر عورت کی طرف سے بیان ہوتی ہے ۔ وہ اپنے محبوب کی جدائی کا ایک ایک مہینہ الگ الگ گنتی ہے اور خصوصیات موسمی کے ذکر کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات عشق اور کیفیت قلبی کو با حسرت و یاس ایک دل گداز پیرائے میں بیان کرتی ہے ۔ مثلاً ساون آتا ہے ، محبوب گھر نہیں ، سیاہ بادل آسمان پر محیط ہیں ، پپیہا اس کو پی کی یاد دلاتا ہے ، کوئل کی کوک سے دل میں ہوک اٹھتی ہے ۔ اتنے میں مینہ برسنے لگتا ہے ۔ ادھر یہ فراق زدہ طوفان گریہ شروع کر دیتی ہے ۔ یا مثلاً آسوج کا مہینہ ہے ، شہر میں دیوالی منانے کی تیاریاں ہر طرف ہو رہی ہیں ۔ دیوالی کی شب آتی ہے ، کوچہ و بازار میں چراغاں کا عالم ہے اور گھر گھر میں چراغ روشن ہیں لیکن یہ دکھیاری اپنے تاریک گھر میں سیج پر منہ لپیٹے پڑی ہے ؛ اندھیرے میں دم گھٹتا ہے ، کلیجہ منہ کو آتا ہے ، گھبرا کر اٹھ بیٹھتی ہے ۔ الغرض اسی طرح ہر مہینے کے تمام موسمی لوازمات بیان

ہوتے جاتے ہیں - ادھر ساتھ ساتھ قصۂ غم ہجراں بیان ہوتا رہتا ہے -
جب مہینہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا مہینہ لگتا ہے ، نہایت حسرت کے ساتھ
کہتی ہے ''لو یہ مہینہ بھی ختم ہوا اور محبوب گھر نہیں آیا - جب
اس طرح سے پورے بارہ مہینوں کا بیان ہو چکتا ہے کسی بشارت ، فال
یا خواب کی تعبیر کی بنا پر سمجھ لیا جاتا ہے ، کہ اب وصال عنقریب
ہونے والا ہے - یہ دکھیا اپنے گھر لوٹتی ہے اور دیکھتی ہے کہ محبوب
فی الواقع گھر آچکا ہے - دوڑ کر اس کے قدموں میں گر جاتی ہے - وہ
گلے لگا لیتا ہے اور ایام‌جدائی ختم ہوجاتے ہیں -

بارہ ماسہ ہمیشہ نظم میں ہوتا ہے اور مختلف بندوں میں بحساب ماہ
ہندی تقسیم ہوتا ہے - ایک ایک بند میں ایک ایک مہینے کا مذکور آتا
ہے - بند کے آخر میں دوہرہ اکثر لایا جاتا ہے - بعض وقت دوہرے کے
ساتھ فارسی شعر بھی ہوتا ہے - اگر دوہرہ نہیں ہے تو بند کے اوپر
عنوان میں خالی مہینے کا نام لکھ دیا جاتا ہے - سنسکرت میں بارہ ماسہ
نہیں ملتا - اس کے ادبیات کا اکثر و بیشتر ذخیرہ دیسی زبانوں میں
پایا جاتا ہے جن میں برج ، اودھی ، پنجابی ، ہریانی اور اردو قابل
ذکر ہیں - فی زماننا بارہ ماسہ متروک ہو چلا ہے لیکن اب سے تیس
سال پیشتر تک کافی مقبول تھا - بے شمار اہل قلم نے اس پر طبع آزمائی
کی ہے اور اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اس کا بے حد چرچا رہا
ہے - صرف ناگری پر چارنی سبھا کی سالانہ فہرستوں سے ہمیں ذیل کے
بارہ ماسہ نگاروں کے نام ملتے ہیں :

(۱) مہاراجہ بلبھدرا سنگھ (ناگو) ۱۸۲۱ء (۱۸۷۸ب) (۲)
اومادت - تاریخ نامعلوم (۳) راجہ دیوی سنگھ ۱۸۳۱ب (۴) کھیت سنگھ
(۵) نرہری داس بخشی ۱۹۳۲ (۶) چمن کنوری ، تاریخ نا معلوم
(عورت) (۷) راجہ پرتھوی سنگھ (۸) لال داس (۹) سندر (۱۰) محمد شاہ
(۱۱) کبیر بھگت (۱۲) جن گوپال - قریب ۱۷۷۶ء (۱۳) جواہر رای
۱۷۶۵ء (۱۸۲۲ب) (۱۴) خیرا شاہ (۱۵) وسال ۱۸۲۹ء (۱۸۸۶ب) -

پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں :

(۱٦) جسودھانند (۱۷) سیوا داس (۱۸) بیساکھی مل (۱۹) مگن (۲۰) مرلی داس (۲۱) سنت داس ۔

پیر زادہ محمد حنیف کے پاس :

(۲۲) ھرلام (۲۳) بارہ ماسہ سنگرہ جس میں چار نارہ ماسے ھیں ۔ (۲۴) از مسرور ، تصنیف ۱۲۵۴ھ (۲۵) سردار خان ۔

میرے پاس حسب ذیل ھیں :

(۲٦) عبدالوھاب (۲۷) مقصود (۲۸) خیرا شاہ (۲۹) بنی مادھو (۳۰) محمد افضل (۳۱) اکرم ۔ ۱۱۴۳ھ (۳۲) کرپا رام کایستھ بھٹناگر ساکن قصبۂ نرولی سمت ۱۸۲۷ (۳۳) کبیر ۱۱۳۰ھ بہ فرمائش چیلا سید مراد ۔

یہ شاید اتفاق ھے کہ اس فہرست میں وھی نارہ ماسے زیادہ قدیم ھیں جو مسلمانوں سے تعلق رکھتے ھیں ، مگر ان سے قدیم وہ ھیں جو گرنتھ صاحب میں محفوظ ھیں ، اگرچہ ان کی تاریخ معلوم نہیں ھے ۔ یہاں یہ سوال پیدا ھوتا ھے کہ بارہ ماسوں کا آغاز کس زمانے سے ھوتا ھے ؟ آیا وہ خالص ھندوانی ھیں اور قدیم سے ھیں یا ان کی ایجاد میں مسلمانی ھاتھ ھے ؟ ھم اپنی موجودہ معلومات کی روشنی میں اس کا کوئی قطعی جواب نہیں دے سکتے ۔ لیکن بارہ ماسے کی ایک قدیم طرز ھمیں خواجہ مسعود سعد سلمان کے دیوان فارسی میں ملتی ھے جو مروجہ حال بارہ ماسہ کی اصل مانی جاسکتی ھے ، اگرچہ مضمون کے لحاظ سے مختلف ھے۔ خواجہ مسعود کے ھاں نہ صرف بارہ ماسہ ھے بلکہ اس سے قریبی علاقہ رکھنے والی دو اور بھی چیزیں ھیں ۔ مثلاً اول تو ان کے ھاں بارہ ماسہ ھے جسے وہ 'غزلیات شہوریہ' کے نام سے یاد کرتے ھیں ۔ شہوریہ بارہ فارسی مہینوں کے نام پر ھے ، یعنی :

فروردیں ۔ اردی بہشت ۔ خورداد ۔ تیر ۔ مرداد ۔ شہریور ۔ مہر آبان ۔ آذر ۔ دے بہمن ۔ اسفندارمز ۔

گویا ان بارہ مہینوں کے نام پر بارہ غزلیں ھیں جو مختلف وزن اور

ردیف و قافیہ میں ھیں ۔ ھر غزل میں سات سات شعر ھیں ۔ مطلع میں التزاماً بارہ ماسے کی طرح مہینے کا نام آتا ھے ۔ بعد کے اشعار موسمی کیفیت اور شراب کے ذکر سے شروع ھوتے ھیں اور بادشاہ کی مدح و دعا پر ختم ھوتے ھیں ۔ ھر غزل میں ابوالملوک ملک ارسلان (۵۰۹ھ و ۵۱۲ھ) کا نام آتا ھے ۔ ان غزلوں کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ھے ۔ اس شہوریہ سے میں ایک غزل جو ماہ اردی بہشت سے متعلق ھے ، اس موقعے پر نقل کرتا ھوں :

بہشت است گیتی ز اردی بہشت
حلال آمد ای مہ مے اندر بہشت

بشادی نشین و می لعل خواہ
کہ بے مے نشستن زشت است زشت

براغ و بباغ و بکوہ و بدشت
رفر گرانمایہ اردی بہشت

بخندید گلزار و بگریست ابر
بنالید مرغ و ببالید کشت

بسے کلہ یابی کہ رضوانش بافت
بسے حلہ بینی کہ حوراش رشت

تو گوئی کہ ملک ملک ارسلان
گل و عنبر و مشک درھم سرشت

جہاندار شاھے کہ چرخ بلند
بہ ملکش یکے عہد محکم نبشت

(صفحہ ۲۸۱ ، دیوان ، ۱۲۹۶ھ)

اس کے بعد خواجہ کے ھاں غزلیات ایامیہ قرس ھیں ۔ چوں کہ فارسی مہینے کے تیس دنوں کے نام علیحدہ علیحدہ ھوتے ھیں ، یعنی اور مزدروز ، بہمن روز ، اردی بہشت روز ، خورداد روز ، مرداد روز وغیرہ ، اس لیے ھر دن کے نام پر پانچ پانچ شعر کی ایک ایک غزل ھے جو شاہ ارسلان مذکور کے نام پر ھے ۔ خورداد روز کی غزل یہاں نقل

کر دی جاتی ہے :

خورداد روز ، داد نباشد که با مداد
از لہو و خرمی نستانی زبادہ داد

از بادہ جوی شادی واز بادہ باش خوش
بے بادہ این جہان صنما باد گیر باد

خاصہ کہ عدل شاہ جہان چون بہشت کرد
درہای خرمی و نتر بر جہان کشاد

سلطان ابوالملوک ملک ارسلان کہ چرخ
گوید کہ تا محشر ملک ارسلان زیاد

دایم عزیز باد کہ دین است ازو عزیز
از ملک شاد باد کزو ہست خلق شاد

تیسری قسم میں غزلیات اسبوعیہ یعنی ہفتہ واری غزلیں ہیں جو ہفتے کے ہر ہر دن کے ساتھ منسوب ہیں ۔ غزلوں کی تعداد سات اور ہر غزل کے پانچ پانچ بیت ہیں ۔ یہاں شنبے کی غزل مذکور ہے :

زحل والیٔ شنبہ است ای نگار
مرا ایں چنیں روز بے مے مدار

زحل تیرہ رای است و تاریک جرم
تو خیز و مے لعل روشن بیار

کہ امروز گیتی ہمہ روشن است
ز اقبال و عدل شہ کامگار

ملک ارسلان پادشاہے کہ او
زمانہ فروز است و گیتی نگار

بہار و خزان باد روز و شبش
شبش روز باد و خزانش بہار

اس طرح خواجہ مسعود کے ہاں ہم دوازدہ ماہہ ، سی روزہ ، اور

هفته واری نظموں سے دو چار ہوئے ہیں ۔ اس صورت حالات میں اگر بارہ ماسہ کو مسلمانوں ایجاد مانا جائے تو بجا ہے مگر ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے کہ خواجہ مسعود ایرانی شاعر نہیں ہیں بلکہ ہندوستانی ہیں ۔ لاہور میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی اور پنجاب ہی ہیں مختلف مناصب پر سرفراز رہے ۔ ان کی شاعری کا زمانہ ۴۶۹ھ کے قریب سے شروع ہوکر ۵۱۵ھ کے قریب ختم ہوتا ہے ۔ ایران میں اس صنف نظم کا کہیں پتا نہیں چلتا ، اس لیے دو صورتیں ممکن ہیں : ایک تو یہ کہ خود خواجہ مسعود ہی اس صنف کے موجد ہیں ۔ دوسری یہ کہ ان ایام میں اس قسم کی نظموں کا دیسی زبانوں میں رواج تھا جیسا کہ ہمارے زمانے تک رہا ہے ۔ اس صورت میں خواجہ مقلد ہیں اور بارہ ماسہ بے حد قدیم ہے ۔ اردو زبان میں سب سے قدیم بارہ ماسہ محمد افضل کا ہے جو یقیناً سترھویں صدی عیسوی میں لکھا گیا ہے ۔ اس کے بعد قطبی کے تیرہ ماسے کا نمبر ہے جس کا یہاں تبصرہ کیا جاتا ہے ۔

اس کے نسخے نہایت کم یاب ہیں ۔ مجھے صرف دو کا حال معلوم ہے ۔ پہلا انڈیا آفس کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور فہرست مخطوطات میں بہ ذیل نمبر ۹۳ شمارۂ ۷ میں درج ہے ۔ ۱۲۵۳ھ میں عبدالکریم نے اس کی کتابت کی ہے ۔

دوسرا نسخہ میرے پاس ہے جس کو عنایت اللہ ولد حافظ امام بخش ۱۲۷۹ھ میں بہ مقام رھتک نقل کرتا ہے ۔ تعداد صفحات بائیس اور ہر صفحے میں سترہ سطریں ہیں ۔

اس تیرہ ماسے کو دیکھ کر معاً یہ خیال ہمارے دل میں آتا ہے کہ ہریانی زبان فقہی و دینی معاملات کی تنگنائے سے نکل کر مذاق عام کی شاہراہ پر قدم زن ہے ۔ بارہ ماسہ وغیرہ قسم کی چیزیں عوام الناس میں بے حد مقبول ہوتی تھیں ۔ لوگ انھیں زبانی یاد کرتے ، پڑھتے اور گاتے پھرتے تھے ۔ گیت اور لاونی کے بعد ان کا نمبر تھا ۔

قطبی کا تیرہ ماسہ نہایت سہل اور عام فہم زبان میں لکھا گیا ہے ۔ اس کا وزن وہی ہے جو محمد افضل کے بارہ ماسے کا ہے ، یعنی بحر ہزج

مسدس محذوف و مقصور - اس کے داستانی اجزا نہایت روکھے پھیکے اور بدسلیقگی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانی اصلی واقعات پر مبنی نہیں ہے بلکہ تخیل پر اس کا دار و مدار ہے ۔ تیرہ ماسے کا قصہ مختصراً یوں ہے کہ شاعر ایک دن کسی تیرتھ یا اشنان کے مقام پر نہانے کے لیے جاتا ہے - وہاں اسے ایک محبوب سرو اندام نظر آتا ہے - ناگنی زلفیں اس کے رخساروں پر کھیل رہی تھیں اور عنبریں دولائی اوڑھے تھا - یہ محبوب جو جنس لطیف سے تعلق رکھتا ہے ، انہیں دیکھ کر مسکراتا ہے - ان کے خرمن ہوش و خرد پر بجلی گرتی ہے اور بے ہوش ہو جاتے ہیں - آج کل کا زمانہ بے اعتقادی کا زمانہ ہے ، آپ لوگ کب ماننے لگے ، اگر میں یہ کہوں کہ جناب شاعر تین یوم تک برابر بے ہوش رہے ، مگر ان کا یہی بیان ہے - چناں چہ فرمایا ہے :

رہا دن تین تک بے ہوش و بے خود
آئی پھر جس کے پیچھے سرب اور سدہ
بیٹھا اوٹھ کر دیکھا احوال اپناں
تجیا سب کوں بھجیا گوپال اپناں

اور ہمت کی کمر باندھ کر ہمارا مجنوں اپنی لیلیٰ کی تلاش میں نکلتا ہے - قصہ مختصر بعد خرابی بسیار ملاقات ہوئی ، وعدے وعید ہوئے اور گھر لے آئے - کئی سال تک نرد محبت کھیلتے رہے - آخر فلک مکار نے نیا پانسہ پھینکا - ان کا ایک رقیب بھی کہیں گھات میں تھا - یہ گھر سے باہر کسی کام گئے تھے - وہ میدان خالی پاکر آ دھمکا اور ان کی لالن کو یہ پٹی پڑھائی کہ اے دیوانی تو کیا بھولی بیٹھی ہے - اس نے تو کسی اور محبوب سے بازی الفت لگا لی ہے :

کہا محبوب سیں تیں کیا بھولانا
تیں نے اس کا فکر اب کچھ نہ جاناں

اونے ایک اور سیتی پیت جوڑی
تری الفت جو اپنے دل سیں توڑی

لالن تھیں بھولی بھالی ، غصے اور حسد کی آگ نے اور بھی اندھا کردیا ۔ رات کو موقع پا کر گھر سے چل دیں ۔ جب یہ واپس آئے دیکھا کہ پنجرہ خالی ہے اور مینا اڑ چکی ہے ۔ دوبارہ تلاش شروع ہوتی ہے ۔ سب کچھ بیچ کر اور فقیر بن کر شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرتے ہیں ، تیرتھوں اور زیارت گاھوں میں جاتے ہیں ، دشت و صحرا کی خاک چھانتے ہیں مگر محبوب گم گشتہ کا سراغ نہیں ملتا ۔ آخر تلاش سے تھک کر میدان میں ایک جھونپڑی باندھ کر اس میں پڑ رہے اور تصور یار میں محو رھنے لگے ۔ اتنے میں برسات شروع ہوگئی اور اساڑھ کا مہینہ لگ گیا ۔ یہاں سے بیرہ ماسہ شروع ہوتا ہے ۔ میں یہاں اساڑھی بند نقل کرتا ہوں ۔ یہ یاد رہے کہ ہر بند کی ابتدا میں عنوان کے طور پر دو دو شعر سورٹھا کے لائے گئے ہیں :

آیا ماس اساڈہ فوج سنگاری نیہہ کی
کیسیں کیجے ٹھادہ سرہ اپنیں نہ کریہہ کی

ڈھولا پھرے بدیس میں تنہا لاچار ہوں
کہو سوں لٹ لٹ کیس قطبی آپا مار ہوں

چڈھے دل بادلوں کے ماس آساڈہ
میرا جیوڑا لیا اون بیریوں کاڈہ

سبھوں پہلے اکر کویل کیکائی
جو سوتی ڈاڑ ان سوکن جگائی

آئے پھر اندرا جا دے نگارا
پیا بن حال کیا ہوگا ہمارا

اچانک توپ کی جوں رعد گرجا
کڑک اوس کی جو سن کر رعد لرجا

ارے یہ رت کہاں سیں نکس آئی
میری برھن کے دونی آگ لائی

ھوئی برسات ماں ٹھنڈک کریجے
میرے سینے لگے آتش کے نیجے

ودھر سو اندنے نالے چلائے
ایدھر انکھیوں نے دو دریا بہائے

اودھر آساڈہ برسا دونگڑا کہن
ایدھر جھڑ لائے برسیں نین نسدن

اودھر امڈی گھٹا بادل چہوں اوڑ
ایدھر باندھا مری نینوں نے گھنگوڑ

عجب حالت ہئی بن پیئو پیاری
کہوں کسکے جو آگے یہہ بتہاری

ایدھر آساڈہ بیری چڈہ کر آیا
اودھر ڈھولن نے گھر پردیس چھایا

کوئی جا کر کہے پیو سیں کہانیں
بچہو ہے کی نہیں ہے باب سیانیں

جو کن دوتی نے جا کر دوت لایا
میرے تیرے بھتر ٹونان چلایا

ارے یہ دودہ کانجی کن رلائی
ھتیلی بیچ سرسوں یوں جمائی

نجانوں کس طرح اب ھوئے میلا
لگی تھی کس گھڑی اور کون بیلا

ارے قطبی کہاں تک ھوئے زاری
مٹے ناہیں تمامی عمر خواری

جو بے پرواہ سیں یہہ پریت لاگی
لگن ایسی لگی جو سب سیں بھاگی

سمجھتا ان سمجھ یوں ھو گیا ہیؤ
اندیشے ماں چلا اب جات ہے جیؤ

کیا بیری لوگوں کا پیو نے ھانسا
پنہایا ھنس گیمس پریم (کذا) بھانسا

نہ آئے آپ نہ ناں نتیاں ٹھائی
نہ دو باناں زبانی کہہ بھجائی

ارے آحر ھوا آساڈہ سارا
ملا ناہیں اجھوں تک پریم پیارا

اساڑھ کے بعد دوسرا مہینہ ساون ہے اور ساون کے بعد ایک اور ساون ہے جو لوند کا مہینہ ہے ۔ اس طرح جیٹھ تیرھواں مہینہ ھو جاتا ہے اور اسی بنا پر نظم کا نام تیرہ ماسہ رکھا گیا ہے ۔ ھمارا شاعر تیرتھوں تیرتھوں پھرتا ، قطب کے پاس جن کا وطن ساڈھورا ہے ، جاتا ہے ۔ قطب صاحب کا نام قطب الدین حبیب ہے ۔ قطب صاحب بشارت دیتے ھیں کہ تم اپنے گھر جاؤ اور وھیں محبوبہ سے ملاقات ھوگی ۔ گھر پہنچتے پہنچتے بیساکھ ختم اور جیٹھ لگ جاتا ہے ۔ گھر میں داخل ھوتے ھی ھمارا عاشق سودائی اپنی محبوبہ کو سیج پر بیٹھا دیکھتا ہے ۔ نہال ھو جاتا ہے ، دوڑ کر اپنی آنکھیں اس کے قدموں سے ملتا ہے اور چیخ چیخ کر روتا ہے ۔ محبوبہ گلے سے لگا لیتی ہے ۔ مدت کے بچھڑے مل جاتے ھیں اور اجڑا گھر پھر آباد ھو جاتا ہے ۔

بیساکھ کے بند میں شاعر نے مجاز کو حقیقت کا رنگ دیا ہے ۔ میں وہ بھی نقل کیے دیتا ھوں :

آئے گئے بیساکھ بیٹھے جو سس ناگہہ ھیں
جر بر ھوگئی راکھ میرے بھاویں لاکھ ھیں

ھو گئے بارہ ماس اجھوں نہ ظالم باھرے[1]
بھی رھا نہ ماس پیو کی ھوئی نہ ساھرے

---

۱ - باھرے = پہنچے ۔ پنجابی میں 'بوھڑنا' بہ معنی پہنچنا بھی اسی کی ایک شکل ہے ۔ (مرتب)

ارے سسا کھ من موھن کہاں رے
گئے ھیں کیا کوئی بر لا مکاں رے

اگر بر لا مکاں ھوں گے تو کیا ھے
مجھے اس پاس بھی جاناں بھیا ھے

اگرچہ مجھ کوں قوت نا رھی ھے
برہ نے دوڑ کر دیہی دھی ھے

کروں کیا بن دیکھیں مکھ کوں جو مرجانو
نہیں دو جگ ماں مجھ کوں پھر کہیں ٹھانو

جیسے یوسف کی بڈھیا ھو خریدار
ھوئی مشہور انٹی لے نہیں تار

خریداروں ماں اون نے نانو پایا
میں عاشق ھو کر آپا ھی گلایا

زلیخا کی ترنہہ[1] پوری[2] کہائی
ھوا مجنون سب لیلیٰ جو پائی

چلو اس جیوڑے ڈھونڈھیں دولارا
بناں ڈھونڈھن نپاے پی پیارا

اگــر السعی منی خــواندۂ تــو
ز محنت پس چرا درماندۂ تــو

پھروں چھوں[3] دیس کر جوگن کا بھیسا
پا اوں جے عاقبت تیرا ھی دیسا

کرو تم نحن اقرب کو صحی رے
وھی ھے سب جگاں حاضر وھی رے

---

۱ - یعنی طرح (مرتب)
۲ - باؤلی (مرتب)
۳ - پھروں چھوں (یعنی پھرتی ھوں) راجستھانی انداز ھے (مرتب)

ارے لوگو تمامی جگ میں جو ھا
مجھے بادل پنے سب تھا بجھوھا

مرا دلدار تھا میرے ھی گھر مانہہ
بیٹھا ایک باپ کے اولھے تھا نہاں

میرے وہ عشق کا سورا جو لے تھا
صریحاً جان کر [لے] تھا جو دے تھا

بھلے میں برسوں اور جگ لیا پھر
کہیں پایا نہیں ھارا میں آخر

گیا پھر میں قطب کے پاس دوڑا
کہ حق کا ھے وطن حضرت ساڈھورا

ابو صالح قطب کے دسرے دوب
ممبص(کذا)اعظم جیو کے اولاد اودھوب

مجھیں اونہوں میرے گھر ماں بتایا
اونہاں سیں میں گھروں کو پھیر آیا

ھوا بیساکھ آخر آوتے گھر
اگرچہ اوڈ چلا تھا لاے کے پر

ارے قطبی صبح کو ھوی میلا
صبر کر ایک شب بھر اور اکیلا

اکرم نے اس فراقیے کو نہایت سیدھی سادھی زبان میں لکھا ھے ۔ جذبات و خیالات کی ادائگی میں اس نے سگھڑپنے اور خوش مذاق سے کام نہیں لیا ھے ؛ نہ زبان کو سنوارنے اور شاعری کا ھنر دکھانے کی کوشش کی ھے ؛ جیسی اس عہد کی بولی ٹھولی تھی اور بول چال میں آتی تھی ، شاعر نے اسی بولی میں اپنا مطلب ادا کر دیا ھے ۔ صوفی الفاظ کی پروا نہیں کرتے ، معانی کو دیکھتے ھیں ۔ ھمارے شاعر کا بھی مقصد حقیقت ھے نہ مجاز ۔ علاوہ ازیں شمالی ھندوستان میں یہ عہد اردو کے ارتقا کی ابتدائی منزل ھے اور اس وقت حسن ادا ، رنگینیِ بیان

کی توقع کرنا خود ہماری نا سمجھی ہے ۔ ہمیں اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ دھلی کے قرب و جوار میں جو ابتدائی ادبی کوششیں ہو رہی تھیں ان میں اکرم کا یہ فراقیہ ایک خاص امتیاز کا مستحق ہے ۔ وہ ایک ایسی تالیف ہے جس کی تاریخ تصنیف اور مصنف کے وطن سے ہم واقف ہیں ۔ خود شہر دھلی میں ابھی تک سناٹا ہے اور کوئی ادبی کارنامہ نظر نہیں آتا ۔

میں اس وقت نیرا ماسے کے صرفی پہلو کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا ، اس لحاظ سے وہ بالکل محبوب عالم کی زبان کے مطابق ہے ؛ حتیٰ کہ وہ نادر شکل ، کروں ، دھروں ، جو محبوب عالم کے ہاں ہم دیکھ چکے ہیں' اکرم کے ہاں بھی موجود ہے ، مثلاً :

''کایجہ ہاتھ پکڑوں گھر کوں آیا'' یعنی ہاتھ سے کلیجہ پکڑے اور یہ شکل بھی موجود ہے مگر آخر میں غنہ کے ساتھ : شعر

دونوں اوڑوں سوں ناگن زلف چھوڈیں
دولائی عنبریں کی سر پر اوڈھیں

یعنی چھوڑے اور اوڑھے ۔

فارسی عربی الفاظ میں کافی تصرفات نظر آتے ہیں ۔ یعنی نقارہ = 'نگارہ' ۔ لرزنے کی ماضی 'لرجا' ۔ نیزہ = 'نیجا' ۔ اندیشہ = 'اندیشا' کوزہ = کوز ، شرمندہ = شرمند ، شاد = شادا ، نصیب = نصیبی ، رزائی = رجائی ، ستمگر = ستمی ، شائق = شوق ، انتظار = انتظاری ، ھجو = ھجو، ہے ۔ نمک بر زخم پاشیدن کا ترجمہ کیا ہے : ع

میرے زخموں کے اوپر لوں لایا

علاوہ بریں ریختہ کی طرز کے نا مکمل فارسی جملے استعمال ہوئے ہیں ۔ مثال : ع

گویا امڈی ندی از ہر کنارے

دیگر : مٹے شش پنج دلکی در ہمہ حال

دیگر : وزاں پس ایں فلک ہکارہ مکری

دیگر : فراغب زین بکھاو دکھ جلن ہے

کہیں کہیں ہندی کی ضرب الامثال بھی ملتی ہیں :

(۱) ہتھیلی میں سرسوں جانا ۔ مصرع :

ہتھیلی بیچ سرسوں یوں جائی

(۲) ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی ۔ مصرع :

نہیں ایک ہاتھ کی تاری جو باجے

(۳) پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے ، کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا ۔ شعر :

پیاسا پاس کوے کے گیا ہے
کوا پیاسے کے پاتا نہیں آیا ہے

مضمون کی طوالت کے خوف سے میں اکرم کے ذیرہ ماسے کی دیگر خصوصیات سے دست کش ہوتا ہوں اور شاہ عبدالحکیم کی طرف توجہ کرتا ہوں ۔

۴ ۔ شاہ عبدالحکیم

حضرت صدیق اکبر کی اولاد میں سے ایک بزرگ شیخ کمال الدین یمنی سیستان میں آ کر آباد ہوگئے ۔ ان سے چھٹی پسب میں شیخ قوام الدین تغلقوں کے دور میں وارد ہندوستان ہوئے ۔ حضرت نظام المشائخ نظام الدین اولیا سے بیعت کی اور سند خلافت حاصل کر لی ۔ دربار شاہی سے آپ کو منصب قضا سپرد ہوا اور رھتک کا علاقہ جاگیر میں مرحمت ہوا ۔ آپ کے پانچ فرزند تھے جن میں سب سے بڑے قاضی افتخار الدین تھے ۔ ان سے چھوٹے مولانا کبیر الدین تھے ۔ یہ دونوں رھتک سے ترک سکونت کر کے مہم میں آ بسے ۔ مولانا کبیر الدین مہم کے میر عدل مقرر ہوئے اور ان کی اولاد میں خطابت و عدالت کا عہدہ موروثی ہوگیا ۔ آپ سے چھٹی پشت میں شیخ محمد سلیمان ہیں جو میر عدل ہونے کے علاوہ حاکم شرع بھی تھے ۔ مولانا محمد سلیمان کے پوتے مولانا سیف اللہ ہیں جن کے پوتے حضرت شاہ کمال اللہ اور شاہ لطیف اللہ ہر دو برادر ہیں ۔ شاہ کمال اللہ منصب پنج ہزاری پر ممتاز تھے اور

لاھور میں کتاب خانۂ شاھی کے کتاب دار ۔ آپ کی ملاقات ایک بزرگ میر ایوب بدخشی سے ھوئی ؛ ان کی باتوں کا ایسا اثر ھوا کہ منصب و ملازمت ترک کر کے اور دنیوی تعلقات سے دست بردار ھو کر میر ایوب کے ھاتھ پر بیعت کر لی اور چھوٹے بھائی شاہ لطف اللہ کو اپنا جانشین بنا دیا ۔ ۱۱۵۵ھ میں شاہ کمال اللہ انتقال فرماتے ھیں ۔ حضرت شاہ کمال اللہ نے ھریانی زبان میں کوئی نہ کوئی تصنیف اپنی یادگار چھوڑی ہے لیکن ابھی تک اس کا سراغ نہیں چلتا (روضہ الرضوان صفحہ ۱۲ ، ۱۶)

حضرت شاہ عبدالحکیم شاہ لطف اللہ کے فرزند اور شاہ کمال اللہ کے بھتیجے ھیں ۔ سال ولادت ۱۱۲۱ھ ہے اور تاریخی نام غلام الایوب و فیض گوھر ہے ۔ جب شاہ کمال اللہ نے بھتیجے کی ولادت کا مژدہ سنا بہت خوس ھوئے اور بچے کو اپنے پیر کی غلامی میں منسوب کرکے اس کا تاریخی نام غلام الایوب رکھا ۔ میر ایوب بدخشی نے عبدالحکیم نام دیا ۔ چناں چہ آپ نے اسی نام سے شہرت پائی ۔ شاہ کمال اللہ نے آپ کی تربیت کی اور سلسلۂ نقش بندیہ میں بیعت لے کر سند خلافت عطا فرمائی ۔ شاہ کمال اللہ کی وفات کے بعد آپ نے دنیاوی تعلقات سے ھاتھ کھینچ لیا اور گھر کے اثاثہ و نقد و جنس کو راہ خدا مین صرف کرنا شروع کیا ۔ ھر بہانے سے خلق خدا کی خدمت میں حصہ لیتے ۔ ایک دفعہ ملک میں سخت قحط پڑا اور لوگ بھوکے مرنے لگے ۔ آپ نے خلق اللہ کی امداد کی غرض سے ایک مکان بنوانا شروع کیا ۔ دن کو جس قدر مکان تیار ھوتا آپ کوئی نہ کوئی نقص نکال کر رات کے وقت اس کو گرا دیتے ۔ اس بہانے سے ایک عرصے تک محتاجوں اور ناداروں کی امداد کرتے رہے ۔ ۱۱۵۷ھ میں آپ حضرت خواجہ عبدالباری اوسی مدنی کے مرید ھوئے اور ۲۰ جمادی الثانی کو دوشنبہ کے دن ۱۱۸۷ھ میں بعارضۂ بخار انتقال فرمایا اور اپنے والد شاہ لطف اللہ کے پائین اندرون مقبرہ زیر حویلی واقع مبہم دفن ھوئے ۔ (روضۃ الرضوان صفحہ ۱۹ ، ۲۸)

آپ کی تمام تصانیف کا پتا نہیں چلتا مگر جن کے نام معلوم ھیں یہ ھیں :

(۱) ''نسخۂ کمال ایوبی'' جس میں حضرت شاہ کمال اللہ اور ان کے مرشد میر ایوب بدخشی کے حالات و مقالات درج ھیں ۔

(۲) ''رسالۂ علم الفرائض'' بزبان فارسی ۔

(۳) ''خواب نامہ'' بزبان هریانہ ۔

(۴) ''جہیز نامہ'' بزبان هریانہ ۔

ان کے علاوہ دیگر متفرق نظمیں بھی حضرت غوث الثقلین و دیگر بزرگان دین کی مدح میں لکھی ھیں ؛ ھمیں یہاں ''خواب نامہ'' اور ''جہیز نامہ'' سے تعلق ھے ۔

خواب نامہ پیغمبر

فہرست کتب خانۂ اودھ میں اسپرنگر نے اس کتاب کا ذکر کیا ھے اور محمد جیون کی تصنیف مانا ھے (فہرست صفحہ ۶۱۷) ۔ لیکن یہ صحیح نہیں ھے ۔ میرے پاس مختلف شہادتیں ھیں جن کی رو سے یہ کتاب شاہ عبدالحکیم کی تصنیف قرار پاتی ھے :

(۱) میرے پاس ''خواب نامہ'' کا جو نسخہ ھے اس کے خاتمے میں عبارت ذیل درج ھے ۔

''این کتاب خواب نامۂ صلی اللہ علیہ وسلم من تصنیف مقبول رب الکریم شاہ عبدالحکم بہ تاریخ یازدھم ذیقعد ۱۲۷۹ھ بہ دستخط زشت نمط بندہ پراگندہ عاصی پر معاصی احقر العباد من عباد اللہ شیخ عنایت اللہ ولد شیخ حافظ امام بخش متوطن دھلی در شہر رھتک صورت اتمام یافت ۔''

گویا عنایت اللہ اسے شاہ صاحب کی تصنیف مانتا ھے ۔

(۲) ''روضۃ الرضوان'' موسوم بہ ''تذکرۃ الرمضان'' میں ''خواب نامہ'' و ''جہیز نامہ'' حضرت شاہ عبدالحکیم کی مصنفات میں

شمار ہوئے ہیں (صفحہ ۲۸) - شاہ محمد رمضان شاہ عبدالحکم کے پوتے ہیں اس لیے تذکرہ نگار کو جو اسی خاندان کے ایک فرد ہیں ، شاہ عبدالحکیم کے حالات و مصنفات کا صحیح علم ہوسکتا ہے -

(۳) لیکن سب سے اہم وہ شہادت ہے جو اصل رسالے یعنی ''خواب نامہ'' میں درج ہے - اس میں مرقوم ہے کہ یہ کہانی اصل میں فقیر رومی سے بہ زبان فارسی لکھی تھی اور عبدالحکیم نے اس کی ہندی کردی ہے ، چنانچہ :

یہ کہانی خوش کہی رومی فقیر کرم اپنے سیں توں انکا دستگیر

فارسی ماں تھی کہانی یہ کہی ہندوی میں چاھتا اوسکی بہی

ہندوی اس کی کری عبدالحکیم کرم کر اپنا تو اس پر اے کریم

اس شہادت کی بنا پر ہم اسے شاہ عبدالحکیم کی تصنیف مانتے ہیں -

خواب نامہ کل آٹھ صفحے کا رسالہ ہے جس میں فی صفحہ اٹھارہ سطریں ہیں - اس کا افتتاحی شعر ہے :

شکر حق کہتا ہوں پہلی بات ماں شرم میری راکھیو ہر بات ماں

خاتمے کا شعر یہ ہے :

پیار سیں رہ اے بندہ سب خلق سیں
پیار کرتا ہے خدا سب خلق سیں

خواب نامہ نیم مذہبی ادبیات سے تعلق رکھتا ہے - اس میں جناب رسالت مآب صلعم کے ایک خواب کا بیان ہے کہ ایک شب آپ عبادت الٰہی کے لیے حسب معمول بیدار نہیں ہوئے اور صبح تک سوتے رہے - اس پر فرمان الٰہی عتاب کے لہجے میں نازل ہوا - آپ عالم یاس میں گھر چھوڑ کر ایک پہاڑ کے غار میں مقیم ہوگئے اور رات دن خدا کی جناب میں گریہ و زاری میں مصروف رہے مگر دریائے رحمت الٰہی جوش میں نہیں آیا - ہر چہار اصحاب رسول نے باری باری اپنی عبادت امت نبی کے بخشوانے کے لیے پیش کی مگر مقبول نہیں ہوئی - آخر حضرت فاطمہ تشریف لاتی ہیں اور سر کھول کر درگاہ خداوند بے نیاز میں

دعا کرتی ھیں ۔ آپ کی دعا قبول ھوتی ھے اور سرور کائنات کو آپ کی امت کی بخشش کا مردہ پہنچتا ھے ۔ آپ شاداں و فرحاں واپس اپنے گھر تشریف لاتے ھیں ۔ اس کہانی کے واسطے مصنف نے لکھا ھے کہ درویش روم نے اسے فارسی زبان میں لکھا تھا ۔ بہ ظاھر اس سے مراد مولانائے روم ھیں ۔ میں نے اصل ماخذ کی تلاش میں مثنوی معنوی پر سرسری نظر ڈالی لیکن ایسی کوئی حکایت نظر نہیں آئی جو ''خواب نامہ'' کی اصل قرار دی جاسکے ۔ میرے پیش نظر نول کشور کی مطبوعہ مثنوی تھی ۔

''خواب نامہ'' کی زبان محبوب عالم و اکرم کی زبان کے مقابلے میں نہایت سہل اور آسان ھے ۔ اس میں ٹھیٹھ ھندی الفاظ بہت کم لائے گئے ھیں اور زبان اس عہد کی اردو کے نہایت قریب آ گئی ھے ۔ اگرچہ ھریانی کی اکثر خصوصیات موجود ھیں ۔ فعل مضارع و مستقبل میں جمع غائب کا فرق نمایاں ھے ، مثلاً مضارع :

امتاں پیاری لگاں مجھ آپ سیں

اور مستقبل :

کس طرح چھوٹانگے اس سیں عام خاص

اس زبان کی ایک خصوصیت یہ ھے کہ اس میں الفاظ کے صحیح تلفظ کی مطلق پروا نہیں کی جاتی ۔ لفظ کو توڑ مڑوڑ کر وزن کا تابع کر لیا جاتا ھے ۔ میں اس کی ایک دو مثالیں دیتا ھوں ۔ مثال آیندہ میں بڈھے اور جوان کے لفظ زیر نظر ھیں :

امتاں تیری بڈھے یا جوان ھوں
ان عذابوں سے کبھی خالی نہوں

آنے والی مثال میں تشدید کا استعمال ملاحظہ ھو :

دیکھ لیّا کچھ نہوّا کارگر

'کہا' کا استعمال :

کہا اے بابا ترا کیا حال ہے

'هر روز' کی مثال ؛

آوتی ہے ان پہاڑونسے هر روز

یہاں ''خواب نامہ'' کے خاتمے سے کچھ ابیات دیے جاتے ہیں تاکہ نمونہ معلوم ہو جائے۔ مصنف نے ان اشعار میں شیخ ابراهیم بن ادهم بلخی (متوفی ۲۶۱ھ) کی ایک حکایت نقل کی ہے جو دوستی دوستان خدا کے اخلاق پہلو پر روشنی ڈالتی ہے :

شاہ ابراهیم ادهم ایک رات دن
تھا خدا کی یاد میں سب جان تن

دیکھتا کیا ہے فرشتہ ہے کھڑا
لکھتا ہے کاغد کے اوپر کچھ کھڑا

پوچھا کیا کرنے گیا کچھ کام نوں ؟
جب فرشتہ نے کہا بتلائی دوں

نام اوسکے دوستوں کا میں لکھا
کیا نبی اصحاب اور کیا اولیا

جب کہا میرا بھی اس میں نام ہے ؟
کہا کچھ نانہ ہے نہ ٹھانو نہ گانو ہے

رو پڑا ادهم جو ایسی بات سوں
کہا حق آگے جو اپنے دھیان سوں

جو نہیں ہے نام میرا اے خدا
دوستوں کی دوستی ماں رکھ سدا

دوستوں کی دوستی مجھ دل بسے
بات میری سانچھ ہے توں مان لے
حکم حق آیا فرشتے کسوں تبھی
نام اس کا لکھ سرے پر توں ابھی
جو کوئی ہے دوست میرے دوست کا
دوست ہے جو دوست هووے دوست کا

دوست میرا جانکر کر دوستی
میں بھی رکھتا ہوں اسی سیں دوستی
پیار سیں رہ اے بندہ سب خلق میں
پیار کرتا ہے خدا سب خلق سیں

۵ - شاہ غلام جیلانی رھتکی

شاہ عبدالحکیم کے حالات میں شیخ قوام الدین اور ان کے دو فرزند قاضی افتخار الدین اور مولانا کبیر الدین کا ذکر اس سے پیشتر آ چکا ہے - شاہ غلام جیلانی قاضی افتخار الدین کی اولاد سے ہیں - قاضی صاحب کے فرزند شیخ عماد الدین قصبۂ مہم میں قاضی و مفتی و محتسب تھے - ان کے بعد یہ عہدہ ان کے خاندان میں موروثی رہا - شاہ غلام جیلانی کے والد شاہ بدر الدین المشتہر بہ اوحد شاہ پہلے شخص ہیں جو مسند قضا ترک کر کے معرفت و سلوک کے سجادے پر قدم رکھتے ہیں اور احتساب خلق سے منہ موڑ کر احتساب نفس میں مشغول ہوجاتے ہیں - یہ خاندان قدیم سے ہریانے میں دینی برکات و علمی روایات کا علم بردار رہا ہے -

شاہ غلام جیلانی کا سال ولادت ۱۱۶۵ھ ہے - آپ ابھی خورد سال ہی تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں - اس واقعے کے بعد آپ اپنے ماموں کے پاس پورب چلے گئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی - ماموں بڑے امیر تھے - انھوں نے نہایت محبت سے ان کی پرورش کی اور جب بڑے ہوئے ، ان کی قابلیت اور تدبر کو دیکھ کر انھیں اپنا نائب بنا دیا اور جاگیر و فوج کا سارا کام سپرد کر دیا - لیکن شاہ صاحب نے اس وقت بھی اپنے پدر بزرگ وار کی روایات کو قائم رکھا ، یعنی دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتے - چناں چہ دوستوں نے آپ کا نام قطب رکھ دیا - جب ماموں کا انتقال ہوگیا آپ چار پلٹنوں کے افسر بنا دیے گئے - آخر وہ وقت آیا جب آپ تعلقات دنیوی سے تنگ آگئے اور ملازمت سے استعفا دے کر واپس وطن چلے آئے اور بہت جلد والد ماجد سے خرقۂ فقر حاصل کر لیا - اس کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی

اجازت نامے حاصل کیے - ۱۲۰۵ھ میں والد کے انتقال کے بعد آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور حج و زیارات سے مشرف ہو کر مع الخیر وطن آگئے - آپ کا دوسرا سفر بغداد و کربلائے معلیٰ تک ہوا اور بعد واپسی وطن ہدایت خلق اللہ میں مشغول ہوگئے - ۱۲۳۵ھ میں بخار و درد شکم میں مبتلا ہو کر سترھویں شوال کو جمعے کے دن وفات پائی -

فارسی و ہندی میں متعدد تصنیفات آپ کی یادگار ہیں - بعض کے سا ذیل میں مذکور ہیں :

(۱) ''لطائف السلوک'' : یہ تصوف کا ایک رسالہ ہے -

(۲) ''شرح فارسی چوپائیہا'' : ہندی چوپائیوں یا رباعیوں کی شرح ہے اور چھپ چکی ہے -

(۳) ''اسناد الاشجار'' : جن سلسلوں سے آپ کو نسبتیں تھیں ان کے شجرے ہیں - ۱۲۲۰ھ کی تالیف ہے -

(۴) ''رسالۂ طریق الہدیٰ'' -

(۵) ''رسالۂ اعمال الامراض'' -

(۶) ''اثبات وحدت الوجود'' -

(۷) ''رسالۂ واجب ممکن'' -

(۸) ''رسالۂ زبدۃ السالکین'' -

(۹) اس کے علاوہ پارۂ عم کی مختلف سورتوں کی تفسیریں بھی لکھی تھیں -

ان تالیفات سے ظاہر ہے کہ آپ کا وقت دینی خدمت گزاری بالخصوص تلقین و تعلیم تصوف میں صرف ہوا ہے - ہم کو ان کے باقی کارناموں سے قطع نظر کر کے جو اکثر فارسی میں ہیں ، یہاں ان کی ہندی چوپائیوں پر تبصرہ منظور ہے جولسانی حیثیت سے براہ راست ہمارے موضوع سے وابستہ ہیں - یہ چوپائیاں ٹھیٹھ ہریانی زبان میں لکھی

گئی ھیں اور فن کی رو سے ان پر نظر ڈالتے ھوئے بلا تامل کہا جاسکتا ھے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعری کی حامل ھیں۔ ھندوستان میں ھندی گو شعرا کے طبقے میں ایسے پاکیزہ خیالات و شریف جذبات کے ترجمان بہت کم شعرا ھوئے ھیں۔ کبیر اور بلھے شاہ کے ساتھ ان کا نام بھی لیا جاسکتا ھے۔

موضوع کے لحاظ سے یہ رباعیاں طالب صادق کے لیے درس تلقین ھیں، جن میں طلب مرشد کامل، تجرید و تفرید، طلب صادق، عشق کامل، استغراق و محویت و دیگر مراتب عرفان کے متعلق ھدایات دی گئی ھیں، مگر ان میں ایسا عنصر بھی موجود ھے جس سے عوام بھی متمتع ھوسکتے ھیں۔ ان رباعیوں کی امتیازی شان یہ ھے کہ ان کا آخری مصرع بالعموم کسی نہ کسی ضرب المثل پر آکر ختم ھوتا ھے۔ دوسری خصوصیت یہ ھے کہ ایجاز و اختصار کی بہترین مثال ھیں اور اسی لیے مصنف کو ان کی شرح کی ضرورت محسوس ھوئی جس کا ذکر اوپر آچکا ھے۔ ۱۳۱۶ھ میں انور رھکی نے ان کی اردو شرح موسوم بہ ''قانونِ سلوک'' لکھی ھے اور یہ شرح میرے پیش نظر ھے۔

رباعیوں کا نمونہ دیتے وقت میں مناسب سمجھتا ھوں کہ پہلے ھر رباعی کا مختصر سا مطلب بیان کر دیا جائے اور بعد میں اصل رباعی نقل کر دی جائے تاکہ ان کے مطالب کے سمجھنے میں دقت نہ ھو۔

دنیا کی مذمت: کہتے ھیں کہ س دنیا پر کون اعتماد کرسکتا ھے۔ جب دیکھا جاتا ھے کہ ھمیں اس سے کیا نفع حاصل ھوا تو نتیجہ صفر نکلتا ھے۔ وہ صرف نمائش اور دکھاوے کی ھے، لیکن ھر حال میں بے فیض۔ ٹیسو کو دیکھتے نہیں جب پھولتا ھے کس قدر خوش آیند اور خوش نما نظر آتا ھے مگر ھمیشہ بے ثمر ھے۔ بالفاظ دیگر دنیا دیکھنے کی ھے برتنے کی نہیں:

ایسے جگ کو کو پتیاوے — جب ڈھونڈے جب کچھو نہ پاوے
دیکھن کا پرنت ھے اوت — ٹیسو پھولے سدا نہ پھوت

ترغیب عمل : جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لو ، تمھیں موقع حاصل ہے ۔ اگر موقع کھو دیا تو کف افسوس ملتے رہو گے ۔ زمانہ تمھاری عمر عزیز کو لحظہ بہ لحظہ اور دم بہ دم گھٹاتا جا رہا ہے ۔ یاد رکھو جب کولھو کٹتا ہے تو اس کی موگری بنا کرتی ہے ۔ کولھو سے رس اور تیل تیار کیا جاتا ہے ؛ اس سے مراد استطاعت عمل نیک ہے ۔ موگری سے خالی کھونٹیاں ٹھوکی جاتی ہیں ؛ اس میں اشارہ ہے سر پیٹنے اور افسوس کرنے کی طرف ، یعنی اگر نیک عمل کا وقت کھو دیا تو سر پیٹنا اور افسوس کرنا پڑے گا ۔ کہتے ہیں :

کر لے جو کچھ کرنا ہو پھر نوا پچتانا ھو
یہ جگ تیرا چھن چھن چھنے کولھو کٹے اور موگری بنے

اعمال نیک و بد : تمھارے اعمال اگر نیک ہیں تو بہشت مقام ہے ۔ اگر برے ہیں تو دوزخ ٹھکانا ہے ۔ جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے ۔ نیک عمل کو آفرین اور بد عمل کو پھٹکار ہے :

بھلی کرے تو سرگ بساوے پونجی بری نرگ لے جاوے
جیسا بووے ویسا لے دھرمی جیے اور پاپی چھیے

اصلی اور نقلی پیر : جب شہر عشق کی گدڑی بگڑ گئی ، کم مایہ بنیے سیٹھ بن بیٹھے ، اوچھی پونجی سے دکان آرائی کی ۔ وہی مثل صادق آئی کہ اندھوں میں کانا راجا :

جب پیم نگر کی اوجڑی پینٹھ سگرے بنیے ہوگئے سیٹھ
اوچھی پونجی ھوا بناؤ اندھوں بھیتر کانا راؤ

ہادی کی ضرورت : سالک کو تنہا جانے میں بھٹک جانے کا خطرہ ہے ۔ نابینا تنہا جاتا ہے اور گرگر پڑتا ہے ۔ لغزشوں اور غلط رویوں کے بعد رہبر کامل تلاش کر ۔ ٹوٹی گاڑی تو بڑھئی کے دروازے پر ہی لائی جاتی ہے :

آپ چلے تو بھلا چلے اندھا دوڑے گر گر پڑے
بھولے بھٹک کے گرو سنوار گاڈی ٹوٹی کھاتی دوار

جھوٹے پیروں کی مذمت : فرماتے ھیں کہ شیخ فانی نام رکھا کر پیر بنے ھیں ۔ مرید بناتے ھیں اور انھیں بھکاتے ھیں ۔ زبانی جمع خرچ سے راہ معرفت طے کرانے کے مدعی ھیں اور عمل میں پیادہ ھیں ۔ ان پیروں کی مثال ایسی ھے جیسے کوئی اناڑی نائی ھو اور بچے کا سر چھیل کر رکھ دے :

ناؤ رکھا کر گرو کہاوے چیلے پکڑے اور بھکاوے
جوگ کا مارگ باتوں کیلے اناڑی نائی سر کو چھیلے

شغل عبادت اور مرشد کی طلب : جب تک شیخ کامل ملے، بے کار نہ ھو ، اپنا وقت عبادت الٰہی میں گزارو ۔ دیکھتے نہیں بنیا خالی نہیں بیٹھتا ، اور کچھ نہیں تو باٹ ھی تولتا رھتا ھے :

جب لگ گر سے بھینٹ نہو دن رات سکھ سے مت سو
کچھ تو کر میرے میتا پیارے ٹھالا بنیا باٹ ھی ھاڑے

پیر کے ارشادات سے تساھل : جب ھادی کامل مل جائے ، لازم ھے کہ اس کے ارشاد و تلقین پر مستعدی سے کار بند رھو ۔ ایسا نہ ھو کہ اس کی ھدایات پر تساھل سے کام لو ورنہ بد نصیب رھوگے :

جب لگ نہو گرو کا ساتھ کیسے پاوے ھر کی بات
گر پاوے اور ھو سیلا کرم بختی کا آٹا گیلا

اسی بحث کو جاری رکھتے ھوے کہتے ھیں کہ شیخ کی ھدایت کو دل کے کانوں سے سنو اور غور کے ساتھ ان پر عمل پیرا ھو ۔ اگر وہ بال رنگنے کا حکم دے تو بال رنگ لو ۔ قاعدہ ھے کہ انسان جس ملک میں جاتا ھے اسی ملک کے اوضاع و اطوار اختیار کر لیتا ھے ۔ خواجہ حافظ فرماتے ھیں :

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کہتے ھیں :

گُر کے بنیں جی سے سن   ہردے چھن چھن پورا گن
اس کے کہنے رنگ لے کیس   جیسا دیس ویسا بھیس

نفس امارہ : تمہارے اندر ایک چور ہے ، جیسے بنے اس کا زو
توڑو - جب اس کا زور ٹوٹے گا تب راہ راست پر آئے گا - مال حرا
حرام میں جائے گا :

ایک ہے تیرے اندر چور   جہاں ملے بل اس کا توڑ
ٹوٹے جب وہ سیدھا بن جا   پاپی مال پراپت جا

خصائل ذمیمہ : دشمنان باطنی یعنی حرص و شہوت و غضب وغیر
تعداد میں بے شمار ہیں اور سب تیری مخالفت میں متحد ہیں - ا
تے اسی وقت امن میں رہے گا جب انہیں سولی دے دی جائے - ی
سب رھزن ہیں اور سب کی ایک زبان ہے :

گھٹ کے بیری گنے نہ جان   کام پڑے پر سب مل جان
بچے جبہی جب دیوے سولی   چوروں ٹولی ایک ھی بولی

صفات مذمومہ کا علاج ریاضت ہے : یہ باطنی دشمن جھوٹی باتیں
بنا بنا کر تجھے برباد کرتے ہیں اور تیرے قلب کو ورغلاتے ہیں
ریاضت کر اور انہیں راہ راست پر لا - مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے :

جھوٹی باتیں تجھکو کھوویں   اندر تیرے سب مل موھیں
کشٹ کرے تو ھو جان سانچے   مار کے آگے بھتنا ناچے

ریاضت و مجاہدہ : مجاھدے کے بغیر راہ معرفت نہیں ملتی اور اتن
چل کہ اھل قافلہ سے جا ملے - یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ
اضافت افعال کی جو اب بتقاضائے انانیت اپنی طرف کر رھا ہے ، ترک
کر دے اور توفیق الٰہی شامل حال ھو :

بن کشٹی نہ مارگ ملے   یہاں تک چل جو سنگ جا رلے
ہوگے تب جب کرتب چھوٹے   بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے

طلب صادق : راہ خدا میں طلب صادق ضروری ہے - نادان دوڑے
اور گرے گا - حصول مراد میں دیر لگنے سے مت گھبرا اور صبر سے

کام لے ۔ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ہوتی ہے ۔ پہلے کودوں ہوتی ہے اور پھر دھان ۔

عجب میں اچھا نہیں دوڑ چلنا
جو آگے بڑھے ہیں وہ پیچھے رہے ہیں

پوری دھن کا پوری کرے   مورکھ دوڑے گر گر پڑے
دن بیتن کا مت کر گیان   پہلے کودوں پاچھے دھان

دل بیار و دست بکار : مراقبہ کرو اور توجہ الی اللہ سے کام لو اور عشق الٰہی کی شراب پیتے رہو ۔ آہستہ آہستہ تمھاری رسائی ہوگی ۔ بے صبر مت بنو ، تیل اور تیل کی دھار دیکھو :

ہر سے گیان لگا اور جی   مدھوا اس کا چپ چپ پی
دھیرج دھیرج پاوے پار   دیکھ تیل تیل کی دھار

عبادت کی غرض و غایت : کہتے ہیں عبادت کا مقصد قرب الی اللہ ہونا چاہیے نہ نعیم جنت ۔ بہشت کے لیے عبادت عاشق صادق کے نزدیک جہنم سے بد تر ہے :

طاعت میں تا رہے نہ می و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

جنت کے واسطے ترک دنیا ایسا ہے جیسے کوئی شخص دنبہ دے کر مینڈھا لے ۔ ایسا شخص عشق حقیقی کے ذوق سے نا آشنا ہے ، خود ناقص ہے اور دوسروں پر نکتہ چینی کرتا ہے :

ہر کو بھجے اور مانگے سرگ   ہر ہی جانے اس کو نرگ
چھوڑے دنبہ لیوے مینڈھا   ناچ نہ جانے آنگن ٹیڈھا

عبادت خالص : عبادت میں سالک کے لیے خلوص شرط ہے ۔ وصال حق اور قرب جنت دو مختلف راستے ہیں ۔ دو رنگی چھوڑو ، یک رنگ ہو جاؤ ورنہ تمھاری وہی کیفیت ہوگی جو دھوبی کے کتے کی ہے ؛ گھر کا ہے اور نہ گھاٹ کا :

ایک رنگ ہو پی کن چلے   دھیرے دھیرے ہر سے ملے
دبدھا میں من جاوے پھاٹ   دھوبی کا کتا گھر نہ گھاٹ

سالک کی راہ میں دشواریاں : وصول الی اللہ کا راستہ آسان نہیں ہے ، اس کی منزلیں کٹھن ہیں ۔ جب منزل مقصود پر پہنچ جاؤ ، تب جانو کہ فائز المرام ہوئے ۔ ورنہ اس راہ میں قدم قدم پر دشواریاں حائل ہیں اور خطرہ سامنے کھڑا ہے ۔ ان منازل میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ اونٹ چڑھے مسافر کو کتا کاٹ لیتا ہے ۔ آپ لوگوں کو مرزا غالب کا شعر یاد ہوگا :

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

لیکن شاہ صاحب کہتے ہیں :

ہر کو مارگ سہج نہ جان پوری پڑے تب لاگے دھیان
تس پر ڈر ہے گھاٹے باٹے اونٹ چڑھے بھی کتا کاٹے

جذب و استغراق : جو شخص عشق الٰہی میں غرق ہے وہ ماسوی اللہ سے بے تعلق ہو جاتا ہے ۔ نہ اس پر کسی کی تعریف کا اثر ہوتا ہے نہ تنقیص کا ۔ وہ اپنے حال میں مست ہے ، نہ ساون سوکھا اور نہ بھادوں ہرا :

جس کی دھن ہر ساتھ لگے پھر وہ سب سے ٹوٹ رہے
ناں کبھی چکنا ناں کبھی روکھا ساون ہرا نہ بھادوں سوکھا

محویت حقیقی : جب محبوب کی دھن ہے تو پھر زمانے کے گرم و سرد اور راحت و غم کی تمیز باقی نہیں رہنی چاہیے ۔ جب ناچنے نکلے ہو تو پھر حیا کیسی :

جب دھن لاگی پے کے سنگ تتا سیلا ایک ہی رنگ
پھر کیا سوجھے ایسا ویسا ناچن نکلی گھونگٹ کیسا

دیگر ہریانوی اہل قلم

اب ہم چوپائیوں سے رخصت ہو کر دوسرے امور کی طرف توجہ کرتے ہیں ۔ بدقسمتی سے یہ مضمون اس قسط میں ختم نہیں ہوا اور مواد

اس قدر موجود ہے کہ ایک اور قسط کے لیے کافی ہے مگر بہ خوف طوالت
آج اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ البتہ یہاں مختصراً ان اہل قلم
ذکر کر دیا جاتا ہے جو اس مضمون میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں
ان میں سب سے زیادہ معروف اور محترم شخصیت شاہ محمد رمضان شہید
کی ہے۔ وہ ہریانہ دیس کے صحیح معنی میں مصلح اور ہادی ہیں
ان کی عملی زندگی کے کئی پہلو ہیں یعنی فقہی، روحانی، اصلاحی، او
ادبی۔ آخرالذکر حیثیت کی تفصیل، کے لیے علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے
میں یہاں ان کی ہریانی زبان میں تالیفات[2] کے نام درج کرتا ہوں۔

(۱) 'آخرگت': 'قیامت نامہ' کی طرز کی مثنوی ہے۔ ۱۲۲۱ھ اس
سال تصنیف ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ مولوی محمد سا
لکھوکی نے اس کا ترجمہ بہ اضافۂ بعض مضامین پنجابی زبان میں ک
ہے اور 'احوال الآخرۃ' نام رکھا ہے۔ آخرگت ۱۸۸۵ء میں مطبع نا
دہلی میں چھپی تھی۔

(۲) 'بلبل باغ محمد': ۱۲۲۶ھ کی تالیف ہے۔ اس مثنوی م

۱۔ شہادت ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۵ء (مرتب)

۲۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں کے نام منظور الحق صدیق
صاحب نے دیے ہیں:

(۱) قصیدۂ امالی کا ہریانی زبان میں ترجمہ و تشریح۔
(۲) بوڑھی بیاض۔
(۳) فتاویٰ محمدی (ہریانی نظم میں)
(۴) رسالہ رمضانی (علم فرائض سے متعلق)
(۵) رسالہ برق لامع (ہریانی نثر میں)
(۶) رسالہ رد روافض(فارسی نثر میں)

قصیدے کو چھوڑ کر باقی پانچ نام 'روضۃالرضوان' مولفہ مولو
عبدالشکور صاحب سہمی سے نقل کیے گئے ہیں۔
'ہادیٔ ہریانہ'، صفحہ ۱۲ (مرتب

چہل حدیث قدسی و نود و نہ اسمائے باری تعالیٰ کے معانی اور دیگر نکات مفیدہ درج ہیں -

(۳) 'رنگیلی': ہندی بحر میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں اہل معرفت کے لیے ہدایات ہیں -

(۴) 'عقائد عظیم': مذہبی مسائل پر ایک تالیف ہے جو چھپ بھی گئی ہے -

(۵) 'نصیحت نامہ[۱]': بچوں کے لیے اخلاق کتاب ہے -

(۶) 'وصیت نامہ' -

ایک اور اہل قلم امام بخش تھانیسری ہیں - تھانیسری تخلص ہے اور مختلف منظوم دینی رسالوں کے مصنف ہیں -

نوابان جھجھر کے دور میں ایک شاعر شیخ غلام نبی نارنولی ہیں - وہ نواب فیض محمد خاں (۱۸۱۴ء و ۱۸۳۵ء) کی سرکار میں بہ مشاہرہ ۶۰ روپیہ ماہوار ملازم تھے اور ٹپہ ، ٹھمری ، بارہ ماسہ ، خیال و کبت میں مہارت رکھتے تھے - شیخ نے ''راگ مالا'' بہ زبان ہندی لکھی ہے (تاریخ جھجھر ، صفحہ ۲۱۳ ، ۱۸۶۶ء) -

اسی عہد میں مہم میں ایک بزرگ غلام حسین چشتی ہیں - ہریانی زبان میں ایک راگ مالا ان کی یادگار ہے اور مہمی تخلص ہے - پیر زادۂ محمد حنیف کی بیاض سے یہاں ان کے کلام کا نمونہ دیتا ہوں - (ایک ضدی عورت کا گیت)

برج رہا سارا دیس ری میں ایک نمانی
ساس بھتیرا میں سمجھائی   دیور اتاری پاگ ری
سسرا چھوہ کییا بھتیرا   جیٹھ اٹھائی سانگ ری
میں ایک نمانی

۱- غالباً اسی کا ہریانی نام 'ادب چھوکرہ' ہے - مختصر منظوم رسالہ ہے - (مرتب)

نند بھاوج کی لاج گنوائی سیندھک کھولی مانگ ری
گلی گلی میں ناچن لاگی ایسی لائی لاج ری
میں ایک نمانی

پنڈت پوچھ سگن مناوت متھا اڑاوت کاگ ری
ان پاپی نے ایسی کینی نین لگا گبو بھاگ ری
برج رہا سارا دیس ری میں ایک نمانی

ھریانی زبان میں گیت بھی کثرت سے ملتے ھیں۔ بعض ان میں سے تاریخی دل چسپی کے ھیں اور واقعات عصری پر روشنی ڈالتے ھیں۔ میں یہاں اسی قسم کا ایک گیت سناتا ھوں جو مسٹر ولیم فریزر اور سرون[۱] سے متعلق ھے۔ یہ صاحب دھلی کے ریزیڈنٹ تھے اور ۱۸۳۵ء میں قتل کیے گئے۔ یہ قتل سیاسی نہیں تھا۔ اور شاعر مشہور نواب مرزا خان داغ دھلوی کے والد نواب شمس الدین خاں والی فیروز پور جھرکا اس قتل کے سلسلے میں ماخوذ ھوئے اور پھانسی کی سزا پائی۔ یہ گیت ھر حال میں ۱۸۳۵ء سے قبل جوڑا گیا ھوگا۔

سرون

۱۔ دھر کلکتہ سے چلا فریدن پانچوں پیر منائے
رب جانے پانچوں پیر منائے

پانچ مقام دلی میں کر کے چھٹا گنگا نے گاؤں
رب جانے چھٹا گنگا نے گاؤں

دھو لے کنویں پر تنبو تانا سرون ملتی ناہ
رب جانے سرون ملتی ناہ

گلی گلی چپڑاسی پھر گئے گھر گھر تھانے دار
ترا مریو تھانے دار

۱۔ سرون اس ھندو جاٹنی کا نام ھے جسے فریزر نے اغوا کیا تھا (مرتب)

کہے فریدن کام سے رہے — سن لے سارا کام
ترا مریو سارا کام
جو کوئی سرون بھال لگاوے — ہاتھی دوں انعام
رب جانے ہاتھی دوں انعام

کسی بیری نے بھال لگائی — سرون کھیت کو جائے
رب جانے..............
سر پر چھبڑا ہاتھ ماہ درانتی — باجرہ کاٹن جائے
تیرا مریو...............
باجرہ کاٹنی سرون پکڑی — درانتی ڈھونگے ماہ
تیرا مریو........... .....
سرون رو رو گال سناوے — ہنس ہنس ٹالے تھانیدار
ترا مریو........... ...

۳- ہاتھ ماں بیلوا بیلوے میں کنگھی — سیس کندھاون جائے
رب جانے..............
ایسا توسر میرا گوندہ نائی کے — سانپ لہریے کھائے
ترا مریو...............
نایاں کے گھر سرون بیٹھی — باہر پکارے تھانہ دار
سرون رو رو گال سناوے — ہنس ہنس ٹالے تھانہ دار[۱]

۱- اس گیت کا قلمی نسخہ جناب منظورالحق صدیقی پروفیسر کیڈٹ کالج حسن ابدال کے پاس ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''ہادی' ہریانہ'' میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس کے پانچ بند نقل کیے ہیں۔ چوتھا اور پانچواں بند درج ذیل ہیں: (بقایا حاشیہ صفحہ ۳۱۸ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۷)

۴۔ الٹا سلٹا گوند رے نائی کے ٹھاڈا لیو جای

ترا مریو..............

ملنا ہے نومل رے نائی کے پھر کیا ہو نرباہ
بھائی بھیناں سب تو مل گئے امی چند ملنا ناہ
کام گنگا نے سو بسو بسیو امی چند آوتا جا

ترا مریو..............

۵۔ دھرتی کا بیٹھنا چھوڑ دے ری سرون ،
مونڈھے کا بیٹھنا لے
اوڑھنی کا اوڑھنا چھوڑ دے ری سرون ،
ٹوپی کا پہنا لے
گھگرا آنگی پہرنا چھوڑ دے ری سرون ،
سائے کا پہرنا لے
چوکا بیٹھنا چھوڑ دے ری سرون ،
گانا بجانا لے
سرم لاج کو چھوڑ دے ری سرون ،
ھاتھ ملانا سیکھ

''ھادی' ھریانہ'' صفحہ ۴۲ - (مرتب)

اشاریہ

مقالات شیرانی (جلد دوم)

(مرتبہ گوہر نوشاہی)

شخصیات

ا

پ

ت

ٹ

ح

خ

د

ش

ص

ق

ک

گ

ن

مقامات

ا

ب

م

ن

ہ

اصطلاحات

ڈ

ر

ز

س

ش

ص

ض

ظ

کتابیات

ط

ع

غ

ف

ق

و

ھ

ے

صحت نامۂ اغلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۱۷	مین	متن
۱۹	۱۸	ابوالفصل	ابوالفضل
۲۱	۱	سغرا	بغرا
۲۳	۱	سکار	شکار
۲۵	۳	آنڈوں	آنڈو
۲۸	۱۲	چلتا رہے	چلتا ہے
۲۹	۹	سنئیے	سنیے
۳۱	۱۱	پاشند	باشند
۳۷	۳	لاہرری	لاہوری
۴۲	۲	کو کہنا	کو بوٹا کہنا
۴۶	۴	ربان	زبان
۵۲	۲۳	(رتھ صفحہ ۳۱۹)	رتھ (صفحہ ۳۱۹)
۷۸	۴	نہ ڈرہے ہے	نہ ڈرے ہے
۹۴	۱۰	منسرب	منسوب
۱۰۴	۱۳	لادے	لاوے
۱۰۶	۸	پہٹ	پہہ
۱۱۰	۱۷	نکیحی	نکیجی
۱۱۳	۱۵	ہم ناسی[۲]	ہمنا[۲] سی
۱۱۶	۱	پینندا	پہندا
۱۱۶	۲	یک دم	یک قدم
۱۲۱	۲۳	غزسال	غوبال
۲۳۲	۱۲	سباونا	سباوتا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۷	۷	آیتاں	آتیاں
۲۸۷	۴	دالے	والے
۳۰۹	۳	ہاور	تہاور
۳۱۹	۱۳	یاو	باؤ
۳۲۰	۱۱	بچھانا	پچھانا
۳۲۵	۲۴	'باری دنیا'	'بازی دنیا'
۳۳۳	۳	بدلے	بدے
۳۳۴	۱۷	کچھ	کچھو
۳۴۷	۵	نیں	نین
۳۵۴	۲۶	فیروز	نیروزہ
۳۶۱	۲۴	کڑی	کڑپی
۳۶۸	۶	سے مطابق	سے مطابق ہے
۳۷۰	۱۵	تار	تاریخ
۳۹۴	۲۴	رعد	جیو
۴۰۸	۲۰	س	اس